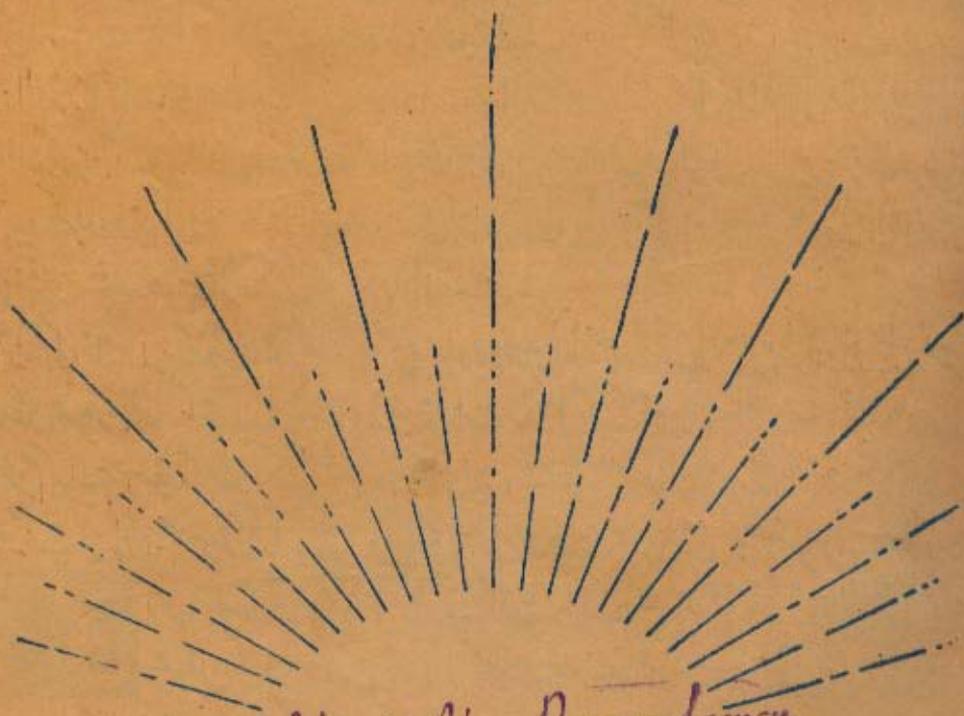


ماہنامہ تجلی دیوبند



Islamic News Paper Agency,
CLOTH BAZAR, RAICHUR.
(C. RLY.)

ایڈیٹر۔ عام عثمانی (فاضل دیوبند)

Price Rs. 1

صحیح بخاری شریف مع

بہترین اردو ترجمہ

فیض القرآن دیوبند کا دوسرا شاندار کارنامہ

اپنے پہلے پروگرام کے تحت قرآن مجید کی شہہ آفاق تفسیر تفسیر ابن کثیر اردو کا ایک ایک

پارہ پوری پابندی وقت کے ساتھ ہر ماہ شائع کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکتبہ کا دوسرا پروگرام صحیح بخاری شریف کا اردو ترجمہ کی اشاعت ہے۔ اس کے پیش پائے ماہ ایک ایک پارہ کی شکل میں شائع ہوتے رہیں گے۔

۱) فردو عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا وہ گرانقدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المؤمنین حضرت ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرما کر سولہ سال میں مرتب فرمایا ہے۔

۲) قرآن مجید کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور آسانی کتاب جس میں قطع سچی احادیث کا وہ حلیل لقدیر عظیم الشان علمی خزانا پوشیدہ ہے جو اسلام کی روح رواں ہے۔

۳) سابقہ تراجم کی خامیوں کے پیش نظر ترجمہ اردو بھی زیادہ وقت نظر، صحت فکر کا محتاج تھا اور حواشی و تشریح کا ایک بہترین خلاصہ بھی ضروری تھا۔ مکتبہ نے مستند علماء کی خدمات حاصل کر کے اکابر علماء اہلسنت کی نگرانی میں اس ہم خدمت کی تکمیل کا عزم کیا ہے، سفید کاغذ، تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ۲۰۰۰ سائز کا ثابت طبعیت معیاری۔

۴) ہدیہ دو روپے فی پارہ۔ محصول ذلک ایک پارہ فی پارہ، یہ عایت صرف ممبران کے لئے مخصوص ہے۔ عام ہدیہ تین روپے فی پارہ

۵) اس سلسلہ کی دہائی شرکت کیلئے صرف ایک روپیہ کا مہنی آرڈر ارسال فرما کر ممبر بن جائیے

۶) ممبران کی خدمت میں ہر ماہ صحیح بخاری شریف اردو کا ایک پارہ ذریعہ وی پی تین روپے ارسال کیا جاتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ پانچ دو سو تل کر ممبر پارے کے ہر ماہ پانچ نسخے یکجا منگائیں گے تو رعایتی وی پی مع ڈاک خرچ تیرہ روپے (بشمول) کی ارسال ہوگی۔ اس شکل سے یہ ناز علی خزانہ بہت معمولی رقم میں رفتہ رفتہ ہر شخص کے پاس پہنچ جائے گا۔

فیس ممبری

تجربہ
ممبر بننے اور
ممبر بنانے

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع بہاولپور

دیگر کلاں
تفصیلات
فورا لکھئے

ماہنامہ تجلی دیوبند



ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔

سالانہ قیمت چھ روپے فی پرچہ ۱۸

اس پرچے کی قیمت ایک روپیہ

غیر مالک سے سالانہ قیمت ۵ اشٹنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین بابت ۱۵ اپریل ۱۹۶۰ء

۱	آغا زین العابدین	۱۵	کھٹے کھوٹے
۲	پغیروں کے بعد سب بڑا انسان	۱۶	نعت و ننگہ
۳	تجلی کی ڈاک	۱۷	باب الصحت
۴	کیا ہم مسلمان ہیں؟	۱۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ
۵	فلسفہ شہادت اور شہرین	۱۹	حضرت حسن
۶	مسیر سے نجات تک	۲۰	باب النعت
۷	درسہ سراج العلم	۲۱	نعت و ننگہ
۸	شہدائے شاہد و من اھلھا	۲۲	کھٹے کھوٹے
۹	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	۲۳	
۱۰	آداب شب و روز	۲۴	
۱۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲۵	
۱۲	حضرت حسن	۲۶	
۱۳	باب الصحت	۲۷	
۱۴	نعت و ننگہ	۲۸	
۱۵	کھٹے کھوٹے	۲۹	

اشرف ضوری

اگر اس دائرے میں شرح نشان ہے تو کچھ لکھیں کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔
 یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا دی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری
 نہ رکھنی چوتب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلے پرچہ دی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ
 ہوگا۔ دی پی چھ روپے ہاسٹل ٹھہرتے پیسے کا ہوگا، منی آرڈر بھیج کر آپ دی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔
 پاکستانی حضرات یہ پہلے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیج کر رسید منی آرڈر نہیں بھیجیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (دیوبند)
 پاکستان کا پتہ۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ میت بازار
 پیرا ایچ سنجس کالونی۔ کراچی پاکستان



ماہ عثمانی پرنٹرز پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

اس پرچہ پر منی آرڈر بھیجیں۔ ہر ماہ ۱۵ اپریل تک وقت ڈاک کا ہوتا ہے۔ مکتبہ عثمانیہ ضلع سہارنپور (دیوبند) سے براہ راست کوئی خط و کتابت نہ کیجئے۔ خط و آواز منی آرڈر بھیج کر ہی کر لکھئے۔

آغاز سخن

لیجے ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد آپ کا تجلی پھر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خدا کرے پسند آئے اور جو وقت ناسخ سے ہوتی ہے دور ہو جائے۔ یہ عجیب ہی بات ہے کہ بعض مسائل میں ہماری دش اور بوقت سے اگرچہ پیشیاں لوگ خفا اور کینہہ خاطر ہیں، لیکن ساتھ ہی تجلی کی خجست اور پسندیدگی کا حلقہ بھی روز افزوں وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ گھرانہ نعمت ہو گا اگر اس حیرتناک صورت حال کا تذکرہ نہ کیا جلتے کہ بعض اختلافی مسائل میں ہمیں اپنے جن خیالات انکار کے باسے ہیں پورا یقین تھا کہ ان کا برٹا اظہار تجلی کی غیر معمولی مقبولیت کو بری طرح متاثر کرے گا اور دنیاوی لحاظ سے ہم خسار کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا انھی کو جب ہم نے ضمیر کے تعلق سے دیانت کے مطالبے اور اظہار حق کے واسطے کے تحت سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر سیرِ منظم کر دیا تو خدا سے رحیم و کریم کی بندہ نوازی دیکھنے کہ ہمارے یقین کے برخلاف تجلی کا قبول عام اور بڑھ گیا اور خسار کے تمام اندیشے پاؤں نہوا ثابت ہوئے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ہزار ہزار حمد و ثناء کی مستحق ہے وہ ذات والا صفات جو اپنے پر پھر و سہ کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتی اور جس کی شان یہ ہے کہ ایک تنکے کو طوفانوں سے اُچھٹنے کی ہمت اور ایک بچے کو تنکے کو ہاتھوں سے ٹکرانے کا کس بل عطا کرتی ہے۔

اَلْمَلٰٓئِكَةُ وَالَّذِيْنَ اٰتٰنَ السَّلٰمَ مِنَ الْمَوْجِبِ اَلْمُهَيَّبِيْنَ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ اَلْمُسْتَكْبِرِ مُتَّبِعِيْنَ اللّٰهِ عَمَّا اٰتٰنُوْهُ كُوْنٌ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الرَّحِيْمُ مَوْلٰٓئِہٖ اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی يَسْتَعْمِلُہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ کاش اس عبید تصور ذلیل کی طرح سامنے ہی مسلمان تجربہ کر کے دیکھتے کہ تمام وسیلوں اور واسطوں سے یکسر بے نیاز ہو کر براہ راست اللہ اور صرف اللہ سے مدد مانگنا بندہ مومن پر کس حیرت انگیز اور

ناقابل قیاس طور پر سیکنت و رحمت اور وسعت و برکت کی بائیں کا نردول کر لے اور اللہ جل شانہ کس طرح اُس بندہ بیکس کی کار سازی و دستگیری فرماتے ہیں جو ہر سفارش سے دامن کش اور ہر درمیانی رشتہ سے بے تعلق ہو کر میں اپنے خالق و مالک ہی کے درِ خود و عطا پر آمید اور اعتماد کے ساتھ پیشانی رگر کرتا رہے۔

اس عاجز کا نجاؤ داد پہلے ہی دن سے اللہ جل شانہ کی ذات پاک ہے جس دن سے یہ حدیث پڑھی تھی کہ لے خدا ہر ایمان رکھنے والے! اگر تیرے جوئے کا قسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگ!۔ اسی دن سے تہمتہ کر لیا تھا کہ زندگی کے آخری مسافر تک اپنی ہر مصیبت اور ہر حاجت میں اللہ ہی کو بکار سے گما صرف اللہ کو۔ بلا واسطہ اور بدون سفارش۔ یہ نہیں کہ انبیاء و اولیاء کا طفیلی بننا عاجز کے نزدیک گناہ ہے۔ نہیں جن لوگوں کا قلب اس برطمن نہ ہو کہ دعائیں درمیانی سفارشوں اور وسیلوں کے بغیر بھی مقبول ہو سکتی ہیں وہ شوق سے ویلے پکڑتے رہیں، لیکن وہی ذاتی کیفیت بیان کر رہا ہے کہ اس نے تو براہ راست اللہ ہی کو پکارنے میں عجیب حزا پایا، ناقابل بیان کیفیت و سرور ہے نہایت لطف و انتہا ج۔ پھر اللہ کی بندہ نوازی اور فیاضی دیکھنے کو، اس نے دھتکار انہیں، یہ نہیں کہا کہ گستاخ بندے تو ہم سے بلا سفارش براہ راست مانگتا ہے! یہ نہیں فرمایا کہ لائق انسان تو ہم جیسے شہنشاہ سے روز رو گشتگو کرتا ہے۔ یہ نہیں ارشاد کیا کہ بے ادب سفارش لاؤرنہ کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی بجائے اس کی چشم کر مئے انیاد امین رحمت پھیلا یا۔ اس کے گہرو علونے محتاج کے فقر و بجز کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے دست خود و سخا نے مال و منال اور دنیا و حیر ہی نہیں تک کی ڈلی اور پرتد کا شکر ابھی عطا کیا۔ آپ حیرت کریں گے۔ اور زوال توجس کا

موجودہ دور میں تہمت کرنی بھی چاہئے کہ اس عاجز کے انگوٹھے میں اگر پھانس بھی چھو کر یک گئی ہے تو اس نے اللہ ہی سے کہا ہے کہ 'لے ڈرتے ڈرتے کے خالق و مالک! تو ہی اسے اچھا کرے گا' دو علاج کی سنت ادا کرتے ہوئے میں تیرے ہی فیصلے پر یقین رکھتا ہوں کہ تو چاہے تو ایک پھانس کی حقیقت کیا اور نہ چاہے تو یہی نہ ہرے تیرے زیادہ ہلک ثابت ہو سکتی ہے! ہاں میں نے دو مہینوں کے لئے بھی اور ہزار روپوں کے لئے بھی اللہ ہی سے دعا کی ہے اور قطعاً بے واسطہ کی ہے۔ میں نے ہولناک مہیبت میں بھی اور مولیٰ پریشانیوں میں بھی اسی کو پکارا ہے بے وسیلہ اور بلا واسطہ۔ پھر نہ پوچھتے اس بے نیانے اپنے ذلیل بندے کے ناز اور بھروسے کو کس کس طرح نوازنا۔

آپ کہیں گے یہ کیا رام کہانی سنائی جا رہی ہے۔ واقعی میں معترف ہوں کہ اس طرح کی باتیں ادا رہنے کے شایان شان نہیں! لیکن بعض حالیہ تجربوں کے ساتھ ماضی کے متعدد تجربات و حالات آج اچانک اس طرح فضا کے تصور پر چھائے کہ ضبط کا پارا نہ رہا اور قلم تحدیثِ نعمت پر آمادہ ہو گیا۔ پھر اُمتِ مسلمہ کی عام حالت کے تصور نے دل کو اور بھی اُبال دیا۔ ہائے یہ دعوتِ توحید کرنے والی امت جس نے خدا کو خدا سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ جس نے ذاتِ باری تعالیٰ کو دنیا کے ان بڑے لوگوں کی طرح گمان کر لیا ہے جن کی بارگاہ تک درمیانی سفارشوں اور وسیلوں کے بغیر کوئی آواز نہیں پہنچائی جا سکتی پھر اس گمان کے نتیجے میں اس نے اہل شہنشاہ کو تو ناوی حیثیت میں ڈال دیا اور وسیلوں ہی کو سب کچھ ٹھنڈی ٹھنڈی نہیں لے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے والو! ہمارا شہنشاہ ایسا نہیں ہے۔ وہ اُوسپکے مخلوق میں ٹھپ کر نہیں بیٹھتا وہ مخلوق کے ایک ایک فرو سے نہ بے خبر ہے نہ لاپرواہ اس نے کہا ہے کہ۔

إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذْ دَعَا ۖ وَكَلِمَتِي أُوْتِي أُولَئِكَ ۚ وَاللَّحِيزُ ۚ
اور لے پیغمبر! جب میرے بندے سے کہیں کہ میں نے کہا ہے کہ۔
مخلوق تم سے پوچھیں تو انھیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکائے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اسکی پکار کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ لہذا انھیں چاہئے کہ مجھی سے طلبِ اجابت کریں۔ اور اس نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ
وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ
وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْإِزْمِيلِ
الذِّرِّيَّةِ -

++++

بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان خطرات و دوساؤں کو خوب جانتے ہیں جو اس کے نفس میں گزرتے ہیں اور ہم رگِ گلے سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

ذرا سوچنا اور کون ایسا فریاد رس اتنا قریب ایسا علم و خیر اور ایسا حاضر و ناظر ہو سکتا ہے۔ اس سے مانگ کر دیکھو۔ بھروسے امید اور لگن کے ساتھ۔ یہ بے نہایت رحم و کرم اور لا محدود علم خیر والا ہے۔ تم جتنے زیادہ عاجز و بیکس اور محتاج و بے سہارا اس کے حضور جاؤ گے اتنا ہی زیادہ اس کے دریا سے بخشش و عطا میں جوش آئے گا۔ چھوڑ دو غیر اللہ کے دامن۔ تو ڈرو غیر اللہ سے امید کے سامنے رشتے۔ دعا کے لئے وہی راہ اختیار کرو جو سرورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک روشن لکیر کی طرح چمک رہی ہے اللہ کے بعد ہر مخلوق سے بڑھ کر عظمت و شان والا مگر اللہ کے آگے احتیاج و فقر کا مجسمہ!

خطا معاف۔ اگر ان سطروں میں کسی کے لئے کوئی بہت ہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے نہیں ہے تو دیوانے کی بڑ بڑھ کر آگے بڑھ جائے۔

ہمارا ایک نسل

افزوری سنہ کے آغاز سخن میں رقم الحروف کی ایک عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ حضرت عمرؓ کے پوتے تھے۔ یہ غلط ہے۔ آپ پڑ پڑتے تھے۔ یعنی حضرت عمرؓ کی پوتی کے صاحب زادے۔ جن اجابت اس نسیان پر متنبہ کیا ہے ان کو اللہ جزا سے خیر دے۔

پاکستانی پتے میں تبدیلی
پاکستانی حضرات ایک مجلس
اور مکتبہ تحلی کی رقمیں شیخ سلیم اللہ
صاحب کو بھیجتے ہے ہیں۔ اب ذیل کے پتے پر بھیجیں۔
مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الہی بخش کالونی۔ کراچی
ادارہ تحلی جناب شیخ سلیم اللہ صاحب کا بھید ممنون ہے کہ انہی بھید
مصرفیت کے باوجود انھوں نے عرصہ دراز تک بار بار ایانت اٹھایا۔
اب ادارہ بصد شکر یہ انھیں سبکدوش کرتا ہے۔ منجر

پیغمبروں کے بعد سب سے بڑا انسان

اسما جناب حسنؑ یا ض

بیان کیا گیا ہے کہ جب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو کہ کے بعض لوگوں کے دلوں میں جستجو پیدا ہو گئی کہ دین الہامی کیا تھا۔ وہ اس کے تعلق گفتگو کرتے تھے اور ظن و تخمین سے کچھ عقائد و اعمال متفرک کر لیتے تھے۔ بہت پرستی اور ان بد اعمالیوں کو جن میں تمام عرب مبتلا تھا پراکتھتے تھے مگر چونکہ ان کے خیال کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے بیقرار اور مضطرب رہتے تھے۔ عیسائی اور یہودی بھی موجود تھے جن کی کتابوں میں بنی آخر الزمان کی آمد کے تعلق میں گویاں تھیں۔ اور قریش کو تجارتی تعلقات کی وجہ سے ان سے سابقہ رہتا تھا۔ اس لئے یہ باتیں ان کے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں۔

سب بالکل اس سے واقف نہ تھے کہ کیا ہونے والا ہے مگر قدرت عجیب طرز آئے والے انقلاب کے لئے ماحول پیدا کر دی تھی۔ طبیعتوں کو تیار کر دی تھی اور اسی کفر و ضلالت کی گندگی میں ان شخصیتوں کو پیدا کر رہی تھی جن سے اسے انقلاب میں موافق کی حیثیت سے اور مخالفت کی حیثیت سے کام لینا تھا۔

عام القیل کے صرف ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ قبیلہ قریش میں بنی ہاشم اور عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبد اللہ کے گھر میں عبد المطلب نے جن کو کعبہ کی توہیت کا شرف حاصل تھا اپنے ان پوتے کا نام محمد رکھا تو قریش کو کعبہ ہوا کہ خاندانی ناموں سے الگ یہ کیا نام! اور عبد المطلب سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا میرا یہ پوتا ایسا عظیم الشان ہو گا کہ سب اس کی تعریف کریں گے۔ عبد المطلب سے یہ کیوں کہلوار ہا تھا؛ عبد المطلب جب صحن کعبہ میں سرداری کی مستند پر بیٹھے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے برابر بیٹھ سکے۔ ان کے بیٹے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ مگر آپ دادا کے ہونے پر بیٹھ سکتے تھے اور عبد المطلب فخر سے کہتے کہ میرا یہ بیٹا سردار قوم ہو گا۔ عبد المطلب کو یہ خبر کون سنے رہا تھا؟ کفار کے مجمع میں اور ان چھاؤں میں ان سے ایک الہامی بیانیہ پیش بھی تھا۔ اللہ کے ابوالسب کو پیدا کر دیا جنہوں نے مرتے دم تک اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت تپائی کی۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پیدا ہو رہے تھے۔ آپ کے دشمن پیدا ہو رہے تھے۔ ان دشمنوں اور دوستوں کے رفیق و مددگار پیدا ہو رہے تھے۔ اللہ کے ہے اور کامل دین کے مخالفوں کی اور مخالفوں کی صفیں مرتبہ ہمدردی تھیں مگر کوئی ایک دوسرے کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ ابوبکر صدیق اور یار فارسی نہیں جانتے تھے کہ جن سے دوستی کی ہے۔ یہ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ ان ہمدردی دولت نما کر کے پڑے گی ان کے لئے دین چھوڑنا پڑے گا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں سے جنگیں کرنی پڑیں گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے۔ یہ دو سال کا تفاوت اتنا کم تھا کہ گویا ہم عمر تھے۔ مزاج و صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر مشابہت تھی کہ ایک موقع پر ان دو شخص نے ان میں وہی اوصاف و کمالات بیان کئے ہیں جو حضرت عبد المطلب نے پہلی وحی کے نزول پر خود ام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے تھے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ہجرت اور اہلبیت کے واقعہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ سفر شام میں حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ رشتے کی گفتگو میں حضرت ابو بکرؓ ایک واسطے تھے۔ ان باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے درمیان لڑکپن یا ہفتاز سہ ماہی ہی سے دوستی تھی۔ اور دوستی بھی اس انداز کی کہ حضرت ابو بکرؓ کے دل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حسن اخلاق کا گہرا اثر تھا جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت اس وقت سے آپ کے آثار کی طرف مائل تھی۔ یہ غالباً اس اہتمام ہی کی برکت سے ہوا کہ ابن وثنہ کو حضرت ابو بکرؓ میں ان خاص کی روحی جھلکیاں نظر آئیں جو حضرت محمدؐ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیان کی تھیں بلکہ آپ کی ذات میں مشاہدہ کیا تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ قریش کی مشائخ جو تہیم سے تھے اور آپ کا خاندان بڑا سبز و زرخیز تھا۔ اسلام لانے سے قبل حضرت ابو بکرؓ عقل و فہم و عبادت رات و روزم و دہر و باری میں مشہور تھے۔ اثنائے حیات آپ کے سہرہ تھی یعنی اگر کوئی قتل ہو جاتا تو قاتل سے دہشت یا خوں بہانے کا معاملہ حضرت ابو بکرؓ سے متعلق ہوتا تھا۔ علم انساب کے آپ ماہر تھے اور شعر میں بہتے تھے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ بہت پرستی اور شہرت سے آپ متنفر تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد

آزاد مردوں میں حضرت ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ صرف ذاتی عقیدہ تبدیل کر لینے کا معاملہ نہیں تھا بلکہ اس ساری دنیا کے مقابلے میں جو صورت کفار سے آباد تھی اور اسلام کے نقلیے میں صفت آرا ہونے والی تھی آپ نے اپنی ذات کو اپنی دولت کو اور اپنے دوسروں کو اسلام کی حمایت اور اس کے پیغمبرؐ کی مدد کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت اور قلعے دو لہنتہ آپ کے اسلام لانے پر کفار کو بے اختیار پایا اور مسلمانوں پر مظالم کرنے میں انہیں نئے سبب اختیار کیے۔ جو قلام اور روئندیاں مسلمان ہو گئیں ہیں ان کے مالک کفار تھے وہ ان کو بری طرح چھیٹتے تھے اور انہیں طرح طرح سے ایذا دیتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے حضرت بلال حبشی، عامر بن زبیرہ، حضرت ابو عبیدہ، حضرت سہیلہ، حضرت زبیرہ، حضرت عبد بن اور ام عیسٰی کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس طرح اللہ کی راہ میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنی دولت ثانی جس وقت حضرت ابو بکرؓ ایمان لائے تھے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور حبیب مدینہ کو ہجرت کی تو صرف پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابو بکرؓ کے مال نے جو نفع پہنچا یا ہے کسی اور کے مال نے نہیں پہنچا یا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ اسلام کی طرح رہتے تھے۔ کئی بار ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے زخموں میں گھر گئے اور وہ آپ پر زیادتیاں کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ آئے اور ان میں گھس گئے اور ان کو دفع کیا حضرت علیؓ جیسے شجاع نے حضرت ابو بکرؓ کی شجاعت کی تعریف کی اور انہیں صحابہ میں سے سب سے زیادہ مہاجر تسلیم کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کے مطابق جو حضرت شاہ ولی اللہ نے ریاض الغفرات نقل کی ہے حسب مذکورہ مسلمانوں کی تعداد ۳۵ ہو گئی تو حضرت ابو بکرؓ نے اصلاً یہ مسلمان اپنے آپ کو ظاہر کر دی۔ یعنی اعلان کے ساتھ اسلام کے احکام کی تعمیل کر دی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار فرمایا مگر حضرت ابو بکرؓ کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمادہ ہو گئے۔ جب مسلمان تھے وہ مسجد میں آکر بیٹھ گئے حضرت ابو بکرؓ غلیبہ دیکھ کر گھبرائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ کفار کو خبر ہو گئی وہ مسجد میں آئے اور مسلمانوں پر انہوں نے حملہ کر دیا اور — بڑی بے دردی کے ساتھ زد و کوب کیا۔ عقیدہ ہی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کو ایسی بری طرح پشیمان کیا کہ آپ کی ناک پیٹی ہو گئی۔ اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ مرشد میں کوئی کثر باقی نہ رہی۔ جو تہیم کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے آکر مشرکوں کو مسجد سے دفع کیا اور حضرت ابو بکرؓ کو گھر لے گئے۔ ہوش آنے کے بعد پکی زبان سے پہلی بات یہ نکلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں ؟

اعدب تک آپ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا اس وقت تک کھانا اور پینا منظور نہ کیا۔ کفار مکہ نے اسلام لانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کہنے پر آپ کو ایسا پریشان کیا اور آپ کے نماز و قرآن پڑھنے میں ایسے مانع آئے کہ آپ نے ایک مرتبہ عہد کرنا شروع کیا کہ اگر آپ کو اپنے آپ کے مخالف کا ذکر کر کے کہا کہ آپ مجھے شخص کو — ہم ہرگز مکہ سے نہ چلے دیں گے اور اپنی پناہ میں رکھیں لایا اور قریش کی ان کے طرز عمل پر اس نے سرزنش کی قریش اس شرط پر رضامند ہوئے کہ اگر آپ خفیہ طور پر حیدرآباد آئیں تو ہم تعزیر نہ کریں گے۔ آپ اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے۔ آپ کی آواز سے قریش کے نوجوان اور عورتیں متاثر ہونے لگیں۔ کفار نے ان پر پتھر سے شکایت کی یہ معاہدے کے خلاف دلی ہے۔ وہ خبیث عبادت کر رہے تھے۔ ابی وجیح حضرت ابو بکر سے کفار کے مطالبے کا ذکر کیا تو انہوں نے صاف کہا کہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے اب اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ یہ بلند فہمی، اخلاص اور اللہ پر سچو سچو سہارے کے نظیر مثال تھی۔

مدینہ کو ہجرت

مدینہ کے لوگ مکہ آتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی قرآن سناتے تھے اور اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے۔ مدینہ میں عربوں کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے اور ان کی کتابوں میں پیغمبر آخر الزماں کی بعثت کی پیش گوئی تھی۔ وہ عربوں سے اس کا ذکر کرتے رہتے تھے اس لئے مدینہ کے عرب تباہ اس سے واقف تھے کہ ایک پیغمبر آئے والا ہے اور نبوت اور پیغمبری کے تصور سے واقف ہو گئے تھے اور یہ بھی ان کی تمنا تھی کہ جن وقت ان پیغمبر کی بعثت ہو تو یہ ہوسکے پہلے وہ اس پیمان لائیں تاکہ یہود کے عقائد میں انہیں اس کی تائید حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مدینہ کے لوگوں نے اسلام کی دعوت کو رغبت سے سنا اور وہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ خود مکہ سے مسلمان مدینہ جانے لگے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنی لیا تھا کہ ہجرت ہونے والی ہے اور اس قسم کی سرزمین میں ہجرت ہوگی بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے مدینہ تشریف لے جانے کی اجازت دی۔ کفار مکہ آپ کو روکنا چاہا اور ان موقع پر انہوں نے منصوبہ قائم کیا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی لیا جائے اور یہ منتخب آدمی آپ پر قاتلانہ حملہ کریں تاکہ ان جرم میں سب شریک ہو جائیں اور جو بائیں اور جو بائیں کے لئے تمام قاتل کشتہ انتقام لینا دشوار ہو جائے۔

ہجرت کی شب یہ لوگ مسلح آپ کے مکان کے گرد گھومتے تھے کہ ان پر نیند طاری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے اور حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔ کچھ تین میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف کوچ کر رہے تھے اس کے ایک فارسی چھپ کر بیٹھ گئے۔ یہاں بھی شب قیام رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر کی یہ رفاقت ایسا عظیم واقعہ ہے کہ خود اللہ نے قرآن میں اس کا ذکر فرمایا اور صحابہ کرام نے ان سب ہی زبانوں میں جنہیں مسلمانوں نے میں صادق اور مخلص دوست کو یاد فرما رکھا ہے۔

نماز کے قیام میں عبداللہ بن ابوبکر جو اس وقت نوجوان تھے گھر سے کھانا لاتے کفار مکہ کے منصوبوں سے اعصاب تار کو مطلع کرتے رات کو غار میں قیام کرتے اور علی الصبح واپس چلے جاتے۔ عامر بن نبیرہ حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام رات کو میر میں بکریاں چراگرتے اور وہ وہ ناکا کر پیش کرتے اور بیت سویر سے بکریاں سے کر چلے جاتے۔ قریش اپنے منصوبے کی ناکامی پریشان اور غضب ناک ہوئے۔ بڑے اہتمام سے تلاش میں لگ گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ غار کے دہانے تک پہنچے حضرت ابو بکر پریشان ہوئے اور بولے یہ لوگ اگر اپنے خدوئوں کی طرف دیکھیں تو ہم ان کو نظر آجائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ماعظمت۔ یا ابا بکر! اللہ تبارک و تعالیٰ سے ایسا کہ ان وہ کہ متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ پرورد شمس ہے اور حسب قرآن و حدیث عبداللہ بن ارقیط و عثمان لے کر آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عامر بن نبیرہ اور عبداللہ بن ارقیط رہنمائی کر رہے تھے۔ راستے میں سراقہ بن حیشم کا واقعہ پیش آیا۔ بیت الاہل کے مینے میں دو شہید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے۔ تمنا میں دو بیٹے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں حضرت ابوبکر انصاری کے یہاں ہوئے اور

حضرت ابو بکر نے مدینہ کے جوہر مسخ ہی خارجہ بنائے۔ اپنی زہیر کے پاس قیام فرمایا۔ اپنا تہاڑی کا دربار شروع کیا اور اہل کی پیش سے نکل کر آیا۔ حضور سے عرض کیے کہ اب آپ کی پوری ام و مالان عبداللہ بن ابوبکر اور دو دین مہیاں حضرت اسامہ اور حضرت عائشہ بھی مدینہ پہنچ گئیں۔

حضرت ابوبکر مدینہ میں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسجد کی تعمیر کے لئے ایک قطع زمین کو پسند فرمایا۔ یہ دو پیشوں کی ملکیت تھا، انہوں نے بطیب خاطر آپ کی نذر کیا تھا مگر آپ نے یہ بات نہ لیا منظور نہیں کیا۔ اس کی قیمت حضرت ابوبکر نے ادا کی اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے اور سامان تعمیر اٹھا کر دیتے رہے۔

محمد کی منلوہیت اور پیواریگی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اسلام کی تنظیم خود مست انجام دینے کے لئے کہ حضرت عثمان اور پیسے ہی کی با اثر اشخاص نے آپ کی ترفیب سے اسلام قبول کیلئے کی مہلت میں جو مختلف النوع تہذیب اسلامی معاشرہ کی تنظیم پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل قبائل سے گفت و شنید و دشمنوں سے جنگ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار قریش سے جو اپنی ناکامیوں سے جھٹلاتے رہے اور اسلام کی ترقیوں سے جملے جا رہے تھے، اہل مدینہ پر زور ڈالا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کو مدینہ سے نکال دیں، چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجیں کہ ان لوگوں کو پریشان کریں جو اسلام پر راضی ہیں۔ مگر جب ان حرکتوں سے انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ ابوسفیان کو ایک بڑے مشرک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام بھیجا تاکہ اس کے مشرک منالے کو جنگ پر ترغیب کریں۔ اس دوران ہی کہ کہ وہ لوگ جو فوجی حرب ماہر تھے، فوجی تنظیم میں معروف رہے، ابوسفیان جسی کامیابی کے ساتھ شام سے واپس چلا ایک ہزار اونٹوں پر سامان اور پچاس ہزار دینار لے کر اور قافلے میں ساتھ آ رہے۔ اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے اسلام کی تباہی کھلنے لگنے لگا۔ ایسا ہوا کہ انتظام تھا کہ دستہ حال مسلمان بظاہر اس کے مقابلے میں چار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلن قافلہ نے بصیرت سے یہ مناسب سمجھا کہ اس قافلہ کو کہ تک نہ پہنچے دیں لہذا آپ اس قافلے کے ارادے سے نکلے۔ کفار قریش کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ قریش کے منتخب بہادروں کا لشکر کرے کی طرف چل پڑے۔ اب باقاعدہ جنگ کی نوبت آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تین سو تیرہ سرفروشان اسلام کو لے کر بدر کے قریب نیم دن ہوئے مسلمانوں کے پاس نہ کافی اسلحہ تھی نہ گھوڑے، ان کے مقابلے میں کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ اس وقت کے مروجہ اسلحہ سے بھی مزین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بے مزو سامان مسلمانوں کی فتح کے لئے تمام شب اظہار و بقیاروی کے ساتھ دعائیں کیں۔

آج بھی دستو درجہ کو میدان جنگ میں ہزوں کے لئے ایک عرشہ بنا دیا جا کہ جس پر بیٹھ کر وہ جنگ کی حالت دیکھتا ہے اور اس کام جاری کرنا ہے مسلمانوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سامان بنا دیا تھا کہ وہاں بیٹھ کر قیامت خراہیں۔ جب یہ سوال درمیان آیا کہ وہاں ان کی حفاظت کے لئے کلن ہے تو اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے یہ عرصہ اپنے ذمہ لے لی اور ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے جو کافراں طرف سے کھڑے کرنا تھا آپ اس کے سر پر ہوتے تھے، اس واقعہ کا اظہار حضرت علی اکرم اللہ وجہہ نے فرمایا اور کہا۔

« فقلوا اذبح اناساً » ہذا ابوبکر السانوں میں سب سے زیادہ بہادر ہیں۔

اسی جنگ میں ایک ایسی بات بھی ہوئی جسے صرف حضرت ابوبکر ہی کر سکتے تھے، آپ کے بڑے بیٹے عبدالرحمن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے ممتاز بہادر دن میں سے تھے، چونکہ اس وقت کوئی شخص اس لئے کفار کے ساتھ آنے پر آمادہ نہ تھا، انہیں بھی کفر کے ساتھ ہی شغف تھا جو دوسروں کو انہوں نے میدان جنگ میں اکراپنے مقابل پر کیا، حضرت ابوبکر خود دینے سے بے قرار ہو کر بیٹے کے مقابل میں بڑھے مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ آیا کہ آپ اور بیٹے مقابل ہوں آپ نے ان کو روکا اور یہ کہہ کر: « فخصی بنفسہ » یعنی تم میرے پاس رہ کر

مجھے فائدہ پہنچا تو اس فرمان کے بعد حضرت ابو بکر کے لئے سوائے تعمیل و اطاعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

حضرت ابو بکر نے تمام خردوات میں مہرکت کی اور ان میں ہمیشہ آپ کی امتیازی شان رہی بخودہ جو کہ خصوصیت یہ تھی کہ اگرچہ یہ بھی غریبوں کے مقابلے میں تھا مگر یہ وہ عرصہ تھا جو عیسائی ہو گئے تھے اور قیصر روم کے زیر اثر تھے اس لئے انہیں اس کی امداد حاصل تھی دوسری طرف یہ سال اساک بار ان کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے کافی پریشانی کا تھا مگر کفار کے خلاف اس وجہ سے بھیجی بھی ضروری تھی کہ اس سے قبل خردہ خود میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام حضرت زید بن حارثہ آپ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ علیہم المرتبہ انصاری اس جنگ میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے تھے شہداء کے غم میں مدینہ نام کدہ بنا ہوا تھا اور اس سے دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے ایک عظیم لشکر بھیجنے کی تیاریاں اور روپیہ پاس نہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سے لے کے لئے اپیل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اتنا لائے کہ انہیں تو قلع پیدا ہوئی کہیں آج حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ جائوں گا اپنی پوری دولت کا نصف۔ مگر حضرت ابو بکرؓ جو کچھ لے کر آئے وہ سب تھا جو اس وقت آپ کے پاس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا تو حضرت نے جواب دیا کہ ان کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں ابو بکرؓ سے سبقت نہ لے جا سکوں گا۔

امیر حج کی حیثیت سے

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں جو پہلا حج سنت ابراہیمی کے مطابق ہوا اس میں جناب پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا حضرت ابو بکرؓ ہی نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) یوم غدیر (۹ ذی الحجہ) اور یوم حذر (۱۰ ذی الحجہ) کو خطبات پڑھے اور حضرت علیؑ نے سورۃ براۃ کی آیتوں کا اعلان کیا۔ اسی سال یہ اعلان عام ہوا کہ "اس سال کے بعد تو کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی یہ نہ ہو کہ طواف کرے گا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیات طیبہ میں اور آپ ہی کے حکم سے حضرت ابو بکرؓ کو بڑے بڑے امتیازات حاصل ہوئے۔"

نیابت و خلافت

دنیا کے کام طویل سلسل مگر انسانوں کی زندگیاں محدود۔ لہذا کاموں، پروگراموں اور مقاصد کی تکمیل کے لئے اس دنیا میں جانشینی کا سلسلہ چل رہا ہے۔ ایک شخص جاتا ہے دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے اور اس کے چھوڑے ہوئے کاموں کو جاری رکھتا ہے عام انسانوں میں بھی اگر اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے فخر معمولی ہوتا ہے تو اس کی جانشینی اور نیابت دشوار ہوتی ہے چہ جائے کہ پیغمبر کی جانشینی۔ یقیناً پیغمبرؐ کوئی ہوتے ہیں ان میں اہمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا لیکن اللہ انسانوں کی رہنمائی اور اپنے منعم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کی تخلیق میں ایسی خوبیاں بلندیاں اور عظمتیں رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان محاسن و کمالات میں ان کی برابری نہیں کر سکتا اور مصائب، کمزوریوں اور خطاؤں سے تو اللہ ہی ان کو پاک کر دیتا ہے تاکہ وہ صحیح اور پیغام کی صحت پر کسی کو مشابہ باقی نہ رہے۔

لاریب اس شخص کا کام بڑا مشکل تھا جس کو پیغمبر کی خلافت و نیابت کی خدمت انجام دینی پڑے اور وہ بھی پیغمبرؐ آخر الزماں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی۔ جن پر اللہ نے اس دین کی تکمیل کی جس کا حضرت آدم علیہ السلام پر پہلی وحی کے ساتھ آغاز ہوا۔ اہم اعلانات کر دیا گیا کہ آئندہ تا نیابت کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ اور دین میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔

محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے اور مسلمانوں کے سامنے مصائب و مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے جو

محبت و عقیدت اور شدت غم میں حضرت مرضی اللہ عنہ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور ہاتھ میں منگنی تلوار لئے ہوئے تھیں کھا کھا کر لوگوں کو دھمکا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو یہ کہہ گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اسے قتل کر دوں گا۔ اگر یہی بات چل پڑتی تو اسلام کا رخ ہی تبدیل ہو جاتا۔ مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ آگے بڑھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصبت میں سرشار غم داندوہ سے ڈگا رہے۔ مگر مشیتِ الہی کے سامنے سر جھکانے مضطر پریشان صحابہ کے مجمع میں کوہِ استغلاں بیتِ کھڑے ہو گئے اور یہ پر شوکت اعلان کیا۔ **الامن کان یعبدا محمدًا فان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبدا فان اللہ لا یموت۔**

اس کے بعد آپ نے قرآن کی حسب ذیل آیتیں تلاوت فرمائیں۔

(۱) انک صلیت و انکم متوفون۔ (۲) محمد آپ کو بھی مرنا آئے دانی ہے اور بے شبہ وہ بھی مرنے والے ہیں۔

اور وہ نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور رسول نرود چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تمہاری ایڑیوں کے بل بیٹھے لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب بسزا دے گا۔

(۳) وہا محمدی الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل فان ما ست او تفلن انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یرضی اللہ شیئاً و سبیحنا ی اللہ الشاکرین

حقیقت روشن ہوگئی حضرت عمر فاروقؓ کو سکون ہوا۔ وہ بیٹھ گئے پھر آپ نے تقریر کی۔ صحابہ رونے لگے۔ یہ پہلی اختلافی مہم تھی جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سر کی۔ اور یہ دنور جذبات پر صبر و رضا اور عقل و تحمل کے غلبہ کا شاندار مظاہرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہو گئے اور وہاں یہ گفتگو شروع ہوگئی کہ خلیفہ رسول کون ہو۔ انصار کی پورا رائے تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ کو ہونا چاہیے بے شک وہ بھی بڑے صحابی تھے اور غزوات میں انصار کے علمبردار رہی ہوئے تھے مگر یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا کہ نائب رسول انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے۔ جو قریشی تھے اور عرب موئے قریش کے کسی دوسرے کی سرداری اور امارت قبول کریں گے بھی یا نہیں۔ ہرگز نہ کرتے بڑا فتنہ بپا ہوتا۔ اس اجتماع کی خبر ملنے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ وہاں بحث و گفتگو جاری تھی۔ اور یہ بات زبان پر آگئی تھی کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔

بڑی خطرناک بات

ان تینوں کو دیکھ کر انصار کے خلیفہ نے کہا۔

”ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہو لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس لئے ہلکا الگ کرنا چاہتے ہو۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر سنوائی۔ اے انصار تم جو اپنے متعلق کہتے ہو بیشک تم اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تم کو بڑا گہرا تعلق ہے لیکن عرب سوائے قبیلہ قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اس لئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ ”لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو“ اس پر شور و غضب بڑھنے لگا اور انصار کی طرف سے صحابہ بن منذر نے سخت کلامی کی تو حضرت عمرؓ نے پیش قدمی کر کے حضرت ابو بکرؓ سے کہا ”نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم صیب سے بہتر ہیں۔ ہمارے سردار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ

محبت تھی۔ اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کی۔ اس کے بعد ہاجرین اور انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیئے۔ یہ دوسری اور عظیم تر جمع تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فوری اقدام اور حسن تدبیر سے اس میں ایسی کامیابی ہوئی کہ اس سے بہتر تصور ہی میں نہیں آسکتی تھی۔ تدبیر اور اقدام سے زیادہ یہ کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت میں حضرت ابوبکرؓ ابستادہ سے آخر تک تمام مہات میں شریک رہے۔ تھے اور آپ کی سیرت کے تمام پہلو نمایاں اور روشن ہو کر مسلمانوں کے سامنے آچکے تھے۔ اور وہ آپ کی اصابت رائے آپ کے استقلال آپ کے تحمل آپ کے عزم و راسخ انداز آپ کی بے نظیر شجاعت پر سب کو اعتماد تھا۔

خطرناک صورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے لئے ایسی سخت مصائب پیدا ہوئیں کہ دنیا اب تک مستحضر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان پر ایسے قابو حاصل کیا۔ جنگ ترند اور غزہ، ترک کی مفاہد کو تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علامت کے زمانہ میں ایک لشکر مرتب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ کو اس کا سردار بنایا اور تمام کی طرف اس کو روانہ فرما دیا۔ مگر وہ مقام آہن کی پستی پہنچا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت ہو گئے اس حادثہ عظیم کی الملاح پر حضرت اسامہؓ وہیں ٹھہر گئے۔ اسی جبر کے اثر سے مدینے میں جو منافق تھے ان کے تیور بگڑے اور پھر اطراف مدینہ کے ان قبائل نے سرکشی اختیار کی جن کے دلوں میں ابھی طرغ اسلام جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ پھر یمن اور عراق کے ان علاقوں کے قبائل نے جو مدینے سے دور تھے اور ابھی اسلام قبیل کرنے کے لئے مشرک اٹھتے پیش کر رہے تھے اور اس غرض کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے رہے تھے۔ بناوٹ پر مکرر بات دہی ان سب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں.....

سینکھ کر در بدر ائے اسخاص کے سر میں یہ ہوا بھرنی تھی کہ ہم بھی نبوت کا دعویٰ کیوں نہ کریں۔ اور انھوں نے دعویٰ کیا۔ وفات کے بعد ان کے حوصلے اور بڑھے اور یہ اپنی دعویٰ لے کر کھڑے ہو گئے اور اسلام کے دشمن سامانیوں اور رومیوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح سارے عرب میں آگ لگ گئی اور اس کے شعلوں اور لہیوں کی گرمی سے مدینے کے مسلمان بے چین ہونے لگے۔

اس خطر کو بالعموم فتنہ ارتداد کہا جاتا ہے اور مغرب کے مورخ اور اسلام پر نکتہ چینیوں نے اسے اس کو قطعی ارتداد قرار دیکر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے زور سے اسلام کی اشاعت کی اور جب وہ تلوار سنبھالی تو انھوں نے اسلام ترک کر دیا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے تلوار سنبھالی کے زور سے انھیں دبا یا تو یہ سیدھے ہو گئے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی کتاب صدیق اکبر میں جو ہمارے اس مضمون کا ماخذ ہے بڑی خوبی سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت راسخ العقیدہ مسلمانوں کے علاوہ جو حجاز اور اطراف میں آباد تھے۔ عام عرب قبائل دو قسم کے تھے ایک قسم تو ان قبیلوں کی تھی جو مدینہ طیبہ کے قریب و جا میں آباد تھے مثلاً۔ عبس، ذبیان، جوکنانہ، غلفخان اور نزارہ۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام کا پیغام پہنچا لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرون حجاز میں اسلام کی دعوت، تبلیغ اور اس کے تمام فرائض و واجبات اعلیٰ کا یا قاعدہ پمد گرام وفات سے صرف ڈیڑھ دو برس پہلے ہی شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے معلمین و مبلغین کا تعداد کم ہی آیا تھا۔ اس بنا پر مدینہ کے قریب و جا میں رہنے والے قبائل نے اس پیغام کو سنا اور اسے قبول بھی کیا لیکن چونکہ ان کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا اسلئے اسلام کی اصل روح سے وہ آشتا نہیں ہو سکے۔ قرآن میں ان

لوگوں کو اعراب کہا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کو تنزیہ کیا گیا ہے کہ ان کا ایمان بچتہ نہیں ہے۔

قرآن کی یہ آیات نقل کرنے کے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ یہ اعراب وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر انصاریوں کو قاتلے۔ اس چیز کو زمین میں رکھو اور دیکھو کہ قرآن کس بلاغت سے اعراب اور متعین میں فرق بناتے ہوئے خیر داد کر رہا ہے کہ؟

۱۱) ان اعراب نے اسلام کی ظاہری شوکت و عظمت اور اس کے سیاسی اقتدار و استیلا کو دیکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا ہے لیکن درحقیقت ایمان اب تک ان کے دلوں میں اُترا نہیں ہے اور چونکہ یہ ابھی تک مومن نہیں ہوئے ہیں اس بنا پر ان سارے دلوں میں اب تک شکوک و شبہات ہیں اور یہ اللہ کے راستہ میں جان و مال خرچ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

۱۲) اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ حکم فتح مکہ کے بعد شیعہ کے آخر میں نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے شروع میں اس حکم کی تبلیغ و اشاعت اور زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے اپنے عمال و سفراء اطراف و جانب میں روانہ کئے۔ اس بنا پر ان خاص اعراب کا ذہن اس بارے میں صاف نہ تھا اس میں شک نہیں کہ ان میں مشرکات و بتوں کی تھی لیکن یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ان میں اکثر و بیشتر ایسے بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سمجھ بیٹھے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک کے لئے تھا یا اگر اب بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زکوٰۃ مدینہ ہی بھیجیں۔ اپنے مالداروں کو زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجیں تو وہ لوگ ایک طرح کی زبردستی سمجھتے تھے۔

ان اعراب کے علاوہ دوسرے قبائل وہ تھے جو مدینہ سے دور دراز اس کے جنوب میں بین اور اوس کے گرد و نواح میں اور شمال مشرق کی جانب عرب و شام کی سرحدوں پر آباد تھے مورخین ان کو مرتد کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ عام غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے سارے اعراب مسلمان ہو گیا تھا چنانچہ طبری نے سوری کے واسطے سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ برأت کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے تھے اس بنا پر اب بغاوت و سرکشی کا طوفان اُٹھا تو اس کو ارتداد کے... موائیا کہیں ہا... لیکن حق یہ ہے کہ یہ قبائل سر سے سے اسلام کی لقت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔ جب قریش بھی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کی ایک زبردست اسمیٹ مدینہ میں قائم ہو گئی تو عرب کے ان قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کثرت سے وفد بھیجنے شروع کئے کہ شہر کا نام بھی عام ان لوگوں کو دیا گیا لیکن ان وفد نے اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح گفتگو کی اس سے صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ ہر قبیلہ کے وہ چار بھندار آدمیوں نے اسلام کو صدق و دل سے قبول کر لیا تھا لیکن قبائل کا عام انداز یہ تھا کہ گویا وہ ایک سیاسی فائت کے سامنے سرخم کر رہے ہیں اور ایک فاتح سے اپنے معاملات طے کر کے اپنے لئے معاشی اور سیاسی مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دین اور روحانیت کا ان کی گفتگو میں بہت کم شائبہ تھا اس بنا پر اگرچہ ان قبائل نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا لیکن یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کیا ان کو موقع ملے اور یہ اسلام کے یا باغیانہ صحیح تمدنی کی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا موقع ملا اور وہ جوہا اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

جیش اسامہ کو شام پہنچنے پر اصرار

یہ اس وقت کی صحیح صورت حال ہے جو مذکورہ بالا تقابلات سے باآسانی سمجھی جاسکتی ہے اور وہ یہ حالات تھے جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس پر اصرار تھا کہ جیش اسامہ ضرور شام کو ہم پر بھیجا جائیگا۔ صحابہ کو اس میں پس و پیش تھا ان کی رائے یہ تھی کہ پہلے عربوں کی سرکشی کو دایا جائے پھر شام کی طرف لشکر بھیجا جائے۔ لیکن سب کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے مندرجہ بالا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ یہاں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درند سے اور کتے قبیلہ بھیجوں

کہائیں تو میں اس وقت بھی اسامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس ہم پروردار کو روں گا۔ حضرت ابو بکر نے یہ سونا نازک حالات میں اور ایسے عوا کے ساتھ اطاعت رسول کا حق ادا کیا۔ پھر اس پر گفتگو ہوئی کہ اسامہ ہی اس لشکر کے سردار ہوں یا کوئی اور۔ انصار کا خیال تھا کہ کوئی معمر اور تجربہ کار صحابی کی سپرد یہ خدمت کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں انصار کی نیابت کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عقیب ناک ہو کر فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور اب تم کہتے ہو کہ میں ان کو معزول کر دوں" حضرت عمرؓ نے لوگوں کو برا بھلا کہتے ہوئے واپس گئے کہ ان کی وجہ سے ان کو حضرت ابو بکرؓ سے سخت شہرت سننا پڑا۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اطاعت کی اور پوری پوری۔ جیسی اسامہ پروردار ہوا۔ اور وہ سب اس میں بھیجے گئے جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے پامیادہ اس لشکر کی مشابہت کی اور جب حضرت اسامہ نے بھی ازراہ ادب انرا ناپا تو آپ نے انہیں منع کر دیا اور فرمایا: "تم کو خدا کی قسم جو آترو اور میں بھی سرگرم سوار ہوں گا۔ کیا ہوا جو اللہ کی راہ میں کچھ دبر کے لئے میرے پاؤں مبارک آلود ہو گئے غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سونکیاں لکھی جاتی ہیں اس کے بعد حضرت اسامہ سے کہا کہ "اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ دو جبکہ ان کے مشورے کی ضرورت ہے حضرت اسامہ نے یہ لطیف خاطر منظور کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے لشکر کو روک کر ضروری ہدایت دی اور رخصت کر دیا۔

جو خیم، بنو ضیہ، مفر، دوس، اہل بخران، اہل حضرموت، بنو عامر، یہ وہ قبائل تھے جو مدینے سے دور تھے انھیں نے و فود بھیجے تھے اور یہی سیاسی اور اقتصادی مفاد حاصل کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرائط طے کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ قبائل تھے جو ایران اور شام کی سرحدوں سے قریب تھے۔ ایران اور روم کی حکومتیں ان کے تذبذب سے واقف تھیں ہسنادہ انھیں لالچ دیکر اور مدد کا وعدہ کر کے اسلام کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے آراء کر رہی تھیں تاکہ خود انھیں مسلمانوں کے خطرے کو نجات ملے۔ اسی بغاوت اور شور میں کو آگے بڑھانے اور اس کی قیادت ہاتھ میں لینے کے لئے بعض سرداروں اور بااثر لوگوں نے بنوت کا دعویٰ کیا۔ وہ یہ تھے۔ (الاسود، العنسی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز قبل قتل ہو گیا۔ طلحہ لاسدی، صحاح بنت ابی اس۔ مسیئزہ الکذاب یہ آخر الذکر تین شخص یا بیوں کے قائد اور سردار تھے۔

مدینے پر باغیوں کا حملہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ عیش اسامہ کے جہاد پر رخصت ہونے کے بعد مدینے میں بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے مگر جنس اسامہ کا بھیجنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے جوار شرات مرتب ہوئے بڑے عظیم الشان تھے۔ حکومت روم مغرب اور مغرب ہوئی، حکومت ایران مغرب ہوئی قبائل عرب نے بھی یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر اتنا اعتماد ہو کہ بجائے مدافعت کی تیاری کے جارحانہ اقدام کے لئے باہر لشکر بھیج رہے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ اتنی ہی سی بات پر مطلع اور فرما ہر دارنیک نہیں دیکھتے، جو کتا، حلفان اور بنو قریظہ کی آبادی جو اردن میں تھیں۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو حب مال کی بنا پر زکوٰۃ دینا ہی نہیں چاہتے مگر ناز پڑھنے کے لئے تیار تھے اور بعض وہ تھے جو یہ کہتے تھے کہ زکوٰۃ دین گے مگر مدینے نہیں بھیجیں گے بلکہ اسے اپنے ہی قبیلے کے فقراء پر خرچ کریں گے۔ ان قبائل کے وجود میں آئے اور انھوں نے صحابہ سے گفتگو کی اور یہ اپنے دعویٰ کی تائید میں قرآن کی آیات سے استدلال کرتے تھے بعض صحابہ پر ان کے استدلال کا اثر ہوا۔ انھوں نے حضرت ابو بکرؓ سے گفتگو کی اور اس پر آمادہ کرنا چاہا کہ ابھی ان انھیں زکوٰۃ پر کوئی سختی نہ کی جائے۔ ابھی اسلام کی تعلیمات سے یہ اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ جس وقت وہ دلنشین ہوں گی یہ خود ہی زکوٰۃ ادا کر لے لگیں گے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں فرمایا اور بڑے عزم کے ساتھ کہا: "خدا کی قسم اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی سے بھی جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی طبی جرات اور صاف گوئی سے جواب دیا آپ ان سے کس بنیاد پر قتال کریں گے؟ آپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جہک حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں۔" لیکن جب وہ کھڑے ہوئے تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے مگر ہاں جب ان پر کسی کا حق ہو تو لیکن حضرت ابو بکرؓ یہ فرماتے تھے کہ نماز اور زکوٰۃ فرضیت کے اعتبار سے دونوں ہم مرتبہ اور ہم حیثیت ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے تھے:

ثَاتٌ نَّابِلًا وَاَوَانًا مِّنَ الصَّلَاةِ وَاَوْثَانًا مِّنَ الزَّكَاةِ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ - ۱۰ - پس اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز میں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان پر جہاد نہیں اور پھر آپ نے جو تفتیح کے وفد کا ذکر فرمایا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ ہم اسلام قبولی کر لے کے تیار ہیں بشرطیکہ نماز سے ہمیں مستثنیٰ کر دیا جائے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: "لا تھلبیس فی دین لا صلوات فیہ" یعنی اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو۔ اسی قول کو بنیاد قرار دیکر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ بغیر زکوٰۃ کے بھی دین قائم نہیں تھا حضرت عمرؓ اور صحابہؓ پر یہ بات واضح ہو گئی اور انھیں اطمینان ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے صحیح ہے۔

قبائل کے وفود کا کام واپس گئے مگر یہ دیکھ کر گئے کہ مدینے میں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم رہ گئی ہے کہ وہ مدافعت کے لئے کافی نہیں ہے انھوں نے مدینے پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں حضرت ابو بکرؓ کو بھی اندازہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے چنانچہ آپ نے وفود کے جاتے ہی مدینے کی حفاظت کا انتظام شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبید اللہ بن مسعودؓ اور حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ کی قیادت میں مدینے کے تمام راستوں پر حفاظتی دستے متین فرمادئے، اہل مدینہ کے لئے مسجد میں حاضری لازمی کر دی تاکہ صورت حالات سے انھیں مطلع کیا جاسکے۔ سب کو متنبہ کیا کہ وفود کا کام گئے ہیں اور یہ بھی دیکھ گئے ہیں کہ مدینے میں مسلمان کم ہیں اس لئے یہ کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔

بالکل یہی ہوا وفود کی واپسی کے تین دن بعد ان قبائل نے جو طلحہ الماسدی کے ساتھ تھے مدینے پر شب میں حملہ کیا۔ حفاظتی دستوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع دی آپ نے حکم دیا کہ تم سب اپنی اپنی جگہ مستعد رہو اور خود مسلمانوں کی ایک جمعیۃ کو لے کر جو اونٹوں پر سوار تھے آپ باہر نکلے۔ باغیوں کی جنگ کی وہ مندوب ہو کر بھاگے آپ نے ان کا تعاقب کیا۔ قبائل کی فوج کے آدھے آدمی اس خیال کے مقام پر تھے کہ اگر ضرورت ہوگی تو ملک کے لئے پہنچیں گے۔ جب مسلمان تعاقب کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے تو انھوں نے مشکوں میں ہوا بھری ان میں رستیاں باندھیں اور انھیں مسلمانوں کے اونٹوں کی طرف بھینکا۔ وہ ان سے بھڑک کر بلٹ پڑے اور سید سے مدینے آئے۔ باغی قبائل میں یہ شہرت ہوئی کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگے اور باغیوں کے جو صلے بڑھے۔ انھوں نے اپنی حلیت قبائل کو دعوت دی کہ مدینے پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آجائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ پہنچتے ہی ایک باقاعدہ فوج مرتب کی فوج کے دائیں بازو پر عثمان بن مقرن کو بائیں بازو پر عبد اللہ بن مقرن کو اور پیچھے حصے پر انہی کے بھائی سہیل کو امیر مقرر کیا اور ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ حملے کے لئے روانہ ہو گئے باغیوں کو شکست ہوئی وہ بھاگے ذوالفقہ تک خود حضرت ابو بکرؓ نے ان کا تعاقب کیا اس کے بعد حضرت عثمان بن مقرن کو ان کے دستے کے ساتھ ذوالفقہ میں چھوڑ کر مدینہ پہنچے واپس آئے اس طرح سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی اور ان کے جو صلے بڑھے اسی دوران میں حضرت اسامہ کا مران و فتح مدینہ واپس آئے قبائل کے سردار جو مسلمان تھے اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر بھی اسی زمانے میں آئے جس سے دولت اسلام کو مالی مدد ملی اور اس کی تصدیق بھی ہوئی کہ اگرچہ باغی قبائل بہت ہیں مگر بیرونی قبائل میں بعض سردار ایسے بھی ہیں جو مخلص مسلمان ہیں۔

ذوالفقہ سے حضرت ابو بکرؓ کی واپسی کے بعد قبائل قبیس و ذبیان نے یہ شرارت کی کہ جو حضورؐ سے مسلمان

اس علاقے میں تھے انھیں قتل کر دیا۔ یہ خبر سنا کر حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھائی کہ جب تک وہ ان سے مسلمانوں کے خون کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ آپ نے فوج مرتب کی۔ مدینہ میں حضرت اُسامہؓ کو اپنا قائم مقام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار نizam سے نکال لی۔ تمام صحابہ نے اصرار کیا کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں اپنی جگہ اور کسی کو بھیج دیں، حضرت علیؓ نے آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور روکنا چاہا مگر حضرت ابو بکرؓ نے جو عزم کیا تھا اُسامہؓ کے مطابق روانہ ہو گئے مقام اہرنی میں اہل مذہب پر حملہ کیا اور انھیں شکست دی، پھر بنو ذبیان کو شکست دی اور ان کے علاقوں پر تین دنہ کیا۔ اس طرح مجلس اور ذبیان جو مسلمانوں کا انتقام لے کر مدینہ میں کامیاب واپس آئے۔ مگر بنو ذبیان، عبس غطفان اور بنو نیکر کو جو اہل مدینہ میں آباد تھے شکست تو ہوئی لیکن انہوں نے اطاعت قبول نہیں کی اور توبہ کر کے اپنے اسلام کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان قبائل سے جاملے جو یا اعلان یا غمی اور کافر تھے

مرتدین اور باغیوں کے خلاف لشکرِ نبویؐ وائگی

مجاہدین اسلام کو آرام کے لئے تھوڑی مدت دینے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے تمام باغیوں اور مدعیان نبوت کا استیصال کرنا یکا قصد کیا۔ آپ ذوالفقہ میں تشریف لائے اور اسلامی فوج کو طلب کر کے اسے گیارہ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ہر حصہ فوج کا الگ الگ سردار مقرر کیا اور اس کو علم دیا۔ حضرت خالد بن الولیدؓ کو علیؓ اور مالک بن نویرہ سے جنگ کرنے کے لئے بڑا فوج اور بطاح کی طرف روانہ کیا، عکرمہ بن ابوجہلؓ کو مسیلہؓ کذاب اور ابو حنیفہ کے مقابلہ میں تمام کی طرف، مہاجرین ابی امیرؓ کو بیروان اسود عقیسی اور قیس بن العاص کے مقابلہ میں یمن اور حضرموت، عمرو بن العاصؓ کو عرب و شام کی سرحد پر، نضاعة و دلینہ اور حدیث جو جنگ کرنے کے لئے، خالد بن سعیدؓ بن العاص کو ان سرکش قبائل کو تیر کرنے کے لئے جو اہل تھان (حدود شام) میں شورشیں پھاکنے لگے تھے، علاوہ بن الحضرمی کو بحرین تاکہ اعظم بن حنیفہ کی سرکوبی کریں۔

سوید بن الحقرن کو یمن کے لشیبی علاقے کے لئے اور عرفجہ بن سرتہ کو مہرہ کے لئے، حدیقہ بن محسن کو قعیط بن مالک الاذدی کے خلاف عثمان طریقہ بن حجاز السلمی کو بنو سلیم و جوازن کے مقابلے میں عرب کے شمالی حصے کی طرف، شہ جیل بن حسنہ کو حضرت عکرمہ کی سمیت یمن مسیلہ و بنو حنیفہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور رقیح حجت کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے ایک اعلان عام لکھوا کر سرداروں کے حوالے کیا کہ جنگ کرنے سے پہلے باغیوں کو سنا دیا جائے جس کے دست برد زایل نفروں سے اس کے مفہوم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب میں انصار و مہاجرین و تابعین یا احسان کے لشکر کا فلاں فلاں (شخص) کو سردار بنا کر تمہارا پیرا مہیجتا ہوں، میں نے ان کو حکم کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے قتال نہ کریں جب تک کہ اللہ کی طرف اس کو دعوت نہ دیدیں۔ اس دعوت کو جو شخص بیک کیلگا اصرار کرے گا، اپنی مشرکیت سے باز آجائیگا، اور نیک علی کرے گا یہ میرا نمایندہ اس کو قبول کرے گا۔ اور اس کی مدد کرے گا۔ لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کرے گا تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔

یہ گیارہ لشکر اپنے اپنے علاقہ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے حسب ہدایت حضرت ابو بکرؓ کا اعلان مستنابا۔ جس نے اطاعت کی اس کو انہوں نے امان دی، اور جس نے سرکشی کی اس سے انہوں نے جنگ کی اور زیادہ ایسے ہی تھے جن سے جنگ کرنی پڑی، بڑی بڑی سخت جنگیں ہوئیں۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس زمانے میں جب نہ حرب میں سانس نہیں بنا تھا، نہ مار تھا، نہ ٹیلوں نہ ہوائی جہاز نہ تعجیل کے ساتھ خبر رسائی کا کوئی دوسرا ذریعہ، عرب کے مختلف علاقوں میں ان گیارہ لشکروں کی مشرتہ کہ ان خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں تھی اور ہر مقام پر آپ کی ہدایات کے مطابق جنگ ہو رہی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کا یہ عظیم عسکری کارنامہ جس کو مختلف لیڈروں کے ماتحت دشمنوں کی اتنی بڑی تعداد کے مقابلے میں اور خود ان ہی کی قوت مرکوزوں میں بیک وقت جنگ کی انھیں مخلوب کیا انھیں اسلام کا مطہج و فرمانبردار بنایا۔ ان تمام مہمات کی تکمیل جن کا تمام حربہ ارتداد ہر تقریباً ۸ ماہ میں ہو گئی۔

عہد رسالت میں جو شخص جس عہد سے پر ماورقہ اس کو آپ نے اسی جگہ رکھا (۳) جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں جتنا زیادہ رہنے کا موقع ملا تھا وہ آپ کی نظر میں اتنا ہی زیادہ قابل ترجیح تھا آپ ان لوگوں کو جس سے ترجیح دیتے تھے (۳) آپ اپنے اعزاء اور اقرباء کو عہد سے نہیں دیتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت تھی کہ تعلقات کی بنا پر نہیں صلاحیت کی بنا پر عمل دالمبار مقرر کریں جو لوگ ذاتی حیثیت سے آپ کے مخالف ہوتے اور کسی عہد سے کے اہل تو آپ ذاتی رکش کا خیال نہیں منہ مانتے اور کمال عالی ظرفی سے اس کو وہ عہد دیدیتے تھے اس کی مثالیں موجود ہیں، کمال حکمت کی دلجوئی فرماتے تھے ان کا احترام فرماتے تھے چھوٹے چھوٹے تصوروں کو نظر انداز کرتے تا قابل غور تصوروں پر توجہ کے ساتھ سزا دیتے تھے تقریر کے وقت ہر عامل اور عہدہ دار کو اس کے فرائض اور ذمہ داریاں صاف بتا دیتے تھے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں وزارت کی تنظیم اس طرح پر نہ تھی جیسی اس وقت پر لیکن عملاً حضرت عمر فاروقؓ آپ کے مشرف خاص تھے۔ بیت المال کی نگرانی حضرت عبیدہؓ کے سپرد تھی۔ حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی کعبؓ، زید بن ثابتؓ، اور عبد اللہ بن مسعودؓ ممتاز فقیہ سمجھے جانے اور امت کی خدمت انہی حضرات کے سپرد تھی۔ امن و استقامت کا عہدہ کسی خاص شخص کے سپرد نہ تھا۔ جرائم اور بد امنی کی کوئی شکایت بھی نہ تھی لیکن جب ایسے نازک حالات درپیش آتے تھے جیسے جیش اسامہ کی روانگی کے وقت تو بعض صحابہ کے سپرد یہ خدمت کی جاتی تھی خلافت کی مختلف آمدنیوں کی نوعیت آپ نے مقرر فرمائی اور ان کا تعین کیا۔ نوجو تنظیم میں بی ایم ای فرارست و تدبیر کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں میں سپہ سالار اعظم کا عہدہ آپ ہی نے قائم کیا۔

متمنہ علاقوں میں کاشتکاروں کے ساتھ خاص مراعات کا حکم دیا اور مختلف مذاہب کے لوگوں کو الگ الگ جامعیں یا دارالافتاء دیکرائی گئیں جہاں پیشواؤں کو ان کے بنوی اور مذہبی امور کے فیصلہ کا مجاز سزا دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے خود بہت سے فقہی مسائل کا ایسا فیصلہ کر دیا کہ آج تک وہ اسی طرح قائم ہیں۔

آپ نے استنفاط احکام فقہ کے چار اصول مقرر فرمائے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اہل قیام پر۔ اسلامی تاریخ کی صدیاں گواہ ہیں۔ آج تک یہ اصول قائم ہے اور اس اصول کی کامیابی اور صحت پر اسلامی تاریخ کی صدیاں گواہ ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کا اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی تھا۔ نہایت خوش بیان مدلل اور اثر دار مقرر تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی آپ کو محبت تھی اور اللہ سے بہت ڈرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ کے محاسن و فضائل ایسی جامعیت کے ساتھ انھوں نے بیان کئے ہیں کہ وہ کوئی بیان نہ کر سکے گا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے فضائل بیان کرنے کے لئے حضرت علیؓ ہی کی ضرورت تھی۔

تحفہ اہلبیتین مکمل مجلد	دو روپے	رسول اللہؐ کی نمازیں	چار آنے	خدا کی حرمت	بارہ آنے
برکات الصالحین	پونے دو روپے	رسول اللہؐ کی نصیحتیں	چھ آنے	جنت کا نکتہ	بارہ آنے
اوصاف مومن	بارہ آنے	مہجر کے ایک روپیہ	ایک روپیہ	خدا کا ذکر	بارہ آنے
حل المسائل	مجلسد ایک روپیہ چار آنے	کے اخلاق مکمل	ایک روپیہ و آنے	پہاری تعلیم	بارہ آنے
سیر نماز مجلد	ایک روپیہ	سب حلال	آٹھ آنے	خواتین اسلام	آٹھ آنے
تخصص اصحابہ مجلد مکمل	چار روپے	اصلاحی چوبیس حدیث	چھ آنے	اکرام مسنم	بارہ آنے
رسول اللہؐ کی پیشگوئیاں	ایک روپیہ چار آنے	قرآن کی پیکار	چھ آنے	سحابی عورتوں کو کئی سچی کہانیاں	دس آنے
فتنیں اور اسلام	بارہ آنے	خدا سے کیجئے کا قاعدہ	تین آنے	مردوں عورتوں کے مخصوص مسائل چھ آنے	چھ آنے
دعائیں	ایک روپیہ	خلفائے راشدین و ائمہ صدفات مکمل	دو روپے چار آنے	مسلمان بیوی مجلد مکمل	ایک روپیہ چھ آنے

مکتبہ تجلی دیوبند

اور صرف یہی نہیں کہ یہ جنگجو عرب حضرت ابوبکرؓ کے ان گیدہ لشکروں کے مقابلہ میں جو باعتبار اسلحہ و سامان جنگ ان سے بہتر تھے اور تعداد میں کم نہ تھے منلوب ہوئے بلکہ ان لشکروں کے سردار اذولہ کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ اور اسلام پر راسخ ہو گئے۔

ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کا آغاز

اسلامی فتوحات کی تکمیل کے بعد ابھی مرکز خلافت کو واپس بھی نہ جوتے تھے کہ ایرانیوں اور رومیوں کی مشہدوں نے ایسی صورت اختیار کی کہ براہ راست ان سے جنگ کی نوبت آگئی اور جنگ کا یہی سلسلہ جو حروب ارتداد سے شروع ہوا تھا ایران اور رومیوں کے مقابلے میں ان جنگوں کو طویل کیا جن کی فائنل تکمیل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ پھر ان جنگوں میں وہی قبائل اسلام کو مجاہدوں کی حیثیت سے لڑے اور انھوں نے اپنے ایمان و اخلاص کا ثبوت دیا جنھوں نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات تک اسلامی فوجیں عراق عرب کا خاصا علاقہ فتح کر چکی تھیں اور انھوں نے رومیوں کے مقابلے میں بھی اہم فتوحات حاصل کر لی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی جامع شخصیت

دو سال تین ماہ کل مدت ہو جو حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں کے معاملات کے انصرام کے شرطنی اور ان حالات میں کہ تمام عرب بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے نظر آتا ہو گیا تھا، ایران اور روم دنیا کی دونوں عظیم طاقتیں پہلے عربوں ہی کو استعمال کر کے اسلام کا خاتمہ کرنے کے درپے تھیں اور جب اس میں انھیں ناکامی ہوئی تو خود بے نقاب ہو کر مقابلے پر آ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں اسلام سب پر غالب رہا اور جس مقصد کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جو تدبیر کی اس میں اسی طرح کامیابی ہوئی جس طرح کہ آپ کو مطلوب تھی۔ اس تھوڑی سی مدت میں ان تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں کا سمٹا ہوا جو بہت بڑے آدمی میں ہوتی چاہیں اور ان میں حضرت ابوبکرؓ کا مل ثابت ہوئے، شجاعت، استقلال، تحمل، تدبیر والے، معاملہ فہمی، دور بینی، رجال کار کا صحیح انتخاب و سوار منتزعی، باجبری، عدل، دنیا کا کوئی اور کسی زمانے کا بادشاہ شہنشاہ، مدبر، ماہر سیاست، جزئی جامعیت میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اپنے ایک ایک خاص فن میں بھی حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

انتظام حکومت و ریاست

ابن عظیم بغاوتوں اور جنگ کے بیگانوں میں حضرت ابوبکرؓ نے مول انتظامات بھی کئے۔ مالی انتظامات بھی کئے اسلامی معاشرے کی تنظیم میں بھی مصروف رہے۔ دستور حکومت کی بنیاد آپ نے اس انداز پر رکھی کہ جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ پیش ہوتا تو اس کے لئے قرآن کا حکم تلاش فرماتے اگر وہاں نہ ملتا تو حدیثوں میں دیکھتے اور جب اس کے متعلق کوئی حدیث بھی نہ ملتی تو مسلمانوں کو جمع کرنے اور ان سے پوچھنے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو حدیث یاد ہو تو بیان کرے اگر کوئی حدیث بیان کر دیتا تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی۔ لیکن اگر اس طرح بھی رہنمائی کے لئے کوئی حدیث نہ ملتی تو آپ پھر اہل الرائے سے مشورہ کرتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے مشرف خاص حضرات تھے، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی تہذیب کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم فرما دیا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا احکام مقرر فرمایا تھا۔ عہدہ داروں کے انتخاب کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے اصول یہ تھے (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

تجلی کی ڈاک

اور یہ جواب اہل فہم کے لئے مسئلہ تقدیر کو سمجھنے کی دائمی کنجی بن گیا۔

لاریب کہ تقدیر انہی نے موت کا جو وقت معین کر دیا ہے اس میں بال برابر فرق نہیں آسکتا۔ لیکن یہ پابندی تو آپ اللہ میاں پر نہیں لگا سکتے کہ وہ امریکہ یا روس والوں کا اوسط عمر بھی وہی مقدر فرمائیں جو ہم ہندوستانیوں کا ہے۔ نہ اس پر باری تعالیٰ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ بے روزگاری، افلاس، بیماری اور عدم فتنہ کی اتنی ہی مار امریکہ والوں کو بھی دے سکتی ہیں دی ہے۔

میرے بھائی۔ اگر امریکہ یا کہیں اور سامانِ معیشت کی فراوانی ہے، چن لٹ رہے، اوسط عمر زیادہ ہے تو یہ سب اللہ کا مقدر فرمودہ ہی ہے۔ زید اگر خوب مال اٹراتا ہے، عمدہ آب و ہوا میں رہتا ہے اور زیادہ دنوں جیتا ہے تو یہ سب امور تو اللہ نے پہلے ہی اس کے لئے مقدر فرمادیتے ہوں گے۔ یہ نہیں کہ تقدیر میں تو ٹھوکریں نکھی تھیں مگر آدمی نے ذاتی جہد و جہد سے مستوحش قبضالی۔

اللہ کے مقدرات اس کے مقرر کردہ قوانین ہی کے تحت ظاہر ہوتے ہیں۔ امریکہ والوں نے محنت کی پھل پھل پایا۔ یہی ان کی تقدیر تھی۔ ہندوستان کو اچھی غذا ملنے لگے۔ اگرچہ اس کی امید نہیں۔ اور اس کا اوسط عمر بڑھ جائے تو یہ تقدیر میں پہلے ہی درج ہوگا۔ یہ نہیں کہ اللہ میاں لکھا تو تھا ہندوستان کی قسمت میں بی چوہوں کی طرح جینا مرنے کا نھوں انہی انڈیا ٹوٹی سے آدمیوں کی طرح جینا سیکھ لیا اور تقدیر کا مسئلہ گڑبڑ میں پڑ گیا ویسے تقدیر کا خندہ استہزاء دیکھنا ہوتا تو ایک آنکھ ان بے جاہ تفلوں پر ڈال لو جو عہدِ ممالک میں دن رات چلتے ہیں

سوال ۱۰۔ از نور شید علی خاں۔ باپوڑ۔ تقدیر
انسان عمر کے بارے میں مختار ہے یا مجبور۔ یعنی کوشش کرنے سے عمر بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

قرآن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ایک ساعت تقدیر ہو سکتی ہے نہ تاخیر۔ انسان کوشش کرے یا نہ کرے صحت مند ہو یا دائم المریض، موت اپنے وقت پر آئے گی، لیکن امریکہ میں اوسط عمر ہندوستان کی اوسط عمر سے زیادہ ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں غذا آب و ہوا بہتر بن چالی ہیں اس لئے ان کی عمر اوسطاً زیادہ ہوتی ہے۔ گویا اگر ہندوستان والوں کو بھی غذا اور آب و ہوا اچھی ملنے لگے تو ان کی عمر بھی بڑھ سکتی ہے۔ اب ذہن اس طرف جاتا ہے کہ انسان اپنی عمر بڑھا سکتا ہے اور اگر خراب غذا اور آب و ہوا ملنے لگے تو عمر کم ہونے لگی۔ اب بتاؤ کہ قرآن کی رو سے وقت مقررہ کی حیثیت کیا ہے۔ آپ یہ بھی حل فرمائیے۔

جواب ۱۰۔

مختصی کچھ بھی نہیں سیدھا سا مسئلہ ہے۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی دادی میں ایک دبا پھیلی جہاں خلافت کی کچھ فرج حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں موجود تھی۔ اس دبانے جاہدین کو تہہ و بالا کر کے رکھا۔ یا کوئی مرا کوئی بیمار ہوا۔ حضرت عمر نے حکم کیا کہ فرج وہاں سے پڑاؤ مٹالے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا:

عمر! تقدیر آپہی سے بھاگتے ہو؟

مرد حق آگاہ حضرت عمر نے جواب دیا۔

”ہاں بھاگتا ہوں، لیکن تقدیر آپہی سے تقدیر آپہی کی طرف!“

اس فعل کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے اور تربیت کی روش سے یہ فعل کیسا ہے ؟
 (۲) نماز تراویح میں تسبیح کا بیج کر پڑھنا کیسا ہے۔ تسبیح با آواز بلند پڑھی جائے یا خاموشی کے ساتھ ؟
 (۳) کیا نماز تراویح میں دو رکعت کے بعد بھی کچھ زائد الفاظ یا کوئی تسبیح با آواز بلند پڑھنا ثابت ہے ؟
 (۴) چار رکعت کے بعد تسبیح مسنونہ کے علاوہ خلفائے راشدین کے نام لے کر ان پر سلام بھیجنا کیسا ہے ؟

جواب :-

جو چاروں امور آپ نے لکھے سب بدعات و محدثات میں داخل ہیں۔ قرآن احادیث، آثار صحابہؓ، اقوال ائمہ اور فرمودات فقہاء سے ان کا بالکل ثبوت نہیں۔
 - دراصل شیطان کے حربوں کی گنتی سانپ کی قسموں سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہیں کوئی بہرہ پھرنا ہے کہیں کوئی۔ جہاں دکھتا ہے کہ شرک و زندقہ کی راہ سے بار نہیں ملے گا وہاں دینی انداز کا حال بچھاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جس طرح مصیبت آدمی کو برباد کرتی ہے اسی طرح بدعت بھی اسے جہنمی بنا نہیں تیرہ بدعت ہے۔ بدعت میں حزیہ ہے کہ آدمی اپنی قبر خود اپنے ہاتھ سے کھودتا ہے اور اس پر فخر بھی کرتا ہے !

خوب سمجھ لیجئے۔ جن اعمال و افعال کو اللہ اور رسولؐ نے عبادت نہیں ٹھہرایا اور جن پر صحابہؓ نے عمل نہیں فرمایا نہ ائمہ و محدثین نے ان کے استحسان کا قول کیا وہ عبادت نہیں ہو سکتے۔ اور انھیں عبادت سمجھ کر ادا کرنے والا بجا ہے تو اب کے گناہ کمائیگا تو اب اللہ رسولؐ کی فرمانبرداری میں لٹتا ہے نہ کہ ان کے دین میں اضافہ کرنے اور نئی نئی باتیں نکالنے میں۔ کسی عمل کے ظاہری حسن پر نہ جالیے جب تک دین کے مستند یا خد سے اس کی تحسین نہ مل جاتی ہے۔

سوال :- از دلی محمد ربانی۔ پاک پٹن۔ قصاص حسین رضی
 آپ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا تھا تو سوال یہ ہے کہ زید نے قاتلین حسینؑ سے نفاص کیوں لیا؟
 جواب :- حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع فرمایا تھا

امریکی ہی کا اوسط قتل غالباً ہر پانچ منٹ میں ایک قتل ہے۔ قتل کے علاوہ ریلوں، ہوائی جہازوں، آتش زدگیوں، طوفانوں اور جنگوں کے حوادث الگ ہے۔ اب دیکھ لو جن لوگوں نے عمدہ غذا میں کھا کر لظا ہر اپنے جسم کو فولاد بنا لیا تھا وہ پلک جھپکتے اب دی نیند سو گئے۔ کیا یہ تقدیر کی نیرنگی کا ثبوت نہیں۔ اللہ نے قرآن میں بالفاظ صریح فرمایا ہے :-
 نیش نللا نسا ن انا انسان کی جملہ کامرانیوں اور سعادتوں کا ضامن اس کا عمل ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تو انہی نظرت اور اسباب و علل کی منطق پر نظر رکھتے ہوئے آدمی کو برابر جدوجہد میں لگے رہنا چاہیے۔ یہ جدوجہد بھی تقدیر ہی میں شامل ہے۔ اگر کوشش کا ثمرہ مل گیا تو سچا شکر بجالائیے۔ نہ ملتا تو تفحص کیجئے کہ سبب و مسبب کا فلسفہ سمجھنے میں آپ نے کہاں ٹھوکر کھائی۔ ٹھوکر کا پتہ مل جاتے تو آئندہ اس سے بچتے ہوئے دوبارہ سعی فرمائیے۔ نہ پتہ چلے تو اسے اپنی فہم و بصیرت کی کوتاہی پر غمبول کر کے صبر و شکر کیجئے اور مطمئن ہو جلیے کہ یہ نہی تقدیر تھی۔ تقدیر کا عقیدہ آدمی کے آٹے سے بھی نہیں آتا ہاں با یوسی و اندوہ کے نجوم میں اسے سہارہ اور سکون ضرور دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فوج کو مقام وہا سے کوچ کا حکم دیا تو یہ حکم بھی اور یہ کوچ بھی تقدیر الہی کے ہی حکم میں داخل ہے۔ اسی طرح بیماری میں علاج کرنا، اچھی غذاؤں سے صحت بنانا، بہتر آب و ہوا کی تلاش کرنا، بد پرہیزیوں سے بچنا، درزش کرنا سبھی امور تقدیر ہی کا جزو ہیں جس وقت جو کچھ آپ کر گزرے وہی مقدر تھا۔

حاصل یہ کہ صحت اور عمر بڑھانے میں خوب کوشش کیجئے میں یہ ذہن نشین رکھئے کہ جس عمر کو آپ بڑھا ہوا خیال کریں گے وہ فی الحقیقت مقدر و معین شدہ عمر میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ یہی پوری عمر مع اسباب و علل کے درج تقدیر ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم علیہ

سوال :- از سعادت حسین۔ ضلع بٹانہ (دہلی) رمضان کی سیر
 (۱) ادھر تراویح ہے کہ رمضان المبارک میں عشا کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے کچھ لوگ مسجد میں بلند جگہ کھڑے ہو کر چند بیوں کے نام زرد زرد سے پکاتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔

خلیفہ ثالث ذی النورین عثمانؓ کا قصاص کیوں نہ لیا؟

جواب :-

جب حضرت علیؓ ہی قاتلین عثمانؓ کو معین نہ کر کے حالانکہ وہ اسی شہر میں موجود تھے جہاں یہ خونخوار امہ اشجج ہوا اور بات ماضی کی نہیں حال کی تھی۔ تو وہ معاویہؓ کیونکر معین طور پر قاتلین عثمانؓ کو جان سکتے تھے جو سیکڑوں میل دور شام میں اقامت گزری تھے اور بات دسیوں سال پہلے کی تھی۔

سوچئے۔ آپ وہاں پاک پن میں بیٹھے ہیں۔ یہاں زیورند میں کوئی ایسا ہی واقعہ پیش آئے جیسا حضرت عثمانؓ کو پیش آیا اور دسیوں سال بعد آپ کو زیورند پر اقتدار حاصل ہوا۔ اور یہ دسیوں سال ایسی گھما گھمی ایسی الٹ پلٹ ایسی افراتفری کے سہ ہوں کہ الزام و الحفیظ۔ دو متقابل فریق ایک دوسرے کو پھیلانے اور میں ڈالنے کی خاطر ہاتھ اور زبان کی ساری قوتیں داؤ پر لگائے رہے ہوں اور متضاد پروپیگنڈوں کی آندھیاں چلتی رہی ہوں۔ تو کیا آپ کے لئے ممکن ہو سکا کہ دسیوں سال پہلے واقع ہونے والے اس خوفناک ہنگامے کی صحیح تفصیلات سے آگاہی حاصل کر لیں اور اطمینان سے قاتلین کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیں؟

بعد کے مورخین کی تلاش و تحقیق کے بعد ہم لوگوں کے لئے تو یہ ممکن ہو گیا ہے کہ عثمانی ایسے کے بارے میں کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ کہہ سکیں کہ فلاں شخص محرک تھا، فلاں حملہ آور اور فلاں قاتل وغیرہ۔ لیکن حضرت معاویہؓ اور دیگر شامی اعیان و اکابر کے لئے تو کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ان کے آگے مورخین نے وہ کچا چٹھا پیش نہیں کیا تھا جو آج ہمیں کتابوں میں موجود نظر آتا ہے۔

اندر یہ تاریخی حقیقت بھی نہ بھولنے کہ خلافت عثمانی سے

بغاوت کرنے والے ممتاز افراد اور اشخاص

اس وقت سے بہت پہلے ہی لقمہ اجل زد چکے جب پورا اقتدار معاویہؓ کے ہاتھ میں آیا۔ اکثر جو سرکشی میں پیش تھے اور جنہیں بعض مورخین سبائی تک کہنے سے گریز نہیں کرتے مصر کے راستے میں زہرے تم ہوئے۔ ہمارے ہاں مشہور جنگ صفین میں راہی ملکیت ہم ہوئے۔ حکیم ابن جہلہ جنگ جمل سے بھی پہلے مصر سے ہجرت کیا۔

یہ ہم نہیں کہتے تاریخ کہتی ہے۔ وہ متفقہ تاریخ جس پر جملہ مستند وقائع نگار متفق ہیں۔ اس میں کسی معتبر مورخ کو اختلاف نہیں ہے کہ محصور ہو جانے پر حضرت موصوف نے وجہت کا اذن طلب فرمایا تھا۔ رہا زید کا قصاص نہ لینا۔ تو ذرا زید کی جگہ بیٹھ کر سوچئے۔

آپ ایک حکمران ہیں اور کچھ فوج اس غرض سے بھیجتے ہیں کہ فلاں شخص کو جو ہماری حکومت تسلیم نہیں کرتا، بلکہ خود اپنی مسند اقتدار بچھانا چاہتا ہے مجبور کیا جائے کہ اپنے ارادے سے باز آئے اور ہماری حکومت تسلیم کرے۔ یہ فوج ہمانی ہے اور کچھ عرصہ بعد اس کا ایک سرکردہ افسر اس شخص کا سر آپ کی سامنے لا کر پیش کرتا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے۔ یا امیر! ہم نے بہت کوشش کی کہ اسے راہ راست پر لائیں، لیکن اس نے پیچ سترانی کی اور ہم سے آمادہ بجاگ ہوا۔ نتیجے میں ہم بھی مقابلہ پر مجبور ہو گئے۔ بہت سے آدمی ہمارے اور بہت سے اس کے مارے گئے۔ یہ شخص کسی طرح بھی خود کو ہمارے حوالے کرنے پر تیار نہ ہوا اور آخر کار میدان ہار گیا۔

اب بتائیے۔ کیا اس صورت حال میں آپ اپنے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو تہ تیغ کریں گے؟

غیرمآثر! قصاص تو خون ناحق کا ہوا کرتا ہے۔ زید کو آج کتنا ہی شہر اکہہ لیا جائے اور شہادت جہنم چاہے کتنا ہی بڑا المیہ ہو لیکن جب زید کے نقطہ نظر سے آپ اس غیر متوقع المیہ پر نظر سے جی ڈالیں گے تو قصاص کا سوال پیدا نہ ہوگا۔ زید اور اس کے فوجی افسروں کی نگاہ میں حضرت حسینؓ کا خون ناحق نہیں تھا، بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک حکومت قائمہ اور اقتدار غالبہ کی بیعت و اطاعت سے انکار کر کے اپنی متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنے والا شخص گرفت کے لائق ہے اور گرفت کے سلسلہ میں اگر حالات ایسا نکھار اختیار کریں کہ جنگ جمل تک نوبت پہنچ جائے اور شخص مذکور اپنے اعیان و انصار کے ساتھ تیغ بدست مقابلہ پر آئے تو بات قصاص کی حدود سے نکل کر دوشکردن کی جگہ کے دائرے میں پہنچ جاتی ہے۔

سوال :- (ایضاً) قصاص عثمانؓ

جب امیر معاویہ کو پورا پورا اقتدار حاصل ہو گیا تو حضرت

مترخص ابن زہیر جنگ نہروان میں صاف ہوا۔ کنانہ بن بشرہ اور محمد بن ابی بکر کا خاتمہ مصر میں ہو چکا۔ محمد بن ابو حذیفہ شام میں دار بقا کو ساہا ہے۔ تو آخری کون تھا جسے معاویہ نے قصاص عثمان میں ذبح کر کے۔ ہو سکتا ہے بعد کی کسی تحقیق کی بنا پر کچھ لوگ خیال اور ایسے اشخاص و افراد کا نام لگوا دیں جنہیں قصاص عثمان میں تہنیت کرنے کا منطقی جواز نکل سکتا ہو، لیکن آخر معاویہ کے یا شعیب انی کا وہ کونسا ذریعہ تھا جس سے اس بہت بعد کی تحقیق کا انھیں علم ہو جاتا اور اس کی روشنی میں قصاص کی عملی جہلتے۔

حضرت معاویہ کے مطالبہ قصاص کو محض فریضہ ابن الوتقی ثابت کرنے کے لئے یہ اعتراض ان پر پہلے بھی زور شور سے کیا جاتا رہا ہے کہ اگر وہ مطالبے میں سچے ہوتے تو اپنے ذمہ اقتدار میں قصاص لینے دکھاتے مگر یہ اعتراض کرنے والے یا تو خود ہی عمرانی مسائل اور تمدنی تشبیہ و نسب سے بہرہ ہیں اور محض زبان زور سے کام لےنا چاہتے ہیں یا پھر قصداً عوام کو درغللے ہیں۔ ورنہ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی با دنی تامل سمجھ سکتا ہے کہ جس قتل کی ذمہ داری خود حضرت علیؑ کے متنبین اشخاص پر نہ ڈال سکے اور اسی لئے قصاص کا معاملہ کفائی میں پڑ گیا اسکی ذمہ داری معاویہ ساہا سال کے بعد کو بنگرے شخص یا اشخاص میں پڑا سکتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص اگر عمل ممکن ہوتا تو حضرت علیؑ جیسا حق پوش و حق پس ہرگز ہرگز پہلو تہی نہ کرتا لیکن ثونی المیریش ہی کچھ سطح آیا کہ حضرت علیؑ باوجود خواہش اور احساس ذمہ داری کے نصفانہ قصاص کی راہ نہ پاسکے جب تک نہ پاسکے تو معاویہ کیلئے مدت بعد اسکی پالیسیا کہاں تصور ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علیہ السلام۔

سوال ۶۰۔ علی حسن۔ آسنسول۔ غلو فی العقیدت کیا یہ بات درست ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے لوٹے اور مقام غدیر خم میں پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الرسول بقیۃ لے رسول! پہنچا دیجئے آپ لوگوں کو ما اتوں ایک فدیۃ

تو حالانکہ وہ مقام اس قابل نہ تھا کہ وہاں آترامانا اور موسم بھی بہت سخت تھا مگر حضورؐ اترے اور خطبہ دیا اور اس خطبے کے خاتمے پر خم غدیر کے نام سے مشہور یہ حدیث پڑھی کہ من کنت مولاً فلی

مولادہ دین جس کا مولی ہوں علی بھی اس کے مولی ہیں جب آپ خطبہ خم کر چکے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ | آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ یہ میں نے کسی شیعہ کی تفسیر میں نہیں سنی تھی حضرت کی تفسیر میں پڑھا ہے اور یہ بھی پڑھا ہے کہ پہلی والی آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ نیز یہ کہ اکمالی دین میں اشارہ حضرت علیؑ ہی کی مولائیت کا ہے اور اسی لئے حضورؐ نے اس خاص موقع کے خطبے میں من کنت مولادہ والی بات فرمائی۔

براہ کرم حوالے اور دلیل سے بات واضح کریں۔ نیز ایک اور حدیث کے بارے میں بتائیں کہ وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

لحمک لحمی و دماک دمی | تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون۔

اگر یہ قابل اعتبار ہے تو حضرت علیؑ سے بڑھ کر کبھی کون صحابی ہو سکتا ہے؟

جواب ۶۰۔ تفسیر شیعہ کی ہوا سستی کی۔ جو بات آپ نے بیان کی وہ غلط ہے اور نتیجہ اس سے نکالا گیا وہ غلط و درغلط ہے۔ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے خم غدیر میں نازل ہونے کا دعویٰ باطل ہے جو یا تو غلط تفسیر کا نتیجہ ہے یا جانی بوجھی عیاری کا۔ اس آیت کا نزول حجۃ الوداع کے موقع پر روز عرفہ میں مقام عرفات پر ہوا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری مسلم نسائی ترمذی ابن جریر ابن منذر ابن حبان اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ہر دو یوں حضرت عمرؓ سے کہا۔

انکم تقرؤن آیتہ فی کتابکم لوعلینا مضموا لیسوا نزلت لذاتخذنا ذلک العمیم عبداً۔ قال ائی آیتہ؟ کو عبداً بتالیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نال الیوم اکملت لکم

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

وَيُنَزِّلُكُمْ فِي يَوْمٍ مُّجْتَمِعٍ
 الْيَوْمَ الَّذِي نَزَّلْتُ فِيهِ
 رَسُولِي مُحَمَّدًا عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فِيهِ وَالسَّاعَةَ الَّتِي
 نَزَّلْتُ فِيهَا نَزْلًا عَشِيَّةً
 عَرَفَةَ فِي يَوْمٍ الْجُمُعَةِ -

ایسا ہی الوداؤ و طبعی اور نذری اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ایسا ہی ابن مسننہ اور ابن جریر نے شعبی سے اور ابن ابی عمیر اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور جریر نے قتادہ سے اور طبرانی نے معاذ بن رضی اللہ عنہ سے اور نزار اور طبرانی اور ابن مردودہ نے سمروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عرس ہی کے دن نازل ہوئی۔

ابن تیمیہ نے منہاج السنن میں پوری قوت سے اس جھوٹے دعویٰ کی تردید کی ہے کہ یہ آیت تم غار میں نازل ہوئی اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میں ہرگز ہرگز حضرت علیؑ کی امامت و مولائیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ اس میں صریح طور پر خدا نے مسلمانوں کو یہ خوش خبری دی ہے کہ آج تمہارا دین مکمل کر دیا گیا اور نعمت کا اتمام ہو گیا۔

رہی یا ایہا الرسولی والی آیت تو اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مشرکین کی مسلسل ایذا رسانیوں اور سرتابیوں سے بہتقا ضلّۃ بشریت طول و دو گزرتے ہوئے اور تبلیغ دین کے لئے تنگنہ خاطر میں کمی آگئی تو اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی کے طور پر اس آیت کے ذریعے حکم دیا کہ سنگدل مت ہو تم کہرو اللہ تمہارا مدد میں ہے جو کچھ وہ نازل کر رہا ہے اسے بے فکری اور تنگنہ خاطر کے ساتھ لوگوں کو پہنچائے جاوے۔ کوئی ادنیٰ سا بھی تعلق اس آیت کا سیدنا حضرت علیؑ کو نہ ہو جوہر کی امامت و مولائیت سے نہیں ہے۔ تعلیق جیسے لوگوں نے جو ایک روایت کے ذریعے اسے حضرت موصوف کی امامت و ولایت سے منسلک کرنے کی سعی نامشکوری ہے تو فقہ محدثین اس روایت کے من گھڑت ہونے پر متفق ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے۔

اب بات من گنت مولودہ فاعطی مولودہ کی رہی تو بے شک ہم اسے صحیح مانتے ہیں، لیکن جیسا کہ علامت محققین اور ائمہ لسان و ادب نے بدلائل قویہ واضح کر دیا ہے یہاں مولودہ کے معنی مددگار اور مقتدی اور محب وغیرہ کے ہیں نہ کہ اس سے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ صالح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے نزول میں حضرت علیؑ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ضرور اس روایت کو بطور دلیل پیش فرماتے۔ انھوں نے نہیں پیش فرمایا تو ظاہر ہوا کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ امامت و خلافت سے تعلق نہیں رکھتی۔

لحمک لحمی و دمک دمی پر کیا موقوف ہے۔ اور متعدد روایتیں حضرت علیؑ کی عظمت و منقبت میں ایسی ہیں کہ آدمی اگر ذہنی توازن کھو بیٹھے اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے انھی روایات کو "حاصل دین" قرار دے لے تو حضرت علیؑ کو خیر البشر بعد رسول اللہ کہنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور انصاف پسند لوگ پاک ٹخنے نہیں ہوا کرتے۔ وہ حقائق کے تمام گوشوں کو نظر میں رکھتے ہیں اور اعتدال و توازن کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ محدثین و محققین نے خلفائے اربعہ کی توصیف و منقبت میں وارد شدہ تمام روایات کو اپنی کتابوں میں حسن ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ جمع فرادیا ہے۔ کوئی شخص اگر تمام روایات کو نظر میں نہ رکھے بلکہ کسی ایک ہی خلیفہ کی عظمت و تقدس ظاہر کرنے والی روایات کو سب کچھ سمجھ لے تو بلا تکلف اسی کو تمام دیگر صحابیؑ پر فوقیت دے سکتا ہے، لیکن اہل حق کا یہ شعار نہیں۔ وہ جس طرح حضرت علیؑ کے حق میں ارشادات رسولؐ کو عین حق سمجھتے ہیں اسی طرح دیگر خلفائے راشدین کے حق میں فرماتے ہوئے کلمات مقدسہ کو عین حق سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بلند مرتبہ اسلاف خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہم پر اپنی نعمتوں کی بارش فرمائے انھوں نے اپنے شرح و تبصیر کے ساتھ تمام خلفائے راشدین کے اوصاف و اہمہ موازنہ کر کے عقل و علم کے بہترین نمونے کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ بحقیقت مجروحی کونسا خلیفہ افضل ہے اور کونسا مفعول۔ ابن تیمیہ کی منہاج السنن اس سلسلہ میں حرف آخر ہے۔

لو کہنا یہ ہے کہ واقعہ حضرت علیؑ کو اللہ و جہ میں بعض

۱۰ یعنی باصطلاحی مبینہ ذریعہ ضروری نہیں ہے کہ جو روایت اصطلاحاً صحیح ہو وہ اسی طرح قول رسولؐ بھی جو صریح ہر قرآنی آیت بلاشبہ از بازی ہے۔

ایسے فضائل رہے ہیں کہ کوئی اور صحابی ان میں ان کی ہمہری نہیں
 کر سکتا جن بعض روایات کو حضرت علیؑ کی افضلیت منوانے کے لئے
 آئے دن پیش کیا جاتا رہتا ہے ان کے ہم اہل سنت بھی منکر نہیں ہیں
 نہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تینوں خلفائے اول ہر ہر وصف محمود میں
 حضرت علیؑ سے بڑھے ہوتے تھے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بوبکر و عمر
 رضی اللہ عنہما حضرت علیؑ سے افضل ہیں تو کم عقل ہی لوگ اس کا یہ
 مطلب نکال سکتے ہیں کہ ہم صلہ اوصاف و فضائل میں جزو جزو بھی
 حضرت علیؑ کی مفضولیت کا گمان رکھتے ہیں۔ سنیہ اور ذہین لوگ
 ایسا ہرگز تصور نہیں کر سکتے۔ افضلیت اصل میں من حیث المجموع
 ہوا کرتی ہے۔ یعنی دو شخصوں کے تمام ہی فضائل و محامد ترازو کے
 دو پلڑوں میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے کہ کونسا پلڑا اچھک گیا۔ یہ نہیں
 کیا جاتا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک وصف الگ الگ ٹولا
 جائے۔ بوبکر و عمر ہی میں دیکھ لیجئے۔ اہل سنت منفق طور پر
 اول الذکر کو افضل مانتے ہیں، لیکن یہ وہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ بوبکر ہر ہر
 وصف میں حضرت عمرؓ سے افضل ہی تھے۔ تیغ زنی ہی کو لے لیجئے۔ بوبکر
 اس میں حضرت عمرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نبوت کے خصوص انماز
 بصیرت اور طرز جہد و تفکر میں بھی حضرت عمرؓ سے ممتاز تھے
 کہ آپ کے حق میں حضورؐ نے فرمایا لو کان بعدی نبی لھک ان
 عمرؓ داگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا جسائی نبوت اور
 ضریت حضرت علیؑ کی تینوں خلفاء سے بڑھ کر تھی۔ رسول اللہؐ کے
 واما جوئے میں بھی وہ پہلے دونوں خلفاء سے ممتاز تھے اور پھر حضرت
 جزیات ایسی ہیں جن میں حضرت علیؑ کو فائق کہا جاسکتا ہے، لیکن
 اس سے اس مجموعی فضل و تفوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو اہل سنت
 نے علی الاطلاق بوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے مانا ہے۔ یہ راہم الحروف
 کا کوئی طعن و اذکار نہیں بلکہ اہل سنت کی کتب عقائد میں اسکی تصریح
 ہے اور عقل و نقل دونوں اعتبار سے یہ حقیقت نظر میں آتی ہے
 کہ فضل کا ہر ہر جزو میں فضول سے فائق و برتر ہونا ضروری نہیں
 سوال ہے۔ ازید امین الرحمن ہاشمی

ضلال مبین

ہائے یہاں کی سچی کا انتظام ایک ایسی کمیٹی (نام نهاد) کے
 سپرد ہے جس کے ارکان جو وقت نماز کو بھی نہیں آتے کبھی کبھار
 دکھائی دیتے ہیں اور انتظامی صلاحیتوں کا یہ حال ہے کہ سابق

پیش امام صاحب کو معزول کر دیا گیا اور دوسرے صاحب کا انتظام
 ایسے وقت کیا گیا جب کہ ایک مقامی صاحب غیر خواہ کے تحت
 پیش کرنے کو تیار تھے، لیکن خواہ یا ب صاحب بھی اس سے پہلے
 ایک مرتبہ نمائندگی سے اور اب بھی بندرہ روز سے غائب ہیں۔
 لیکن کوئی دوسرا انتظام نہیں ہوتا اور کمیٹی کے اصرار پر ایک ایسے
 صاحب کو نماز جمعہ پڑھانے کا موقع دیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کو ربا و جود قرآن کی آیات صریحہ کے بشر نہیں مانتے۔
 اور ان کی تقاریر کا بھی یہی موصوع رہتا ہے اور اپنے آپ کو
 امام الوصیۃ کا پر و متلائے ہیں، لیکن عمل و عقائد استعانت
 پر اولیاء پر مرکوز ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے پیچھے
 نماز میں کراہت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا نماز باوجود
 کراہت ادا کی جاسکتی ہے؟ جواب مرحمت فرمائیے۔

جواب ہے۔

جہاں تک کیٹیوں کا سوال ہے ان کا معاملہ مفتی کے دائرہ
 عمل سے باہر ہے انتظامی امور کے بگاڑ کا علاج فتوے سے نہیں
 اقتدار و قوت سے ہو سکتا ہے۔

ہاں مفتی یہ آپ کو ضرور بتا سکتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ مانے وہ کفر جلی میں مبتلا ہے۔ اس کا
 ذہن ان پرانے کافروں کی سطح پر ہے جن کے ماننے میں قرآن نے
 کئی مقامات پر حقیقت واضح فرمائی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی
 نبوت سے اس لئے انکار کرتے تھے کہ انبیاء تو صریح طور پر بشر
 ہوتے تھے اور ان لمیلہ الذہنوں کا خیال تھا کہ بشر ہی نہیں ہو سکتا
 اس احمقانہ خیال کی تردید اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر کی اور انبیاء
 ہی کی زبان سے کہلوایا کہ ہاں ہم بشر ہیں، لیکن ہمیں اللہ نے اپنا
 پیغام پہنچانے کے لئے خاص کر لیا ہے۔

تخصیریہ کہ امت مسلمہ میں جن کفریہ عقائد اور شرکیہ خیالات
 نے فروغ پایا ہے ان میں نمایاں قسم کا عقیدہ کفریہ یہ ہے کہ رسول اللہ
 بشر نہیں تھے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ کے تو ایک لفظ کو بھی جھٹلانا
 کفر ہے۔ پھر وہ لوگ کیونکر کافر نہ ہوں گے جو قرآن کی بہت سی
 آیات اور رسول اللہ کی متعدد توصیحات کو جھٹلا کر رسول کی بشریت
 کا انکار کرنے لگیں۔

تراویح پڑھائے اگر ایسا کیا تو وہ تو مجرم شریعت ہو گا ہی وہ لوگ بھی وبال ہیں آئیں گے جو یہ جانتے ہوتے اس کے چھپے تراویح پڑھیں گے کہ اس نے اُجرت ملے کہ قرآن سنایا ہے۔ اہم حقیقت۔
سوال ۲۔ از محمد اسرائیل قاسمی۔ خلیفہ شاہ آباد رہا، تراویح جو زہری کے شاہکے میں ”کھرے کھوٹے“ کے ضمن میں عبدالکریم صاحب ترمذی کی کتاب سفر حجاز میں پہلے صفحہ پر آقبال کا شعر۔

بہ مصطفیٰ برساً خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر باوند رسیدی تمام بولہبی اوست

بطور عنوان ثبت کر دینے پر آپ نے جو تبصرہ کیا ہے نہ جانے اس میں کوئی ایسی قباحیت ہے کہ اتنا تند لہجہ اختیار کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس شعر کو بطور عنوان قرار دینے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حبت آہی اور مقصد حج فوت ہو جائے۔ معلوم نہیں کیس جلدے اور کس تاثر کے ماتحت آپ نے یہ لکھ دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہاڑی جاہلیں قرآن ان کی محبت بلاریب و شک جان ایمان اور مددِ نجات ہے۔ لیکن یہ حبت اگر مقصد حج اور حبت آہی کو غبار آلود کر جائے تو اسے ہلاکت کا پیش خیمہ کہیں گے۔

ایک طرف تو آپ پر جان قربان اور آپ کی محبت بلا ریب و شک جان ایمان اور مددِ نجات کا دعویٰ اور دوسری طرف اس حبت رسول کو ہلاکت کا پیش خیمہ قرار دینا عجیب مفہوم کی باتیں ہیں۔ پہلا دعویٰ یقیناً صحیح اور حبت رسول کا آئینہ دار ہے۔ لیکن یہ ہلاکت کا پیش خیمہ کچھ میں نہیں آیا۔ یہ مانا کہ سفر حج کیساتھ آپ نے اسے مشروط کر دیا ہے، لیکن اس شعر میں حبت رسول کی نعت صراحتاً یا اشارتاً کہاں سے ثابت ہے۔ اس کے لئے کوئی عقلی یا عقلی دلیل ہونی چاہئے۔ زمانہ حج میں آپ کی محبت سے مقصد حج اور حبت آہی غبار آلود کیونکر ہو سکتے ہے کہ وہ ہلاکت کا پیش خیمہ بن جائے آپ کا یہ دعویٰ ناقابلِ فہم ہے۔ حاشا و کلا آپ کی تحریہ پر کوئی حرج و قلع مقصود نہیں بلکہ ان مطور نے ایک خلش پیدا کر دی ہے۔ حجت اس کی تاویل پر غور کیا گیا کہ یہ خلش دور نہ ہوئی۔ نیز میری طرح اور کئی احباب اس خلش میں مبتلا ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اہل بدعت جو اہل دیوبند پرانہ ہاؤنڈ

جو لوگ رواداری کی تدبیریں ایسے مکذہبین و ضالین تک کو مسلمان کہنے اور ماننے کا معصومانہ مشورہ دیتے ہیں انھیں صاف کہہ دینا چاہئے کہ اسلام بھی ہندومت کی طرح کا ایک دھرم ہے جو کسی بھی انحراف و سرکشی کے باوجود مسلمان سے چٹا ہی رہتا ہے۔ اگر رسول کی بشریت کا انکار بھی کفر نہیں تو۔

مجھے بتاؤ کہ پھسر اور کافر کی کیا ہے ؟

استغانت بہ اولیاء بھی شرک ہے تاہم اس کے مختلف درجے ہیں اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی نکلتی ہے، لیکن بشریت رسول کا انکار تو کسی تاویل کا تحمل نہیں اور اس کا ایک ہی درجہ ہے۔ کفر صریح !

اپنے شخص کے چھپے نماز ہونا تو کجا اس کا مسجد میں داخلہ تک جائز نہیں۔ جن لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخص صریح طور پر شریعت رسول کا منکر ہے وہ اگر اس کے چھپے نماز پڑھنا گوارا کر لیں گے تو خود ان کے ایمان میں خلل آجائے گا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص آیات قرآنیہ اور احادیث صریحہ کا کھلم کھلا منکر ہو اسے بھی وہ نہ صرف مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ اس کی امامت تک درست خیال فرماتے ہیں۔ و نعوذ باللہ ذلک۔

سوال ۳۔ (ایضاً) تراویح کی اُجرت

اللہ کے فضل سے ایک صاحب کے ذرائع آمدنی اطمینان بخش ہیں۔ باوجود اس کے یہ تراویح پڑھا کر معاوضہ لیں تو کیا یہ ٹھیک ہے یا دوسرے بے روزگار حفاظ کی حق تلفی ہے ؟

جواب ۱۔

بے روزگار حفاظ کی حق تلفی کی بھی ایک ہی رہی۔ گویا اب اسلامی فکر و نظر کی گراوٹ اس حد تک پہنچی کہ ایک معصیت کو ”حق“ تصور کیا جانے لگا۔

اللہ کے بند و امعاوضہ پر تراویح پڑھانا تو تمام علمائے حق کے نزدیک حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر غیر معاوضہ کے حافظ نہ مل سکتا ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی اہل شخص کی امامت میں اللہ تر کی عہد سے تراویح پڑھ کر ایسے ختم قرآن کی کوئی ضرورت نہیں کسی کے ذرائع آمدنی اطمینان بخش ہوں یا وہ بالکل نڈائش ہو کسی بھی حال میں اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ معاوضہ ملے کر کے

ہائیں گے۔ شرک کی ایک بھونڈی قسم تو وہ ہے جو بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا جامہ پہنتی ہے اور دوسری قسم ہے ہتھکب قسم وہ ہے جو عیسیٰ ابن مریمؑ کو اللہ کا بیٹا بناتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی نظر میں جس طرح پہلی قسم مردود و مبغوض ہے اسی طرح دوسری قسم بھی محمود و مقبول نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ بت پرستوں کو تو شرک کہا گیا ہو اور نصرانیوں کو مسلمان مان لیا گیا ہو۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی پیغمبروں کے معاملہ میں فلو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے اور خود رسول اللہؐ نے بارہا تنبیہ فرمائی ہے کہ مجھے میرے صحیح مقام سے آگے نہ لے جاؤ۔ بڑھاؤ چڑھاؤ مت جیسا کہ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو بڑھا یا چڑھا یا۔

ان معروضات کی روشنی میں دیکھتے تو ہماری یہ بات سمجھی آسان ہو جائے گی کہ رسول اللہؐ کی محبت میں فلو پاکت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ آخر کون مسلمان نہیں جانتا کہ حج ایک ایسی ہی عبادت ہے جیسی دیگر عبادتیں اسلام میں۔ آپ نماز کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں اور اس کے سرنامے پر آجال کا ذکر اور شعر دیدیں۔ یا کوئی نعت لکھ جائیں یا درود و سلام ثبت فرمادیں کیا یہ سلامتی فکر و نظر کی بات ہوگی؟ اگر نہیں ہوگی اور یقیناً نہیں ہوگی تو یہ بات کیونکہ سلامتی طبع پر دال ہو سکتی ہے کہ اللہ کی عبادت خالصہ۔ حج کے سفر کی داستان اللہ کی حمد و ثنا اور عظمت و جبروت کی بجائے نعت رسول سے شروع کی جائے۔ یہ ابن اللہ جیسا غلو تو نہیں، لیکن عبادت اور توحید ربانی کے بارے میں فکر و نظر کے سقم و مرض کا اشارہ ضرور ہے۔ یہی فکری سقم ہے جو آگے چل کر پھیلتا بڑھتا چلا جاتا ہے اور آدمی پوری معصومیت کے ساتھ حب رسول کے ذریعہ توحید باری کی تحریف و تقلیل کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی سقم ہے جس نے اہل بدعت میں خوب خوب ہاتھ پیر نکالے اور انھیں ضلالت و زندقہ کی اس انتہا پر لاکر چھوڑا کہ وہ رسول خدا کو بشری ماننے پر تیار نہیں اور حاضر ناظر عالم الغیب اور نہ جانے کیا کیا کہے چلے جاتے ہیں اولیاء اللہ سے انھوں نے محبت کی تو ذہن کی یہی بنیادی گجلیا ہوا بھی رنگ لاتی اور زبان سے دعویٰ ایمان و اسلام کر سیکے باوجود انھوں نے بت پرستوں کی طرح سیکڑوں دیوتا بنائے۔ اسلام نے

صرف اعتراض کرنا جانتے ہیں انھیں اس سے کافی بدخلقی اور غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ انھیں کچھ اچھالنے کا ایک شوشہ ہاتھ آتا ہے۔

جواب :-

بدعت و غلو اور تصوفانہ رہبانیت کے مسلسل رواج و شیوع نے اسلامی توحید کے رافع و اعلیٰ عقیدے کو امت مسلمہ کے درمیان اس قدر غبار آلود بنا دیا ہے کہ آج اگر کوئی اللہ کا بندہ توحید کا ملکہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شرک و بدعت کی تہمت لگنی کرنا چاہتا ہے تو اس کی بات خود اہل توحید ہی کے لئے ناقابل فہم اور حیرتناک بن جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے۔۔۔ اور اللہ اس کی صداقت پر گواہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ دو اور دو چار کی طرح قطعی تھا۔ پھر بھی اگر آپ کی نگاہ میں نہیں آیا تو لیجئے ہم مزید توضیح کی کوشش کرتے ہیں۔

دیکھئے! کسی کتاب کا نام کئی مضمون کا عنوان کبھی نامے کا سرنامہ ایک اشارہ ہوتا ہے اس بات کا کہ اندر جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اس میں مرکزیت کس چیز کو حاصل ہے۔ اس کے بارے میں پیش کرنے والے کا زاویہ فکر و نظر کیسا ہے اور بنیادی طور پر کس جذبہ خیال کی کار فرمائی ہے۔ کتاب بھی سفر حج کے بارے میں۔ پہلے ہی صفحہ پر آجال کا ذکر اور شعر اس اہمیت کے ساتھ درج کیا گیا کہ پورا صفحہ اسی کی نذر ہوا۔ یہ بظاہر کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن نفسیات کا ایک مبتدی بھی فیصلہ کرنے میں تامل نہ کرے گا کہ اس شعر کو سفر حج کا سرنامہ بنانے والا ذہن "عبادت حج" میں ذات باری تعالیٰ کو مرکزی اہمیت اور اقلیت نہیں دیتا بلکہ رسول اللہؐ کو تقدم اور فوقیت دینا چاہتا ہے۔ یہ شعوری یا غیر شعوری موقف بالنتیجہ عبادت حج کی حقیقی اہمیت و حکمت کے منافی اور توحید خالص سے ہٹا ہوا ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناراہنگی شرک سے ہے۔ وہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم اور ہر گناہ معاف کر سکتے ہیں لیکن شرک کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ شرک دراصل توحید کی نفی ہے اور توحید ہی وہ عقیدہ مقدس ہے جس پر ہمیشہ سے دین حق کا مدار رہا ہے اور جو تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ توحید ہی خالص نام ہے تو قرآن و حدیث صاف طور پر بتاتے ہیں کہ آدمی کے تمام اعمال کھوٹے اور بے وزن شمار

آدھی قبریں بنانے کو منع کیا تھا انھیں بچھڑنے کو مصیبت ٹھہرایا تھا ان پر قلعے اور عمارتیں بنانے کو جرم کہا تھا۔ انھوں نے ان تمام ممانعتوں کو بلائے طاق رکھا اور جرم و مصیبت ہی کو عین اسلام کا نام دے ڈالا۔ منی کے ڈھیروں پر بچھکے، مردوں کو بیکارا، ان مرد میں مانگیں اور دعویٰ یہی کرتے رہے کہ ہم تو مومنین قانتین میں سے ہیں۔

ذرا یہ بھی تو دیکھئے۔ جس غلو کی ہم نے نشانہ دہی کی تھی وہ تو خدیجی قدم آگے چل کر سامنے بھی آ گیا۔ اسی تبصرے میں آپ دیکھئے مصنف نے رسول اللہ کی شان میں کیا کیا غلو آفرینیاں کی ہیں۔ ہم نے ان کی عمارت کو نقل کر دیا ہے۔ تو کیا پھر بھی آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ شعراء کو پرہائے اعتراض کا وزن کیا تھا؟

رہی اہل بدعت کی بدظنی اور غلط فہمی کی بات تو ان کی یادہ گوشتیاں ہیں اخبارِ حق سے کیونکر روک سکتی ہیں۔ وہ کچھڑی آہلانے کے شوقین ہیں تو اپنے اعمال نامے سیاہ کئے جائیں۔ ان کے دل و دماغ کو تو دینِ مردہ پرستی اور قبوری تصوف نے ایسے فتور میں ڈال دیا ہے کہ ہزار بار اللہ کی پناہ۔ ان کی بوالفہولوں اور لغوہ بازیوں کی پروا نہ رہا ہے بت شکن اسلاف و اکابر نے بھی کی ہے نہ ہم کر سکتے ہیں۔ ہاں جس ذیہند کو وہ صبح و شام بطور وظیفہ گالیاں دیا کرتے ہیں وہاں ان کی تقدیر سے اب بت شکنوں کی بجائے ان بت گردوں کی چھٹاؤنی چھٹائی ہوتی ہے جو مصلحت اور رواداری کے نام پر بلا تکلف مشرک و اسلام میں مفاہمت اور سودے بازی کی پالیسی پسند فرماتے ہیں اور جن کے یہاں متعدد بدعتیں قدر سے مختلف لباس پہن کر فروغ پا رہی ہیں۔ کسی کا جی چاہے تو یہاں آکر دیکھے۔ قبوری تصوف اور اورتی اسلام کی کافی جھلکیاں دیکھنے کو مل جائیں گی۔

خوب سمجھ لیجئے شیطان کے بڑے حربوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کو زندہ و وطنیان کی طرف نہیں لاپاتا انھیں لویاڑا انبیاء کی غلط تفسیر مند لوگوں میں مبتلا کر کے اپنا کام نکال لیتا ہے۔ اس کا کام یہی ہے نا کہ صراطِ مستقیم سے ہٹا دے توحید کو کامل ہی واحد صراطِ مستقیم ہے اور تمام انبیاء و رسل اسی کی دعوت دیتے آئے ہیں

انسان چاہے انکار کی راہ سے گمراہ ہو یا غلو اور افراط و تفریط کی راہ سے شیطان کا مقصد ہر حال حاصل ہو جاتا ہے۔ ہزار بار پناہ اس غیر اللہ کی محبت سے جو حبتِ ابی کو شالوی حیثیت دیکر توحید باری کی توبین کرے۔

سوال نمبر ۱۰۰ (ایضاً) روزہ

فروری کے شہانے میں حکمت عملی کی بحث میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے روزے سے متعلق حضرت امام ابن تیمیہ کے ایک اجتہاد کا تذکرہ آپ نے کیا ہے۔ حضرت یوسف کا اجتہاد اور اس سے آپ کا اتفاق بجا مگر آج کے دور میں مفتی اعظم تیونس نے بھی ٹھیک اسی طرح کا اجتہاد کیا ہے اور وہی فتویٰ دیا ہے کہ "جو لوگ اقتصاد کی کاموں میں مصروف نہ ہیں وہ روزہ نہ رکھیں ان کے لئے ترک صوم جائز اور درست ہے۔ یہ فتویٰ تقریباً اسی نوعیت کا ہے، غالباً اخبارات میں نظر سے گذرا ہو گا۔" اجماعہ اخبار نے تو اس سے انحراف کیا ہے۔

جناب والا سے گزارش ہے کہ اپنے قیمتی اور زرخیز خیالات کو سپرد قلم فرما کر بذریعہ تجلی تفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

جواب نمبر ۱۰۰

تیونس کے مفتی اعظم نے اس غلط فتوے کے اپنی طرف انتساب کی تردید کرتے ہوئے ایسی تصریح فرمادی ہے جس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا یہ بحث تو ختم۔ اب یہ جو جانا ہے ابن تیمیہ کے اجتہاد کو اس شائع شدہ لغو و باطل فتوے کے مائل ٹھہرا دیا تو یہ بڑی ہی جہارت ہے جو بسبب لاعلمی کے آپ کے صادر ہوئی ہے۔ فروری کے مکتبی میں ہم نے جو کچھ لکھا اسے ذرا لطافت سمجھئے۔ ابن تیمیہ کے اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ ان کے معترضین کی جگہ کھڑے ہو کر لکھا ہے۔ ہمارا اشارہ اس کے لکھنے سے یہ دکھانا ہے کہ غلط سے غلط اعتراض کے لئے بھی دلائل ختراج ہو جاتے ہیں اور حقائق کو حزب زبانی میں چھپا کر آدمی سفید کو سیاہ اور مشرک کو سبز کہہ گذرتا ہے لیکن کیا فی الحقیقت ابی السنا ہی ہے کہ ابن تیمیہ کے اجتہاد کے لئے قرآن و سنت میں واضح اور محکم بنیادیں نہیں ہیں؟

اس کا جواب ہر اہل علم ہی دیکھا کہ غلط کہتے ہو۔ ابن تیمیہ

ان کے عقائد کی گمراہی واضح کی۔ نیز بخاری کی حدیث کلمت ان حقیقتاً علی اللسان کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اکابرین دیوبند کسی سے خوف کھاتے یا ڈرتے تو آج دارالعلوم اس مقام پر نہیں ہوتا۔ میں صاف طور سے کہوں کہ یہ فرقہ (معتزلہ) بھی مرا نہیں ہے۔ اس دور میں مودودی کی جماعت بھی معتزلہ گروہ میں سے ہے۔ یہ (جماعت اسلامی والے) اپنے آپ کو عقلاء کی جماعت کہتے ہیں مگر دراصل ہیں اکلام۔ عقلاء اور اکلام کا فرق کچھ طالب علم ہی بہتر طور پر سمجھتے ہوں گے یعنی کھانے والوں کی جماعت۔ یہ ہیں مولانا کے وہ الفاظ جنہیں مولانا نے ایک جلسہ عام میں طلبہ کو درس میں حدیث دیتے ہوئے فرمایا۔

دریافت طلبہ باتیں یہ ہیں کہ کیا اس قسم کی تشریح اس درس کے لئے ضروری تھی؟ اور کیا دارالعلوم کے مدرسین حدیث کی ایسی ہی سب سے کئی تشریح کرتے ہیں کہ ہر کسی کو دلیل و ثبوت کے کئی کی بھی بُرائی کر دی جائے۔ اہم تر سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو معتزلہ کہا جا سکتا ہے؟ کیا جماعت اسلامی والے واقعی اسی قسم کے عقائد رکھتے ہیں؟ تمام باتیں آپ کیلئے ہیں امید کہ جواب دیں گے۔

جواب :-

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر اگر اعتراض کا الزام سنجیدگی کے ساتھ علم و تحقیق کی روشنی میں لگایا جاتا تب تو ہم یہ دوسری گوارا کرتے کہ پہلا معتزلہ کے باطل عقائد سپرد قلم کرتے پھر بتاتے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے عقائد و خیالات کیا ہیں، لیکن آپ کا بیان کردہ واقعہ اگر صحیح ہے اور واقعی مولانا امیر اہم صاحب مدظلہ نے یہی گل افشانی کی ہے تو یہ اس لائق نہیں کہ اس پر سنجیدگی سے توجہ کی جائے۔ پھر عقلاء اور اکلام کا جو طیفہ بیان ہوا ہے اس نے تو مولانا موصوف کی گل افشانی کو انتہائی عاہیانہ بلکہ بازاری سطح پر پہنچا دیا۔ ایسے لطیفہ فٹ پاتھ کے دو افراد ہوں اور پچھاننے کے معجزوں کی زبان سے تو مزادے سکتے ہیں، لیکن ایک اہم سچے درجہ کے عالم کی زبان سے ان کا صدور و شرفار کے لئے سرسید لینے کے قابل ہے۔

مولانا محمد امیر اہم صاحب مدظلہ ہمارے بھی صحیح مسلم کے

کے اجتہاد کے لئے تو نہایت صریح اور مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اس موقع پر مسافر و مریض کی رخصت ہی کو بطور استدلال پیش کرنے پر اکتفا کر لیا ہو لیکن خود رسول اللہ کے اسوۂ مبارکہ میں ایک سے زیادہ ایسے مواقع آئے ہیں جہاں اپنے جہاد کی خاطر روزہ انظار کر لینے کا اذن دیا اور دوران جنگ میں کب صوم ہی کو مومنین کے حق میں مفید فرمایا۔ صحابہؓ چونکہ عزمیت کی راہ پر چلنے کے شائق تھے اور ان کے ایمان پہاڑ کی طرح اٹل تھے اسلئے ان میں سے بہت سوں نے اس اذن کے بعد بھی روزہ رکھا اور بہت سوں نے بسبب قلت استطاعت اذن سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن ابن تیمیہ کے دور میں اہل اسلام کی قوت ایمانی ایسی کہاں ہو سکتی تھی، لہذا اس وقت کہیں زیادہ ضروری تھا کہ روزہ چھوڑا جائے اور ظالم حملہ آوروں کو شکست دی جائے۔

مفتی تینس نے خدا نخواستہ اگر وہی فتویٰ دیا ہوتا جو اُن کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا گیا تو کھلی بات ہے کہ یہ سرتاسر باطل ہوتا۔ اقتصاد دیوبند میں مصروفیات نہ تو ہنگامی ہوتی ہیں نہ انہیں جنگ کی اہمیت سے کوئی نسبت ہے۔ ہر زمانے میں لوگوں کو اپنے اپنے زمانے کے مطابق تعمیری و اقتصادی مصروفیتیں اور سیاسی و تجارتی ضرورتیں درپیش رہی ہیں۔ اگر ان کی بنا پر روزہ چھوڑا جا سکتا تو روزے کا حکم ہی نازل نہ ہوا ہوتا۔ حکم نازل کرنے والے نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ بس جو لوگ زکا ر رفتہ اور اپنا بیج ہو گئے ہیں وہی روزے رکھا کریں اور اقتصادی تعمیری سرگرمیوں میں حصہ لینے والے فاسخ الصوم رہا کریں۔

سوال :- از عبد الطیف عبدالعزیز باسٹر۔ مالی گاؤں۔

ایک ثقہ عالم کی خوش فعلیاں
معتزلہ فرقہ کے عقائد کیا ہیں؟ کیا یہ فرقہ گمراہ فرقوں میں سے تھا؟ اس عقیدے کے لوگ کیا اب بھی پائے جاتے ہیں؟
ان سوالات کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ چند روزہ ہوتے یہاں مالی گاؤں میں ایک مدرسے کے جلسہ تقسیم اسناد کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کے صدر المدبرین مولانا محمد امیر اہم شہزاد لائے تھے، انھوں نے اجتماع عام میں مدرسہ کے طلبہ اور کو درس حدیث دیتے ہوئے معتزلہ فرقے کا بھی ذکر کیا اور

اس کے برخلاف دوسری جماعتوں اور اداروں کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ استاد محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب دارالعلوم دیوبند سے منسلک ہیں۔ یہ مدرسہ سب جانتے ہیں کہ قوم کے صدقات و خیرات پر پلٹے ہے۔ اس کے باوجود اگر موصوفی نے جماعت اسلامی والوں کو "اکل و شرب" کہا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دم گٹی لوٹری نے ڈمار لوٹری کا مذاق اڑایا تھا۔

ہم دارالعلوم پر طعن نہیں کر رہے۔ مدرسے خیرات و صدقات پر ہی چلا کرتے ہیں اور یہ کوئی بُری بات نہیں، لیکن بری بات یہ ہے کہ صدقات و خیرات ہی کے مال سے تنخواہ پانے والا کوئی فساد اُس جماعت اسلامی پر "اکل و شرب" کی چبھتی کسے جس کی پوری تاریخ کا دامن چسپے بازی اور سوال و طلب کے ایک بھی داغ سے آلودہ نہیں۔

ہم ایک بار پھر اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ خدا کرے ساتھیان کا بیان کردہ واقعہ غلط ہو اور ہمارے استاد محترم نے درس حدیث کے دامن مقدس کو زیادہ گونی اور نعرہ ہائے ستانہ کی آلودگیوں سے ملوث نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں ہم اپنے پورے تبصرے پر بازگاہ ایندوئی میں مغفرت چاہیں گے۔ لیکن اگر واقعہ صحیح ہے تو پھر ہمیں ایسی سخت کلامی بروکونی شرمندگی نہیں۔ ظالم کو ظالم کہنے سے ہم بھی باز نہیں آسکتے چاہے وہ ہمارا ممدوح اور امام و استاد ہی کیوں نہ ہو۔

استاد ہیں اور ان کے علمی تجزیے ہمیں ہمیشہ یقین رہا ہے۔ خدا کے لئے کہہ دیجئے کہ جو کچھ ہم نے ان کی طرف منسوب کیا وہ مذاق ہے اور ان کے ذہین مبارک کے ایسی گچی باتیں ہرگز نہیں نکلی ہیں۔

لیکن اگر آپ ایسا نہیں کہتے اور اصرار ہی کرتے ہیں کہ بیان کردہ واقعہ تمام و کمال درست ہے تو ہم سے سے زیادہ کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد محترم کو معاف فرمائے اور طنز و مزاح کا کچھ اور نچا مذاق عطا کرے۔ یہ اور بھی تم درستم ہے کہ اس طرح کی خوش گویاں دوس حدیث میں کی جائیں۔ جماعت اسلامی والے خوش قسمت ہیں کہ عوام کا الانعام ہی نہیں بلکہ بہت سے خواجہ علماء و صلحاء بھی اپنی نیکیوں کا بہت سا حصہ غائبانہ ہی انکی چھولی میں ڈالتے رہتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات نے بتایا ہے کہ جو شخص کسی پر غلط اور ناروا الزام لگائے گا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ منظم المزم کو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور اسی نسبت سے الزام لگانے والے کی نیکیوں میں گٹوٹی ہو جائے گی۔

ماننا چاہئے کہ خالی علم و دانش ہی آدمی کو اونچے درجہ کا مومن نہیں بناتے۔ اصل چیز ہے قلب کی کیفیت ایمان تقویٰ اور صفائے باطن۔ جو شخص صحیح معنی میں اللہ سے ڈرتا ہو اور اسلام اُس کے رگ و پے میں سرج بس گیا ہو وہ کبھی بھولے سے بھی کسی شخص یا جماعت پر بے سرو پا الزام نہیں لگا سکتا۔ لفظ طبع کے طور پر کسی کو رسوا نہیں کر سکتا۔ وقتی واہ واہ کی خاطر یا وہ گونی کی سطح پر نہیں اتر سکتا۔

اعتزال و خارجیت کی علمی بحثوں کو چھوڑیے کہ ذکر کردہ آہام علمی انداز کا ہے ہی نہیں۔ ذرا "عقلانہ" اور "اکلار" واسلے لطیف بر غور فرمائیے۔ سب جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اپنے آغاز کے پہلے دن سے آج تک نہ تو کوئی چسپہ طم جاری کیا نہ جماعتی فنڈ کے لئے خیرات کی اپیلیں کیں نہ ممبری فیس جمع کیں۔ فعال جماعتوں میں شاید۔ بلکہ یقیناً ہی واحد جماعت ہے جس نے مانگنے کھانے کے ہر راست اور بالواسطہ طریقے سے ازادان تا آخر کلیتہً پرہیز کیا۔ اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ پیسہ جمع کرنے کے جو نوع بر نوع طریقے جماعتوں اور اداروں میں رواج پلے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی سا بھی بھی اس نے اختیار کیا ہو۔

تجلی کا خلافت نمبر

اب بھی مل سکتا ہے

قیمت ایک روپیہ

سادہ ڈاک سے منگوانے کیلئے ایک روپیہ دو آنے اور رجسٹرڈ منگوانے کیلئے ایک روپیہ دس آنے بھیجئے۔

مینجر ملکتہ تجلی دیوبند (دیوبند)

مستقل عنوان

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں

اُحد کی پہاڑیوں سے کتنی معصومانہ آواز آرہی ہے!
 "لے سعد! کہاں جاتے ہو تم؟" مجھے دامن اُحد سے
 باغ اہم کی خوشبو آرہی ہے! — یہ انٹش کی وہ پُرشوق آواز
 تھی جس میں ایمان دہقین سے سرشار رُوح اپنی منزلی ازل کو
 چھو لینے کے لئے تڑپ رہی تھی! — رُوح کے اس وابستہ
 شوق کے عالم میں وہ بھول گئے تھے کہ اس وقت وہ کس مولناک
 معرکہ کا راز امیں محصور ہیں — ایک میدان حشر جہاں کھنڈ
 شرمک کی بے رحم دسفاک جلا تیں مجھ کے بھیڑیوں کی طرح مجاہدین
 اُحد کی پشت پر سے ٹوٹ پڑی تھیں — جہاں چاروں طرف
 خوف و دہشت کا راج تھا — خون کی طغیانی موجزن تھی —
 مار دھاڑ کا فلک شگاف ہنگامہ برپا تھا — جہاں مجاہدین اُحد
 کے صرف ایک دستہ کی ذرا سی "بھول" سے اسلام کی فتح و کامرانی
 — کا سارا اقلہ ایک دھماکے کے ساتھ زمیں پوس ہو چکا تھا
 جہاں خوف و ہراس کے سرکش پہلاب میں پہاڑ شکوں کی طرح
 بیٹے جاتے تھے اور جہاد کی زلزلہ انگن دھمک آسمان ظفر سے
 لڑ کھڑا کر خطرات کے سیاہ پامال میں ڈوب چکی تھی — جہاں
 خدا کے آخری رسول کی شہادت کی افواہ نے ایمان دہقین کے
 کوہ انگن قدموں کو منززل کر دیا تھا اور خوف و مایوسی کے گرجتے
 بادل زندگی کے ہراتی سے کڑھتے برستے اُبھرتے چلے آ رہے تھے —
 — جہاں ناگہانی حملہ کے موج در موج اندھیاردوں میں تلواریں
 اندھی ہو کر دوست دشمن کے سر قلم کر رہی تھیں — جہاں خدا کا
 محبوب ترین بندہ دشمن کے تیروستان کی دھواں بوجھار میں
 خون آلود حربے کو اپنے ملوکی جمال اور باوق الفطرت سکون قلب
 سے منور کئے ہوئے اسلام کی تاریخ کا وہ دردناک موڑ دیکھ رہا تھا
 جہاں حق و باطل موت اور زندگی کی کشمکش میں مشغول تھے —

موت اور تباہی کے اس ہابا کار اور دہشت و ہراس کے
 اس فلک شگاف ہنگامہ پر اُبھرتی ہوئی یہ آواز تیز سے تیز تر
 ہوئی — بلند ہوئی گئی اور رگستانی میدان کے خونیں زردوں سے
 اُدھی اٹھی ہوئی اُحد کی کوشستانی چڑھیوں کو چھونے لگی — انٹش اس
 پُر خطر گھائی میں موت اور ہلاکت کے گھٹا ٹوپ اندھیاردوں کا سینہ
 چیرتے ہوئے اُحد کے اسی پہاڑی مورچہ کی طرف تیز گام تھے —
 جہاں خدا کے رسول نے محاذِ فسطح کے مجاہدین کو ہر حال میں سینہ
 سپرد ادا مل رہنے کی تاکید پر تاکید فرمائی تھی — اور جہاں سے
 اس دستہ نے اسلامی فتح کا نظر فریب منظر دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ
 اس حکم کی اطاعت کا وقت پورا ہو چکا ہے — اور وقت آگیا
 ہے کہ جہاد کے معرکے سر کرنے کے بعد رضی الغامات اور غنیمت
 کے اموال سے بہرہ اندوز ہوا جائے — لیکن وہ بھول گئے تھے
 کہ اطاعت اور تسلیم و رضا کا سب سے نازک وقت وہی تھا جب
 متلاخ و دنیا کی چمک دمک عاقبت کی سرفروش جاں نثاریوں کو
 للہجار ہی ہوا! جہاں آنکھیں دل کو دھوکا شے رہی ہوں — اور
 جہاں عین الیقین اور ایمان بالغیب کے جذبات میں تصادم
 ہو رہا ہوا!

چند سالوں کی بھول — ایک معصوم بھول پوری
 ملت کی تاریخ پر تباہی کا دھماکا بن کر پھٹ پڑی — چند
 قدموں کی لرزش سے زمین و آسمان تھر تھرا گئے — انسانیت
 کے مستقبل کی بنیادیں لرزنا تھیں — لیکن ابھی آتش کی سیاہ
 پوش گھٹائوں میں کھجلیاں کوند رہی تھیں — خون آشام اندھیارد
 کے جھکڑوں سے کچھ جگنو ٹکرا رہے تھے — انٹش ان میں سے ایک
 تھے — ایک انسان جو بھول اور غلطی کی آندھیوں کی زد میں
 کا چراغ جلائے موت و ہلاکت کی اسی پُر خطر گھائی کی طرف

میں گونجتی ہوئی انسان کی خاموش لٹکا زمانہ کو آواز دے رہی تھی

۲

نئے اور پرانے طائف

بھولوں سے زیادہ معصوم
نظرت، مگر شیطنت کے
گھناؤنے ماحول کے ڈھالے ہوئے شہر پر انسانی بچوں کی بھڑکے شور
جاتی۔ تالیاں بجاتی ہوتی۔ ایمان باختہ نوجوانوں کی خدمت
غول انسانیت سوز قہقہے لگاتے ہوئے۔

پوڑھے چہرے۔ لائوں کی طرح بے روح اور گناہ
کی طرح تاریک و بے ضمیر پوڑھوں کے چہرے ایک کرہیہ
سرخ کی جھرتوں میں سمٹتے پھیلے ہوئے!۔

اور۔۔۔

اس انسانی جہل کے طول و عرض میں جنگلی شور کے
طوفانی ریلوں کے ساتھ اینٹوں کی اندھا دھند پوجھار!۔

بیرحمانہ تھراؤ! ہماؤ ٹوکا جوانی خروش! یہ طائف کی
سبز میں پرکس سہمی کا مجنونانہ خیر مقدم کیا جا رہا تھا۔ آہ

کون جائے! کیا آج طائف کے زرخیز نخلستانوں اور توتل
محللات کی آبادی میں کوئی تباہ کن ڈاکو گھس آیا تھا جس کو ناکامانہ

انعام کے نرغہ میں لے کر ایالین شہر شہری اتحاد۔ سماجی شعور
اور انسانی جرات و فزرائگی کی داد دے سکتے تھے؟۔۔۔

وادی کے سیم وزر اور تخت و تاج پر حلقہ آور کوئی سرکردہ شہسب
مگر قہار کیا جا رہا تھا؟۔ یا اس دیار کے جنگو سوراؤں نے کسی

لئے فخر و شرف کر دار کو دھریا تھا جس کے وجود سے زعمات شہر
کے حرم سخت خطرے میں تھے؟

آہ نہیں!۔۔۔ ہرگز نہیں!

سنگ و خشت کے ظلمات نشانہ پر کوئی رہبر نہیں، بلکہ
دیانت کیشی اور امانت داری کا لگی ہیرہ اور میں الا قوامی نشان

تھا جس کے پر نور چہرے سے پٹکتا ہوا معصوم حلال اور کی پشت پر
اس کی طویل زندگی کا تاجناک و بے داغ افسانہ اس کے بدترین

دشمنوں کے پھریلے دلوں اور مردہ ضمیروں تک سے عقیدت و
اعتماد کا نشاۃ نزع خراج لے رہا تھا اور جس کو اس کے غباری دشمن
اتہائی غیظ و خضب کے عالم میں بھی کوئی اخلاقی گالی دینے کا تصور تک

بتا بانہ بڑھ رہا تھا جہاں سے تباہی کے عفریتی لشکر اسلام پر
حلقہ آور ہو رہے تھے۔

استحسانِ عظیم کی نزاکتوں کو نقطہ عروج پر لانے کے لئے
مشیت سے اشارہ کیا!

غیم کے آہن پوش لشکر حرکت میں آئے اور ایک انسان
پر سیکڑوں تلواروں کو نڈے لگیں۔ مگر وہ انسان بڑھا جا رہا

تھا۔ غیظ و غضب اور ظلم و استبداد کی قہرانی طاقتیں غزب میں
اور چنگھاڑتی ہوئیں حلقہ آور ہوئیں۔ مگر مجاہد کا رخ نہ بدل

سکیں۔ تیروں کی بوجھار ہوئی۔ تھراؤ پر تھراؤ ہوئے۔
لیکن بڑھنے والا خود اپنے زخموں کے خون میں نہاتا ہوا باغ

ارم کی خوشبو کی طرف بتا بانہ بڑھتا ہی رہا۔ آگ اور خون
کے طوفان میں ایک سفینہ تھپیڑے کھار رہا تھا مگر موجوں کا سینہ

چترتا چلا جا رہا تھا۔ آخر۔ استحسان کی اس شہنائی کی گمانی کو
تھم کرنے کیلئے موت کا فرشتہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور زخموں

سے پارہ پارہ جسم کو اپنی لورانی آغوش میں لے لیا۔ باغ ارم
کی ابدی منزل کی طرف لے آؤا۔ "انسان" مر گیا تھا مگر دم

ٹوڑتی ہوئی انسانیت ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئی تھی۔
اُحد کی گھاٹیوں سے آج پھر ہی آواز آ رہی ہے۔

لئے سقا کہاں جاتے ہو؟ دامن اُحد سے مجھے تو باغ ارم کی خوشبو
آ رہی ہے۔۔۔ آج پھر ملت اسلامیہ طاغوت کے جارحانہ

حلولوں کو کشمکشوں مارنے کی راہ لے رہی ہے۔ آج پھر مجاہدین
کا دستہ اپنے اسی مورچے سے ہٹ کر متاع دنیا کی نظر فریبیوں میں

کو ڈپٹا رہے جہاں خدا اور اس کے رسول نے اس کو آخری دم تک
سینہ سپر رہنے کا اہل حکم دیا تھا۔ آج پھر وہ جھمسان کا معرکہ

پاسے جہاں تلواروں اندھی بوگیوں اور خود غرضیوں کی تاریکی میں
دوست دشمن کا امتیاز کم چوکا ہے۔ آج بھی خدا کے

آخری رسول کی طرح خدا کا آخری پیغام باطل کے وحشیانہ
حلولوں کی زد میں سکون و استقامت کے مینارے نور کی طرح ایستادہ

ہے مگر اس کا تہرہ خون آلود ہے اور اس کے ماننے والے لاشخا
کے طوفانی جھکڑوں میں اُڑے پھر رہے ہیں۔

زمانہ انش کو آواز دے رہا ہے۔ اور اُحد کی دوا لیا

نہ کر سکتے تھے۔ وہ دوستوں اور دشمنوں دونوں کا "ابن صادق" تھا!۔ ہاں اس بے رحمانہ آخری جنگ بے رحمانہ پھسلوؤ کی زد پر اس انسان کامل کے سوا کوئی نہ تھا جس کے پر نور قدموں میں کھلاہ وحشی سرداروں کا عظیم فریضی وقار سر جھکا کر یہ بھیک مانگ چکا تھا کہ وہ "ایک سے خدا" کا لغو بند کرنے سے تو وہ اس قابل ہے کہ عرب کا تلخ و تخت اس کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر وہ انسان کامل جو اپنے خدا کی راہ میں بھوک اور پیاس سے محبت کرتا تھا شہنشاہیت کی نذر بھی اس کو نہ خرید سکی اور اپنے متاع دنیا اور اس کے پایا جاہاں پر لغت و غلٹ سے نظر ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ ہاں یہ وہی عفت، مابہمستی تھی جس کے اخلاقی انقلاب کے مقدس پیغام کو خریدنے کیلئے ریگستان عرب کی حسین ترین دو شیرگی کی بولی لگائی گئی تھی۔ تہذیب و تمدن نے یہ دیکھ کر اپنا منہ سیٹ لیا کہ اس عجیب انسان کی رگ و پے میں جذبات کی نشلی سنسنی کی جگہ انسانیت اور اس کے وقار کا عبور خون۔ مقدس خون کھیل اٹھا۔ انسانیت کی المناک گراؤٹ کے منظر نے اس کو آبدیدہ کر دیا اور غیرت انسانیت کے ایک حسین ترین چوش کے ساتھ اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلنے لگے "جس چیز کو چاہنا اور سولج کی نذر بھی نہ خرید سکے یہ دنیا اس چیز کو متاع دنیا سے خریدنے کا خواب دیکھ رہی ہے۔ آہ یہ لوگ مجھے نہیں پہنچاتے!"۔

زمین و آسمان کا وزرہ وزرہ گواہی دے رہا تھا کہ یہ خدا کے رسول کی آواز ہے۔ وہ آخری رسول جس پر اس کے خدا کی زمین تنگ کرتے ہوئے طائف کی سر بھر پوری انسانیت خود اپنی موت کا خون چکاں خشن منا رہی تھی۔ انسان کی وہ آنکھ جس نے صدیوں سے گناہ کی تاریک و سیاہ رات کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا۔ خیرگی سے اندھی ہو کر حقیقت کی "صبح درخشاں" پر پھراؤ ڈکڑی تھی۔ انہیں برس رہی تھی!

"السالو!" اس نے درد بھری آواز میں طائف کی آدم خورستی کو پکارا "سن لو کہ خدا کے آخری پیغام کے سوا میرا کوئی پیغام نہیں ہے۔ یہ تمہارے اس خدا کا پیغام ہے کہ زمین آسمان کی لاشناہی و دستوں میں بھی کوئی اس کی گرفت سے بچ کر نہیں پاسکتا اس سے پہلے کہ موت انسان کی گناہ آلود لاش کو محفوظ حشر نگاہوں سے

گھسیٹ کر شہنشاہ کائنات کے حضور میں لجا سکے کیوں نہ انسان شکر نعت کی والہانہ تشریح کے ساتھ خود ہی اپنے خالق باریک دوز پرے۔ حقیقت کی کیسی دلنشین آواز تھی یہ۔ کیسی دل دوز پرکار۔ مگر عشرت کدوں کی گناہ آلود مشربتیوں میں انگریزائیاں لینے والے انسانی درندوں نے پاگلوں کی طرح تہقیر لگایا، لیکن وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے "تم! تم! تم! ہو خدا کے رسول!۔۔۔ (اے اباہا!) کیا خدا کو اس کا کچھ لے تمہارے سوا کوئی اور نہ تھا۔۔۔ کچھ دیر تک کر۔ سنجیدگی کے ساتھ" ہم تو صاف دیکھتے ہیں کہ تم محض ہم جیسے ایک انسان ہی ہو! ایک انسان جو رہتی ٹھکانا اور پانی پیتا ہے!۔ اور بازاروں میں خرید فروخت کرتا ہو اور کھسا جا سکے!"۔

یہی تھے وہ انسان جن کی نظر میں خدا کے رسول کا (خدا نخواستہ) واحد جرم "یہ تھا کہ وہ ہم جیسا ایک انسان" کیوں ہے؟۔ آہ۔۔ انسان اور انسانیت و بشریت سے اس قدر بیزار!۔ ماپوس اور اس درجہ ماپوس!۔ کیا طائف کے اس المیہ سے بڑا کوئی اور المیہ ممکن ہے؟۔ کاش تم اس کا جواب نفی میں دے سکتے۔ کاش ہم مسلمان "مسلمان" ہوتے!۔ آہ جغرافیہ پر کھربے ہوئے یہ بیشتر جدید طائف!۔ جہاں ایک باپچہ خدا کے رسول کو رسول جاننے والے یہ کچھ سنائی دیتے ہیں کہ رسالت تسلیم کرنے کیلئے محمد کی بشریت کا انکار کر دو!۔ جہاں ایمان و عمل کی جتنی پھرتی لاشیں اپنے خون کردار سے ڈھلی ہوئی لاشیں اور پھر کے دل اٹھائے ہوئے اس اسلام کی حقیقی بنیادوں کو سنگسار کر دینا چاہتی ہیں جس کی تم میں طائف میں ٹپکا ہوا ہوا "وہ مقدس ہوا" جذب ہو کر اسلام کو میرا ب کر چکا ہے۔ کفرزدہ طائف کے پھر تو میں مقدس خون سے رنگین ہو گیا کی قسم! دوزخ حاضر کے نئے طائف اور ان کے ہونناک مناظر خدا کے رسول کا "دل" خون کرنے کے لئے کافی ہے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا۔۔۔۔۔ انظرط میں ہے!۔۔۔۔۔ "وادی احمد میں سلام بڑھوں۔۔۔۔۔ تپوں بیماریوں اور عورتوں نے مدینہ میں خطرہ کی گھنٹی بجائی ہوئی تھی اور انسانیت کا وہ معذور و کمزور طبقہ جن کے کان بھون کو خدا اور اس کے رسول نے شمشیر و سنان کے خون ریز معرکوں پر ارگراں

آزاد رکھا تھا پناہ گاہوں میں چھپنے کے بجائے پناہ گاہوں سے باہر نکل پڑا۔۔۔ پارہ کی طرح میناب۔۔۔ بجلی کی طرح ترپتا ہوا شہزاد کے لئے ناہی ہے اب۔۔۔ وہ کس خطرہ سے پناہ ڈھونڈ کر زندہ پہننے کی تمنا کریں جب ان کی زندگی کا عمل اور ان کی آرزوں کا روح رواں "اسلام" خطرے میں ہے!۔۔۔ اسلام خطرے میں ہو تو پھر کوئی خطرہ خطرہ نہیں۔۔۔ جب دین پر آج آ رہی ہو تو متارح و دنیا ان کے کس کام کی!۔۔۔

خدا رسول اور اسلام کے قدموں پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے ضعیف انسانیت کا جوم ہر جم طاقتوں سے شکرانے کے لئے وہاں شوق کے عالم میں رواں دواں تھا۔۔۔ زندگی خود ہی موت کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوتی تھی۔۔۔ پناہیں خود ہی خطرات کو لٹکانے کے لئے قربانی و ایثار کے نشہ میں دجھ کر تپتی جا رہی تھیں۔۔۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کارواں میں سب سے آگے ایک عورت تھی۔۔۔ یرام عمارہ تھیں جو اس موت و ہلاکت کے دہانے پر جست کرنے کے لئے بجلی کی طرح کوندتی جا رہی تھیں جہاں خدا کا آخری پیغمبر تیر و سنان کی بولجھار میں محسوس تھا۔۔۔ جہاں صحیح اسلام خطرہ میں تھا!۔۔۔ آخر ایمان و یقین کا یہ سوانی پیکر جس نے سائے وجود کو خدا اور اس کے رسول کی محبت نے شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا تھا!۔۔۔ آہیں و فداؤ کی دیواریں ڈھلانا ہوا۔۔۔ بے ضمیر انسانیت کے آہنی چوڑھے کفر کے برتھے اُڑانا ہوا۔۔۔ دار کرتنا اور زخم پر زخم کھانا ہوا اس حسد کے کاغذ اور تنگ جا پہنچا جہاں تین طینت حق کا آخری چراغ گل کرنے کیلئے آندھیوں کی طرح پھینکا رہی تھی اور درندوں کی طرح پوری وحشت و قوت سے دھاڑ رہی تھی۔۔۔ مرد اور یرجم مرد جس کے سینہ میں کفر و شرک کی کی قسارت نے گوشت کے دل کو پھرنے کے کھلاؤں میں تبدیل کر دیا تھا فوج و فوج، موج و موج ہو کر اس تنہا عورت کے چوڑھے جھپٹ پڑا جو دیکھنے ہی دیکھتے طاغوتی فوج کو موت کے گھاٹ اتار دینے لگی تھی۔۔۔ جس کی لٹکانے سے اعدا کا میدان جنگ گونج رہا تھا اور جس کے رجز سے زمین و آسمان اور کائنات کی فضا میں مرتعش ہو کر رہ گئیں تھیں۔۔۔ جو حق و باطل کے تباہ کن معرکہ میں چٹان کی طس طرح سینہ سپر ہو کر زخم پر زخم کھا رہی تھی مگر اپنے لہو میں نہا نہا کر جس کا عزم شہادت تازہ دم ہو رہا تھا۔۔۔ جس کو رسول خدا نے نغزاج عقیدہ

پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا "شاہدش لے اتم عمارہ! اسلام تم پر نغمہ کرتا ہے!"

"ہیں لے خدا کے رسول!" ام عمارہ نے خون میں نہنایا ہوا چہرہ رسول خدا کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا "میں کچھ اور بھی چاہتی ہوں۔۔۔ اور یہ کہتے ہوئے ان کی زندگی کی کوئی حسین ترین آرزو ان کے رشح و دل کی گہرائیوں سے جھمکے رشیدہ رشیدہ سے مینابی بن کر اُبل پڑی۔۔۔ کیسی ترپ تھی ان کی آواز میں۔۔۔ کتنا درد۔۔۔ کس قدر سوز!" لے خدا کے رسول! دعا فرمائیے کہ میں موت کے بعد آپ کے قدموں میں اٹھائی جاؤں۔۔۔ اور جب خدا کے رسول نے دعا کرنا تھا اٹھادیے تو وہ اس طرح ہر سکون و مطمئن ہو گئیں جیسے دولت و جہاں مل گئی ہو۔۔۔ جیسے ان کی تھکی ہوئی پُرشوق آنکھیں زبان حال سے کہہ رہی ہوں "سب کچھ خدا سے مانگ لیا تو مانگ کر اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد!"

لے خدا کے رسول! اب مجھے کسی علم کا غم نہیں کسی مصیبت کا خوف نہیں۔۔۔ مجھے سب کچھ مل گیا ہے!۔۔۔ اتم عمارہ بار بار وہ بد کے عالم میں یہ الفاظ دہرا رہی تھیں اور خدا کا رسول عظیم ترین شفقت اور شرفقا قدرت کے عالم میں پتھر دیکھ رہا تھا! کون ہے جو ام عمارہ کی اس دعا کے لئے متارح دنیا کی قیمت پیش کرے؟۔۔۔ یہ متارح دنیا جس کے سونے چاندی کے سلاسل نے ہالے پڑے وہ وجود کو جکڑ لیا ہے۔۔۔ جس کے چمکتے ہوئے سراب میں چلے ایمان و یقین پیاس سے دم توڑ رہے ہیں۔۔۔ آہ ہم مسلمان ہیں!۔۔۔ کیا ہم مسلمان ہیں؟۔۔۔

فارسی نصاب (جدید)

کم وقت میں فارسی سیکھنے سکھانے کا ایک عمدہ نصاب اصول فارسی حصہ اول بارہ آنے حصہ دوم آٹھ آنے (صروف) (نحو)

در دس فارسی آٹھ آنے معین فارسی سات آنے مجموعی قیمت دو روپے مکتبہ تجلی دیوبند (دیوبند)

فلسفہ شہادت و موت

از ڈاکٹر عبد الحمید صاحب دھوپور (ایس۔ پی)

آج مسلمانان عالم کا یہ عالم عقیدہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جاتے ہیں یعنی جنہیں عرف عام میں شہداء کہتے ہیں، وہ مرتے نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں عام زندگیوں کی طرح روزی ملتی ہے۔ چنانچہ اسی عقیدے کی بنا پر دنیا کے اکثر مشہور و معروف شہداء کی قبروں پر ہر سال ایک وقت معین پر چرماں ہوتا اور ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع کا عرصہ طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ جہاں زائرین میں دیر و نزدیکے سب سے بڑے پیش کرنے کے لئے جوق در جوق حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ان مزارات پر نذرین چڑھاتے، رکوع و سجود کرتے منٹیں ملتے، اور ان قبر والوں کو اپنی حاجت روانی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں۔

واقع ہے کہ زیر نظر مضمون کا تعلق اس امر سے نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ان حرکات کے رائج ان قبروں کی قبروں کے ساتھ روار کھی جاتی ہیں، حسن و سچ یا جواز و عدم جواز کے سوال کو معرض بحث میں لایا جائے، بلکہ دیکھنا دراصل یہ ہے کہ آیا قرآن کریم کی وہ آیات جو متذکرہ صدارت عقیدے کے جواز میں بطور سند کے پیش کی جاتی ہیں واقعی وہی مفہوم رکھتی ہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ حق تعالیٰ فی سبیل اللہ مرتے نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اللہ کے پاس زندہ رہتے اور کھلتے پیتے ہیں یا بخلاف اس کے ان آیتوں سے نشائے قرآنی کچھ اور ہے جو عقیدہ مذکور کے قطعی ثبوتی ثبوتی ہے۔ بہر حال اس مقام پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ان آیات قرآنی کی تاویل صحیح معنوں میں وہی قابل قبول ہوگی جو قرآن کریم کی دوسری متعلقہ آیات سے ثابت ہو، نہ کہ اسکے برعکس، نیز یہ کہ اسی کا فیصلہ اس باب میں قطعی اور یقینی تسلیم کیا جائے گا

جس میں کسی کو جوں و چراگی گنجائش نہ ہوگا۔ جہاں تک انسانی حیات و ممات کا تعلق ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر مختلف زاویوں سے اس انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ اس کا کوئی گوشہ قرآن میں غور و فکر کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ انسان کو اس کی موت کا یقین دلانے کیلئے ایک نہیں متعدد مقامات پر نہایت صاف و صریح اور غیر مبہم الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص کو چاروں اہراموت سے بھگتنا رہنا ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ **مَعْلَمٌ لِّنَفْسٍ ذَا ذِئْقَةِ الْمَوْتِ**۔ نیز روزمرہ کے واقعات و مشاہدات بھی اسی حقیقتِ عظمیٰ سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر آنک کے بعد کیا ہوگا، اس کی تصریح بھی نہایت واضح طریقہ پر کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ انسان کو اپنی دنیاوی زندگی کی میعاد پوری کر کے مر جانا اور مٹی میں مل جانا ہے اور پھر اسے قیامت کے دن اٹھانا ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ اَنْتُمْ كَوْمٍ وَّكَوْمٍ اَلْقِيٰمَةِ تُنْعَمُونَ اَوْ تُعَذَّبُونَ ﴿۱۰۱﴾

پھر تم اس کے بعد مرے گے پھر تم قیامت کے دن کھرھے گئے اقامت کے دن اٹھائے گے۔

واضح رہے کہ آیاتِ محولہ بالا اس باب میں قرآن کریم کی نصوص قطعہ ہیں اور ان میں شہید و غیر شہید، یا کسی دوسری شخصیت کی کوئی خاص تشریح نہیں ہے۔ یہ دونوں آیتیں محض بطور نمونہ کے پیش کی گئی ہیں در نہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے قرآن پاک سے بلا سلفہ بیسیوں حکم آیتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ان آیتوں کی روشنی میں دو باتیں بالکل ٹھہر کر سامنے آجاتی ہیں جن کے متعلق ایک مومن کے دل میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اولاً یہ کہ

موت ہر شخص پر ضرور آتی ہے خواہ وہ شہید یا صالح یا عاقل یا نبی کیوں نہ ہو، کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور ثانیاً یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو اسی دن نئی زندگی ملے گی جس دن قیامت قائم ہوگی۔ نہ کہ اس سے پہلے۔ لہذا ان قرآنی حقائق اور صحتی شواہد کی موجودگی میں شہداء کے متعلق عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ "وہ مرتے نہیں" یا بقول بعض محتاط لوگوں کے کہ "انھیں مرنے کے بعد قیامت قیامت کا انتظار ہے" بغیر ذرا ہی نئی زندگی مل جاتی ہے، یکسر بے اصل ثابت ہو کر رہ جاتا ہے۔ علاوہ انہیں غور کرنے کا مقصد ہے کہ انبیاء و رسل جن کا مرتبہ بل اختلاف رفت شہداء سے ہزاروں مرتبہ بلند ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو موت لاحق نہ ہو، یا یہ کہ مرنے کے بعد اسے قیامت سے پہلے ہی دوسری زندگی ملے گی حتیٰ کہ خود حضور نبی اکرم کو خطاب کر کے سادیا گیا کہ۔

إِنَّا نَحْنُ حَقِيقَاتٌ وَأَنْتُمْ مَّخْتَلِفُونَ
 كَمْ مَاتَ مِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 عِنْدَ مَا تَبَايَعْتُمْ مَوْتًا
 دن اپنے رب کے آگے جھک لو گے

(الزمر - رکوع ۳)
 لیکن حیرت ہے کہ شہداء کی نسبت یا تو یہ کہا جائے کہ وہ ستر سے مرتے ہی نہیں یا پھر یہ کہ اگر مرتے بھی ہیں تو اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ "ادھر مرے ادھر آؤ" کی ارواح طیور خضر میں داخل ہو گئیں" گو یا اس طرح موت کیا ہوتی محض انسانی قالب سے حیوانی قالب میں روح کی تبدیلی ہو گئی اور بس۔ شاید اسی خیال کی ترجمانی کئی شعر نے اس طرح کی ہے۔

فانکسی بقا کسی جب اس کے آشنا ٹھیرے
 کبھی اس گھر میں آنکے کبھی اس گھر میں ٹھیرے
 معاف رکھیں کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آخر وہ پیدائستہ کا
 نظریہ تنازع کیا اس کے سوا کچھ دوسرا ہے؟
 سوخت عقل زحیرت کہ اس چہ پوچھی است
 اب آیت ہم آیت زیر بحث پر بھی ذرا غور کیے چلیں جسکی
 بناء پر قرآن کے مبینہ نظریہ حیات میں ایک طرف نہ تریاب کا
 انا نہ زور یا است۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَمُوتُ وَلَمْ يَكُنْ

مَسِيئًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا دَرَجَاتٍ كَمَا قُتِلُوا
 وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَمُوتُ وَلَمْ يَكُنْ
 مَسِيئًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا دَرَجَاتٍ كَمَا قُتِلُوا
 (القرآن رکوع ۱۹)

دیکھا آپ نے کیا اس آیت جلیلہ میں ایسا بھی کوئی لفظ ہے جس کے معنی ہوں کہ "مقتولین فی سبیل اللہ مرتے نہیں" یا یہ کہ "انھیں مرنے کے بعد ہی فوراً نئی زندگی مل جاتی ہے اور وہ جنتا و مسکن و جنت بہتر خیر الٰہی کو کرم و شہادت کے بندھن توڑ کر قیامت سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جاتے ہیں؟" نہیں بلکہ برعکس اس کے یہاں تو یقیناً (یعنی لائے جاتے ہیں) کہہ کر ان کی موت کا کھیلے لفظوں میں اعلان کیا گیا ہے۔ طبعی موت نہ سہی غیر طبعی سہی، موت بہر حال دونوں حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار کی جرات نہیں ہو سکتی۔ دیکھا نہیں آپ نے کہ آنحضرتؐ کے متعلق بھی تو یہی کہا گیا ہے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ
 عَلَى أَهْلِي إِذْ قُتِلَ فِي بَدْرٍ فَقَالَ
 تَمَّ أَمْرُ بَيْتِي وَبَدْرِي

اور اس طرح بتلایا گیا کہ موت کی یہی دو صورتیں ہوتی ہیں طبعی اور غیر طبعی، تیسری نہیں۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید ضرور کی گئی ہے کہ اللہ کے راستے میں ستر والوں کو "مردہ" کے لفظ سے یاد نہ کیا جائے، کیونکہ "مردہ" کا لفظ شہداء کی شان کے طبعی منافی ہے۔ اس لفظ سے ان کی ناکامی و نامرادی کا اظہار ہوتا ہے جو یقیناً حقیقت کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ ساری الجھنیں محض اس وجہ سے پیدا ہو گئیں کہ اس مقام پر "جنازہ" کے واقعی مفہوم پر قرآن کی روشنی میں غور نہیں کیا گیا۔ بخلاف اس کے اس لفظ کی حکمت و بلاغت کو یکسر نظر انداز کر کے اس سے شہداء کا بالکل حقیقی معنوں میں زندہ ہونا سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ آیت کے سیدھے سادے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں "زندہ" کا لفظ لینے لٹوئی معنی میں نہیں بلکہ "جساری اور خالصتہ مجازی معنی میں بولا گیا ہے۔ جیسا کہ چند ماہ دوسرے الفاظ قرآن میں انھیں مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً جس طرح یہاں شہداء کو "زندہ" کہا گیا ہے بعینہ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کو "مردہ" قرار دیا گیا ہے میں پوچھتا ہوں

دلانے اور اپنی دانشمندی اور بہ خاطر فہمی کی ڈینگیں مارنے کے لئے کہنے لگے کہ یہی تو وجہ تھی ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے خلاف تھے۔ دیکھو اگر سب لوگ ہماری طرح گھر میں بیٹھے رہتے اور باہر نہ نکلتے تو آج اسی جاہلیں ناحی کیوں ضائع ہو تیں۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مکتنا ہی ناقامت اندیشی اور ہلاکت کو دعوت دینا تھا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تلووا
حکایا الذین کفروا ذواتہم لو
یا نوحا لیصلہم اذ اصغر ابوہ
الذین انزلنا علیہم
ذواتہم لو انما ماتوا
ذواتہم لو (آل عمران ۱۱۸)

اسے ایمان دلو! تم نہ پڑھو ان کی طرح جو کافر ہوتے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک بھی یا ہوں جہاد میں کہ اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مائے جلتے۔

غرض اسی طرح کی ہمت پست کرنے والی باتیں مذاہب کا عامہ المسلمین میں ذہنی انتشار و پریشانی پھیلانے لگے تاکہ ان کے ہاتھوں سے صبر و استقلال کا دامن چھوٹ جائے اور خود منافقوں کے منہ کی کاٹک مٹے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نازک موقع پر اس طرح کی چکنی چٹری گزند ہر نبی باتیں جماعت کے لوگوں میں کس قدر خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ بناء بریں سخت اندیشہ تھا کہ یہی روج جاں فروشی جو حق و باطل کی کشمکش میں حق کی فتح یا بائی کی واحد ضامن ہے منافقوں کی چالوں سے یکسر مردہ ہو کر رہ جاتی اور تعلق کا منات کا اصل مقصد ہی ہمیشہ کے لئے فوت ہو جاتا۔ چنانچہ اس سنگین صورت حال کے پیش نظر اللہ ایک طرف منافقین کی مکاریوں اور چال بازیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ ان منافقین کی باتوں میں نہ آئیں یہ سراسر فرھوکہ و فریب ہیں مثلاً کہنا چاہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں محض زبانی جمع خرچ ہے۔ دل کی گہرائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور دوسری طرف جہاد میں کام آنے والوں کی نسبت مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم اور انعام و اکرام کی کچھ ایسے تو نہ رو لپیڈیر انداز میں بشارتیں سناتیں کہ مجاہدین اسلام کا عجز نہ شجاعت بجائے سرد پڑنے کے اور تازہ ہو جائے اور ادھر منافقوں کے لئے کھن آتھو سس ملنے کا باعث ہو۔ غرض اسی سلسلے میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے راستے میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھا جائے کیونکہ ایسے

نفوس قدسیہ اللہ کے نزدیک مردوں میں نہیں بلکہ کھاتے پیتے زندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو مزید لیکن دلائی جستانی ہے کہ شہداء سے اُحد کے لئے غم و افسوس کرنے کا مقام نہیں ہے۔ اللہ نے ان کے لئے اپنے فضل سے اتنا کچھ حصہ رکھا ہے کہ وہ تو ان کے لئے عین خوشی کا باعث ہے۔ غریبوں بھلا انا ہم اللہ ما من فضلہ۔ یہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ان لوگوں کے لئے بھی بشارتیں ہیں جو ابھی ان کے درجے کو نہیں پہنچے یہ کہ (کل قیامت میں) ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔

و یستشیرون بالذین
کم یدفعوا الیہم
خلفیہم اذ کانوا
ذواتہم یخونون (آل عمران ۱۶۷)

اور خوش وقت ہوتے ہیں انکی طرف سے جو ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ انہیں غم ہے۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری (آل عمران رکوع ۱۷)

زبان زلفیٰ فرماندہ دراز میں باقی سمت
بصاعت سخن آخرد و سخن باقی سمت

تجلی
ہم جانتے ہیں بہت سے لوگوں کو اس ضمنوں پر شدید اعتراض ہوگا۔ خود ہمیں بھی اس کے بعض مطالبے اختلاف ہے اور اس کے اسلوب و بردار کو بعض اعتبار سے لائق نظر سمجھتے ہیں لیکن جس حسن نیت اور مقصد نیک کے تحت یہ سب رد قلم کیا گیا ہے اس نے ہمیں اس کی اشاعت پر آمادہ کیا اور یوں بھی اسکی اشاعت مناسب لوم ہوئی کہ اس کی تقریب میں حیات شہداء کے موضوع پر کچھ اہم باتیں کہنے کا موقع مل جائے گا۔ ہر اس مسئلہ میں جو بحث نظر کی گنجائش رکھتا ہو اور جس کے کسی ایک پہلو پر اجماع امت نہ ہو چکا ہو ہر صاحب علم و فہم کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہے۔ اور ہمیں اس رائے سے چلنے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اسے ٹھنڈے دل سے منہا چاہئے۔ اس پر غور کرنا چاہئے اور پھر جذبہ راستہ بالاتر ہو کر سنجیدہ علمی انداز میں نقد کی کسوٹی پر کھنا چاہئے۔ آیات کے ذیل میں حیات شہداء پر مفسرین سلف سلفائے

بہت کچھ گفتگو کی ہے۔ یہ سطور لکھتے ہوئے جو چند تفسیریں ہمارے پیش نظر میں دقتیں کثیر روح المعانی، ابن کثیر، روح البیان، خازن، جلالین، مدارک التنزیل، فتح البیان، العنایہ، حاشیہ علامہ شہیر احمد عثمانی اور تفہیم القرآن، انہی میں اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ اگر اسے نقل کر کے بحث و نظر کی مصلحت سمجائی جائے تو خاصی تیار ہو سکتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حیات شہداء جیسے فی معاملہ کو عقل و شعور کی گرفت میں لانے کی تمام منطقی و کلامی کوششیں ایسی محسوس ہوتی ہیں جیسے خوشبو کو گردوں سے تلپانے اور ہوا کو تر ازو سے تپانے کی قسم نظر بھی کی جا رہی ہو۔ ہمارا ناچیز خیال ہے کہ ذہن کو الجھاؤں سے بچانے والا وہی راستہ سب سے بہتر اور تسکین بخش ہے جسے صاحب المنار نے اختیار فرمایا ہے۔

اولادہ جلد دوم صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں:-

المعتد عند الاستاذ الامام
فی هذا الحیاة هو انصاحاً
غیبیة تمنازیلاً و ارواح
الشهداء علی سائر ارواح
الناس۔ ہذا یزعمون بل یقولون
ولکننا لا نعترف بحقیقتھا
ولا بحقیقة الرزق الذی
یکون بعد اول نبیحت من
ذک الذہم من عالم الغیب
الذی یزعمون بہ و نقول
الامام الخالدی اللہ تعالیٰ۔

++++
++++
++++

الاستاذ الامام سے مراد علامہ شیخ محمد عبدہ ہیں۔
ثانیاً وہ جلد چہارم صفحہ ۲۳۳ پر رقمطراز ہیں:-

وان المنحار فیہا انصاحاً
غیبیة لا نبیحت من حقیقتھا
ولا نزید فیہا علی ما جاء
لانی اختیار بات اس معاملہ میں
ہے کہ وہ حیات شہداء ایک غیبی
حیات ہے جس کی حقیقت سے

بلد خیر الوحی شیفاً فلا تقول
کما قال بعض منکلمی المعتزلة
ان المراد بقوله "بن احیاء"
الضم سیکونون احیاء فی
الآخرة۔

++++
++++

کم و بیش یہی بیخ علامہ شہیر احمد عثمانی نے بھی اختیار فرمایا
ہے اور صاحب تفہیم القرآن تو اس سے بھی زیادہ اختصار پر مبنی
کر گئے ہیں اور اپنے معروف مقصدی زاویہ نظر کے مطابق اٹھوا
نے آیات کے صرف مقصد نزول کی توضیح کر دی ہے اس سے
کوئی بحث نہیں کی کہ حیات شہداء کی حقیقت و کیفیت کے بارے
میں کیا لفظ نظر رکھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ اختصار مفید و
مجموع ہے اور حیات شہداء کی کلامی بحثوں کو نظر انداز کر جانا قارئین
کے ذہنوں کو لا حاصل الجھنوں سے بچالجانے کے ہم معنی ہے۔ وہ
فرماتے ہیں:-

ہم بحث نہیں کرتے۔ نہ ان معلوما
پر کوئی اضافہ کرتے ہیں جن کی خبر
وحی سے ملی ہے۔ یعنی بعض معتزلی
متکلمین کی طرح یہ نہیں کہتے کہ
اللہ کے ارشاد "بن احیاء" کا
مطلب یہ ہے کہ ان شہداء کو
عقربین آخرت میں نہ کیا جائیگا
کم و بیش یہی بیخ علامہ شہیر احمد عثمانی نے بھی اختیار فرمایا
ہے اور صاحب تفہیم القرآن تو اس سے بھی زیادہ اختصار پر مبنی
کر گئے ہیں اور اپنے معروف مقصدی زاویہ نظر کے مطابق اٹھوا
نے آیات کے صرف مقصد نزول کی توضیح کر دی ہے اس سے
کوئی بحث نہیں کی کہ حیات شہداء کی حقیقت و کیفیت کے بارے
میں کیا لفظ نظر رکھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ اختصار مفید و
مجموع ہے اور حیات شہداء کی کلامی بحثوں کو نظر انداز کر جانا قارئین
کے ذہنوں کو لا حاصل الجھنوں سے بچالجانے کے ہم معنی ہے۔ وہ
فرماتے ہیں:-

"موت کا لفظ اور اس کا تصور انسان کے ذہن پر
ایک تہمت ٹھکن اثر ڈالتا ہے اس لئے اس بات سے
منع کیا گیا کہ شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ کہا جائے،
کیونکہ اس سے جماعت کے لوگوں میں جذبہ جہاد و قتال
اور روح جہاد فریضی کے سرد پڑ جائے گا اندیشہ ہے۔
اس کے بجائے ہدایت کی گئی کہ اہل ایمان اپنے ذہن میں
یہ تصور چھلے رکھیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں جانی تیلا
ہے وہ حقیقت میں حیات جاویداں پاتا ہے۔ یہ تصور
مطابق واقعہ بھی ہے اور اس سے روض شجاعت
بھی تازہ ہوتی اور تازہ رہتی ہے۔"

تفہیم القرآن جلد اول حاشیہ ۵۵ سورۃ البقرہ
اس میں کیا تشکیک ہے کہ شہداء کی حیات جاویداں مردہ
سنانے سے متشاکسے رہتی یہی ہو سکتا ہے کہ اہل ایمان کے سینے
جہاد فی سبیل اللہ کے ذوق و شوق سے بھر جائیں۔ وہ موت کے موت
نہیں اور جو مجاہدین مسلمان جہاد میں کام آگئے ہوں ان کے

نقش قدیم پر چلنے کو حیات جاوید کی راہ پر چلنا تصور کریں۔ موت، ضعف و عجز کا آخری ممکن ترین مظہر ہے اور حیات، قوت و سطوت کا مظہر۔ تم، جنم سے سب سے نظر آتے ہو، والی مرگ مجاہدین کو عین زندگی اور حیات مستقل قرار دینا گویا انسانی جبلت کو ضعف و عجز کے احساسات سے بھاگ کر توراہ و شوکت کے جذبات اور جہد و عمل کے دلوں کی طرف لیجانے کا ایک نفسیاتی عمل ہے جسکی خیریت انگریز افادیت اور اثر خیریری کو نام دینا بے خوب خوب دکھا ہے۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب اہل ایمان کی قوت ایمان و یقینیں شباب پر تھی۔ پھر وہ قوت سرد پڑ گئی تو بشارت ربانی کی افادیت اثریت بھی باریجیہ کلام و ظہن کی چرگان میں سے رہ گئی اور آیات کے مقصد نزول کو بالائے طاق رکھ کر ساری دلیلیاں اس پہلو کی طرف مبذول کر دی گئیں کہ حیات شہداء کی نفس الامری کیفیت و حقیقت کیا ہے اور کس طرز و انداز میں وہ زندہ ہیں۔ اس کے بعد ذہنی جناسٹک کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور یہ دور از کار کتبہ نکالا گیا کہ جب شہداء زندہ ہیں تو وہ انبیاء تو لازماً زندہ ہونگے جو شہداء سے بالیقین انفع و اعلیٰ مراتب رکھتے وائے ہیں۔ دور از کار اس لئے کہ اول تو جس حیات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمادیا کہ لا تشعرون (تم اسے نہیں سمجھتے) اسپر قیاس و استدلال کی عمارت اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے جبل پر جبل کی اور عدم پر عدم کی عمارت اٹھانی جائے۔ دوسرے یہ کلیہ ہی سہ سے غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ ہر وہ وصف محدود کسی کثرت میں پایا جا رہا ہو لازماً برتر ہے میں بھی پایا ہی جائے گا۔ میں لوہے اور سونے کی مثال دیتا ہوں۔ سٹے ہے کہ لوہا کم قیمت اور سونا بیش قیمت ہے۔ لوہا کتر ہے سونا برتر ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قوت و صلاحیت، تحمل اور پائنداری کے جو اوصاف مشا محمودہ لوہے میں پائے جاتے ہیں وہ سونے میں بھی اس سے زیادہ نہ سہی اس کے برابر ہی پائے جاتے ہوں۔ دوسری مثال جسری اور بری مخلوق کی کیجئے۔ چھلی اور کھجور سے پانی کے اندر جیتے ہیں وہیں سانس لیتے ہیں وہیں اپنی نسلیں چلاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ انسان کے مقابلہ میں کتر اور ادنیٰ ہی ہیں، لیکن کیا انسان ان سے برتر اور اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل سے پانی کے اندر زندگی

گزارنے کی صلاحیتوں کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ دلیل ہرگز ہرگز وزنی نہیں ہو سکتی کہ چونکہ شہداء کے لئے اللہ نے "زندگی" کی خبر دی ہے اس لئے انبیاء میں تو لازماً یہ "زندگی" ہونی ہی چاہئے۔ پھر جنہوں کا بگاڑ اس حد تک پہنچا کہ بعد کے اولیاء اللہ کو بھی بعد از مرگ زندہ ہی مانا جائے لگا اور جالموں میں نہیں عالموں میں، فاسقوں میں نہیں صوفیاء میں، قبروں سے کسب فیض اور استیلا و ذخیرہ کا ایک مستقل مذہب اور نظام عمل وجود میں آ گیا جس کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ ان مرنے والوں کا تعلق ہماری اینٹ اور پتھر کی دنیا سے نقطع نہیں ہوا اور ان کی موت فی الحقیقت موت نہیں ہے بلکہ ایک فریب نظر ہے، ایک پردہ ہے، ایک اعتباری شے ہے حالانکہ اولیاء تو درکنار خود شہداء ان کے لئے بھی اللہ نے جس زندگی کی خبر دی ہے وہ وہ زندگی نہیں ہے جس کا تعلق ہماری موجودہ دنیا سے ہو۔ اس کے لئے داخلی دلیل خود آیت ہی میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عند ربکم جزوقون مشرما یا۔ عند ربکم کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہو سکتا اگر حیات شہداء ان کے کم و بیش وہی حسی لئے لے جاتے ہیں اور خارجی دلیل یہ ہے کہ شہداء کا "حیات" کے لئے جاتے ہیں اور خارجی دلیل یہ ہے کہ شہداء کا ترک تقسیم ہوتا ہے، ان کی بیواؤں سے شادی کی جاتی ہے پھر موقع ملنے پر دفن کر دیا جاتا ہے اور سوائے اس کے کہ دوسرے مرنے والوں کے برعکس انھیں "شہداء" کہا جاتا ہے اور تمام احکام معاملات میں ان کی موت امر مسلم مانی جاتی ہے۔ تب اس طرح کا ہر استدلال جس میں لفظ "شہداء" کے تصنعی معنی لئے جاتے ہیں یقیناً دور از کار ہی ہوگا اور اسی لئے ہم یہ دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی قبروں میں وہی ہی زندگی حاصل ہے جیسی دنیا والوں کو حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی طرح کھاتے پیتے سونے جاتے، نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم دنیا والے رکھتے ہیں۔ یہ عجیب کچھ برخیز میں ہو سکتا ہے قبر میں نہیں۔ آپ کہیں گے یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تو فاضل مضمون کا کی تاثر ہے کہ تاسے تو وہ اختلاف کیا ہوا جس کا تم ذکر کر رہے تھے۔ جو باعرض ہے کہ اختلاف کے پہلو دوسرے ہیں۔ موصوفے

حَتَّىٰ نَفْسٌ ذَاٰئِقَةٌ اَلْمَوْتِ جیسی آیات میں کر کے جو یہ استدلال فرمایا کہ ان حکمت کے بعد شہید وغیر شہید کسی کے لئے استثناء کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے صحیح نہیں ہے۔ علم التفسیر کا بالکل ابتدائی اصول ہے کہ کسی بھی آیت کی تفسیر کو اگر کوئی دوسری صریح آیت مقید اور محدود کر رہی ہو تو تفسیر کی بجائے یہ تفسیر و تحسین ہی واجب القبول ہوگی۔ مانا کہ متعدد آیات قرآن سے موت کی ہمہ گیری اور جامعیت ثابت ہو رہی ہے، لیکن خود اللہ ہی اگر صریح طور پر شہداء کو مستثناء فرمادیں تو مذکورہ آیات کی دلیل سے ہم اس استثناء کو نعوذ باللہ رد کر دینے کے مجاز نہیں ہیں۔

ویسے ہماری نظر سے دیکھتے تو یہ استثناء بھی استثناء نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ کل نفس ذائقۃ الموت یا تک میرٹ یا کل من علیہا فان وغیرہ میں جس میں موت اور فنا کا ذکر فرمایا گیا وہ تو خود شہداء کے لئے بھی ثابت ہی ہے آخر ہماری آنکھوں کیسا سنے ان کے زندہ جسم سے جان ہو کر زمین پر آ رہتے ہیں ان کا حضور عضو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے، بعض حالات میں ان کی لاشیں نکال چیل اور گر کس کھا جاتے ہیں تو انسان جس بے رحم حقیقت کو موت اور فنا کے نام سے جانتا ہے کیا وہ اس کے سوا بھی کچھ اور ہے۔ وہ آخر کیسے باور کر سکتا ہے کہ شہداء کے لئے جس "حیات" کی خبر اللہ تعالیٰ دے رہا ہے وہ وہی "حیات" ہے جو صرف بدابہتہ بلکہ شریعت بھی ختم ہو چکی۔ شریعت اس لئے کہ خود اللہ اور رسول ہی نے شہداء کے اہلک اور متروکہ اذواج میں بھی تمام تصرفات کا اذن دیا ہے جو دوسرے مروجوں کے اموال متروکہ میں ماذون و مشروع ہیں۔ گویا اللہ اور رسول ہی یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس موت کو تمام موجودات و مخلوقات کیلئے لازم اور اہل قرار دیا گیا ہے اس موت سے تو شہداء بھی بچے نہیں ہیں اور جو حیات دوسرے جانداروں کے لئے محدود کی گئی ہے وہ شہداء کے لئے بھی محدود ہی ہے۔ تب استثناء کہاں رہا۔ استثناء تو جب ہوتا جب ٹھیک وہی موت اور فنا شہداء سے اٹھائی گئی ہوتی جو دیگر مخلوقات کے لئے مقدر ہے اور وہی شہداء کے لئے جاوداں بنا دی گئی ہوتی جو دیگر مخلوقات کے لئے عارضی اور محدود ہے۔ یہاں تو بدابہتہ کوئی اور ہی "حیات"

ہے جس سے شہداء کو خصوصیت سے نوازا گیا ہے اور جن معنوں میں دوسرے لوگ مرتے ہیں ان معنوں میں تو شہداء بھی مرتے گئے ہیں ورنہ شریعت ان کے متروکہ اموال و اہلک سے وہ معاملہ کیسے کرتی جو اور مروجوں کے اموال و اہلک سے کیا جاتا ہے۔

لیکن استثناء نہ ماننے ہوتے بھی یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لئے خصوصیت سے "حیات" کی بشارت دی ہے تو ضرور ان کی ارواح ہمارے کے ساتھ عالم غیب میں کوئی ایسا ہی خاص الخاص سلوک مقدر فرمایا ہوگا جو ان کے ماسوا کسی کی روح کے ساتھ نہ ہوگا حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ بھی نہیں۔ صرف آیات کے مقصد تروں ہی کو سب کچھ قرار دینا اس امتیازی وصف کا انکار کر دینا جس پر آیات کے الفاظ صریح و محکم دلالت کرتے ہیں مناسب نہیں ہے۔ اور یہ جو

"مرنے کے بعد انسان کو اسی دن ہی زندگی ملے گی جس دن قیامت قائم ہوگی نہ کہ اس سے پہلے۔"

تو یہ اس وقت تو ٹھیک ہے جب "زندگی" کے وہی معنی لئے جائیں جو "شعوری" اور معلوم و معروف ہیں، لیکن شہداء کی جس حیات سے بحث ہے وہ قرآن ہی کی تفسیر کے مطابق شعور و فہم سے بالاتر ہے اس لئے ماننا چاہئے کہ قیامت کے دن نہیں بلکہ شہادت کے عین بعد ہی اللہ تعالیٰ شہداء کی روح سے کوئی امتیازی سلوک فرماتے ہوں گے اور انہیں ایک خاص قسم کی زندگی عطا کی جاتی ہوگی۔ تمام ہی مروجوں کی ارواح کے لئے ایک ہی بیج برسرِ مویزا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ شہداء کے لئے خاص طور پر نازل شدہ آیت بشارت معنوی اعتبار سے کچھ بھی اصلیت نہیں رکھتیں!

اسی سلسلے میں سلف کی اس تفسیر پر کہ شہداء کی ارواح مرنے کے بعد "طیور خضر" میں داخل ہو جاتی ہیں طنز و تخریب کرنا بھی نامناسب ہی ہے۔ طے تفسیر کی بنیاد پر حقیقت حدیث پر ہے اس حدیث میں اگرچہ اضطراب ہے، لیکن یہ اس درجہ کا نہیں کہ حدیث ناقابل احتجاج ٹھہرے۔ ٹھہر بھی جائے تو بہر حال حدیث کے معاملہ میں ادب و احتیاط ضروری ہے۔ گمان ہونا ہے شاید فی مثل مضمون نگار کو معلوم نہ ہوگا کہ "طیور خضر" یا "حوالہ طیور خضر"

حدیث کے الفاظ میں در نہ اس انداز میں تعریف نہ کرتے۔ یہ بایہ خیال کرنا کہ شہداء کے لئے قیامت سے قبل ہی کسی خاص زندگی کو تسلیم کر لینا تاریخ کے ہم معنی ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ نظریۃً تاریخ روح اور زندگی کا الٹ پھیر اسی آدمی دنیا میں باور کراتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مرنے والوں کی شرح اسی میں موجود دنیا میں دوسرے محسوس و حقیقی قالبوں میں حلول کر جاتی ہے آج ایک نیا آدمی مرا توکل ہو سکتا ہے کہ اس کی روح کسی گتے یا لٹری کی شکل میں ظہور پذیر ہو جائے۔ یہ حیات بعد الحیات کا چکر ظاہر ہے شہداء کی حیثیت زیر بحث سے قطعاً جدا اور مختلف ہے۔ کسی منسرد نے نہیں کہا کہ شہداء کی ارواح کوئی اور قالب بدل کر دنیا میں موجود رہتی ہیں۔ صرف اس ڈر سے کہ موجودہ عقل پسند دور میں حیات شہداء کے عقیدے پر لوگ نہیں گے اور اسے تاریخ کے مثل قرار دیں گے شہداء کے وصف خاص کا کلیتہً انکار کر دینا ایسا ہی طرز فکر ہے جیسا اضی قریب کے ایک مخلص رہنما نے اپنی تفسیر القرآن میں اختیار فرمایا تھا اور مائے عقل پسندی کے فرشتوں تک کا انکار کر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

نام کتاب	تعارف	قیمت غیر محلول	قیمت جلد
عربی کا معلم حتماً قائل	عربی سیکھنے کے لئے	سواروپہ	x
اساس عربی	"	پانچ روپے	چھ روپے
حکایت شہدائے ہندوی	خطوط	x	سواتین روپے
کتاب الصلوٰۃ	از امام احمد ابن حنبلہ	x	ڈیڑھ روپے
اسباب زوال امت	از امیر شکیب اور سلمان	x	ڈیڑھ روپے
احسن الصلوٰۃ	شامانکے مسلمان و قواعد	پانچ آنے	x
رحمت اللعالمین	غیر مسلموں کی شہادتیں	تین آنے	x
رہنمائے مدینہ	مدینے کی تاریخ	ایک روپے	ڈیڑھ روپے
جنتوں کی تجویز	قرآن پڑھنے کے لئے	بارہ آنے	سواروپہ
احکام انعام	جوسے کے شرعی احکام	چار آنے	x
عربی کی گزشتہ تجارت اور انگلستان کی صنعت و حرفت		آٹھ آنے	
اسلام کی اخلاقی تعلیمات	محمد ایوب اصلاحی	x	دو روپے
بھائی بھائی	ڈاکٹر غلام جیلانی	x	پانچ روپے
امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی	ڈاکٹر حمید اللہ	بارہ آنے	سواروپہ
نمانکے نصیحتیں	ابو محمد امام الدین	پندرہ آنے	ڈیڑھ روپے
پچھترے رسول کی بچی تعلیم	"	x	ڈیڑھ روپے
خاصاتِ حدیث کی نگارین	"	بارہ آنے	سواروپہ
حضرت فاطمہ	"	دس آنے	x
حضرت خدیجہ	"	سواروپہ	پونے دو روپے
رسول مقبول کی عاتیں	"	چار آنے	x
حضرت ابوبکر صدیق	"	بارہ آنے	x
حضرت بلال	"	آٹھ آنے	x
معلم نماز	"	آٹھ آنے	x

خلاصہ التفاسیر جلد اول مولانا شاہ فتح محمد صاحب کی تفسیر بہت مشہور و معروف ہے اپنی قسم کی عجیب تفسیر ہے۔ جلد اول سورہ انعام تک ہے ہریم بارہ روپے۔ جلد چودہ روپے۔

عظیم تاریخ اسلام انہما۔ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ قیمت فی سیدٹ مکمل و جلد چھتیس روپے

حیات وحید الزمان اہادیث کے نامور مترجم علامہ جیلانی کے علمی و علمی کارناموں کا مفصل تذکرہ۔ جیسا کہ اہل علم کے تذکروں میں ہوتا ہے ضمناً بہت کچھ تاریخی معلومات بھی ہم رشتہ ہیں۔ قیمت چار روپے

نو اصلاحی افسانوں کا مجموعہ۔ جو دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ قیمت ایک روپے

دیوبند (یو۔ پی)

تجلی مکتبہ

مستقل عنوان

مسجدِ مبارک

منسب: مولانا ابوالعزیز عثمانی

ذکی تو خلافت ہاتھ سے گئی۔ خلافت کے غیر ذمہ سہری
پہری چلے گی نہ تھائے جھوٹے اور بازو دین نہیں گے۔
دیکھ لینا انشاء اللہ خلافت سنی ہی کیا رنگ آئے۔
سوئے میں تو لوں گا۔ بس لے لو نظر جان جگر اچھ
دن اور جامِ فرات زہر مار کرتی رہو پھر جتنے ہی عشق
محبت کی چاندنی میں دھال کی باسری بجا کر بیٹھے۔
تمہارا دعوتی نمکین

اس خط پر صوفی صاحب بے حد خوش ہوئے تھے بقیہی صلے
تو کسی کوئی بار پڑھ کے پٹھانے لیتے رہے تھے۔ البتہ نورِ نظر جان جگر
پر کچھ ناک بھوں چڑھا کے بولے تھے۔

”یاریہ القاب تو ہم نے اپنے بیٹے تونوں سلمہ کو لکھے تھے۔“
”کوئی حرج نہیں۔ میں نے انھیں تشفی دی تھی۔“ ان سے
بڑھ کر محبت بھرے القاب آج تک پیدا ہی نہیں ہوئے۔ جب
تیس کو اس کے والد صاحب نے عشق کرنے کے مجرم میں مار مار کے
پچھا دیا تھا اور تین دن تک وہ صحرائے نجد سے فائب رہا تھا تو
بیلی نے اسے بڑا درد بھرا خط لکھا تھا۔ اسے خبر تو رضی نے نقل
کیا ہے اس میں بھی یہی القاب ملتے ہیں۔

”سچ؟“ وہ خوش ہو کے بولے تھے، مگر فوراً ہی مجھ گئے
تھے۔ ”یاریلی جنوں کی اور بات ہے۔ کہیں بیوی تو نہیں بولے گی۔“
”ہرگز نہیں۔“

”اللہ مالک ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے چاروں نیشنل دم
کر کے لفافہ لپیٹ مکس میں ڈال دیا تھا اور بفضلِ تعالیٰ اس کا نتیجہ توقع
سے زیادہ بہتر نکلا تھا۔ ان کی سیکم نے اہرا کے جواب لکھا تھا۔

جس کا کچھ حصہ بطور تبرک

نقل کرتا ہوں۔

ایک بار ایسا ہوا تھا کہ صوفی نمکین کی بیوی ان سے خفا
ہو گئیں۔ بڑا گرم و تلخ نامہ محبت آیا تھا کہ یا تو جلدی گھر لوٹ
آؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ یہ خط لے وہ میرے پاس آئے
تھے اور نہایت سیکسی کے عالم میں فرمایا تھا کہ ملا! کھی اسکا جواب
لکھ دو میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

”میں لکھ دوں؟“ میں نے حیرت سے کہا تھا ”بھلا میاں
بیوی کی پراٹھوٹ خط و کتابت میں کسی اور کا کیا دخل۔“
”ااں پراٹھوٹ پلعت بھجھو مجھے ڈھکے سے لکھنا آتا تھی
سے کیوں کہتا۔ وہ بڑی حرا ذہنہ راضی نہ ہوتی تو زمین آسمان
ایک کر دے گی۔“

”آپ چلے ہی کیوں نہیں جاتے۔ آخر وہ کب تک آپ کی
جدائی میں تڑپے گی۔“
”چلا کیسے جاؤں۔ شیخ گھر بیٹھے خلافت تھوڑی بھی بیٹھے۔“
”خلافت۔۔۔۔۔“

”یا تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ تم بھجا بھکا کے خط لکھو۔
کس خلافت ملی اور میں آیا۔“
”اور کچھ؟“

”اور جو تمہارا جی چاہے لکھ دو، مگر ایسا لکھو کہ وہ خوش
ہو جائے۔“

اس پر میں نے خط لکھ دیا تھا جو کم و بیش یہ تھا۔

”لے فور شید جہاں آ رہا، اسلام لو چا ہا۔“

تمہارا نامہ گرمی ملا دن کا پھول کھلا۔ تم کیا بار بار
بولتے کو لکھتی ہو میں تو خود آنے کیلئے میخ بسمل ہوں۔

پہرہ ہوتے تو آؤ کر چلا آتا۔ مگر یہاں خلافت کا معاملہ سچ
میں اٹکا ہوا ہے دل میں بڑا کھٹکا ہے کہ شیخ کی خدمت

”مزاج من سلامت نورجی ستر“

میں غیرت سے ہوں اور آپ کی غیرت خداوند عالم سے نیک مطلوب۔ دیگر احوال یہ ہے کہ خط آپ کا آیا خوشی کا تھا لایا۔ آنکھوں سے لگا اداں میں بسایا اگرچہ کہ آپ کی جہدائی میں جینا مشکل ہے۔ طبیعت منع عمل ہے مگر بے جا ہوں جی رہی ہوں خون کے گھونٹ پی رہی ہوں۔ آپ جلدی سے خلافت لیکے آجلیے۔ نہ زبور توجیب نہیں گئے نہیں گے پر انوں ہی کا چل جلاؤ لگ رہا ہے۔ پہلے میرے جہیز کے بندے کوئی موت کھایا چرند کے لے گیا تھا اب کل سے گلے کا ہار ٹوٹا پڑا ہے اور دگنڈے نہیں مل رہے ہیں۔۔۔۔۔“

اسی انداز کا تقریباً چار صفحے کا خط صوفیائے تہ نے لکھا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور وہاں بھی کوئی میری نسل کا ملا موجود ہے جس نے اس خط کا مسودہ بنا کے دیا ہے، ورنہ صوفیائے تہ کے فرستے بھی ایسا جواب نامہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ حال یہ کہ جو عقیدت صوفی مکملین کو میری سوچ ہو چھ سے اور حسن تحریر سے تھی وہ دن دن وہی رات چوگئی ترقی کر گئی اور اس کے نتیجے میں ہیندہ بھر بعد وہ واقعہ پیش آیا جس کا میں ذکر کرنے چلا ہوں۔

رات کے وقت میں ٹھک میں بیٹھا ہوا اٹھی تو انائی کے بین الاقوامی کنٹرول پر عالمی نقطہ نظر سے غور کر رہا تھا اور بے پناہ فکری انہماک نیند میں تبدیل ہو چلا تھا کہ اچانک صوفی صاحب وارد ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے حیرت ایک پرچہ نکالا جس پر انھوں نے شارٹ ہینڈ کے انداز میں کچھ کلیدی الفاظ لکھ رکھے تھے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا:۔

”بے صوفی صاحب! اگر آپ اور دس مزٹ نہ آتے تو آج میں بھی تو انائی سے پیدا ہونے والے عالمی مسائل کی کتنی سلجھا چکا ہوتا۔۔۔۔۔“

”اچی چھوڑیے“ وہ بیزاری سے بولے ”یہاں اپنا مسئلہ لکھا ہے کہ سلجھا ہے نہیں سلجھا۔“

”یعنی خلافت کا۔۔۔۔۔؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ہاں یار۔۔۔۔۔ بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ حضرت اجی

کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ آپ خود انصاف کیجئے وہ مونی گردن والے مولوی بختیار الحق اور وہ چندھی آنکھوں والے شیخ منقار الدین انھیں تک تو خلافت مل گئی اور ہم جو برسوں سے ریاض کر رہے ہیں ترس ترس کے مرے جائے ہیں۔“

”میرا خیال ہے ابھی تک آپ میں وہ احوال و مقامات پیدا نہ ہو سکے ہوں گے جو خلافت کے شایان شان ہوں۔“

”اماں! بات کرتے ہو، احوال و مقامات تو اس درجہ میں ہیں کہ اوروں کو تو ہوا بھی نہیں لگی۔ یہی دکھانے تو میرے تھیں آیا ہوں۔“

”باپ بے۔ تو آپ مجھے احوال و مقامات دکھائیں گے۔“

”اور کیا۔ دیکھتے اس پرچے پر ہم نے اشارات لکھنے ہیں تاکہ بھولے نہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے حضرت شیخ ابی مصروفیتوں میں ہائے حال سے آگاہ نہیں ہے ورنہ خلافت کو کبھی کیے دی ہوتی۔“

”ہو سکتا ہے۔“ میں نے اٹھڑے بیٹھے لہجے میں کہا۔

”کیا ہو سکتا ہے۔ یار سن تو لو۔ پھر ذرا لکھ دینا۔“

”یعنی کیا مطلب؟“

”ہم تھیں اپنے کچھ حالات سنائے دیتے ہیں۔ انھیں ذرا سلیقے سے لکھ دینا تاکہ حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس کے بعد امید ہے انشاء اللہ خلافت مل جائے گی۔“

میرا دل دھک سے ہو گیا۔ صاف مطلب تھا کہ پہلے تو وہ میرے حلق میں تصوف اُنڈلیں گے پھر اسے ہضم کر کے مجھے بصورت تحریر خارج کرنا پڑے گا۔ غرغرا کے عرض کیا۔

”حق یہ ہے صوفی صاحب کہ آج کل میں ذہنی طور پر بہت مصروف ہوں۔ اب دیکھئے نا ایک طرف روس کا اسٹنگ آسمان کی خبر لا رہا ہے جس سے بے شمار بین الاقوامی آنکھیں ظہور میں آ رہی ہیں۔ دوسری طرف شاہ ایران کی نئی زوجہ سے ولادت ہونے والی ہے اس کے جو گہرے اور ہنسیر اثامت عالمی سیاست پر پڑیں گے وہ ناقابل بیان ہیں۔ تیسری طرف شرقی اور مغربی جہزمنی۔۔۔۔۔“

”بس یار۔ وہ تھجلائے“ یہ کا فرانہ سیکلے پھر سوچنا۔ پہلے

عرض کرتا۔ "جی ہاں یہی مطلب تھا۔"

شاید نماز عصر کے بیان میں انھوں نے اپنی اور شیطان کی کشتی کا ماجرا سنایا تھا۔ حسب معمول ایک نقرے پر پوچھ بیٹھے "بتاؤ کیا سنا؟"

میں نے جلدی سے آخری فقرہ دہرایا۔

"پھر آپ نے شیطان کو کھارے اٹو بنا دیا۔"

"لا حول ولا قوۃ" انھوں نے حسب معمول نصیح کی۔ اتنے کھارے اٹو نہیں۔ مار مار کے اٹو بنا دیا۔"

"جی ہاں یہی مطلب تھا۔"

"کیا یہی مطلب تھا ہر دفعہ سو جاتے ہو۔"

ظاہر تھا کہ جب نصف گھنٹے میں وہ خصر تک پہنچے تھے تو عشار کے خاتمے تک نہ جینے تھے چہاں درویشوں کی کونسی جسد تصنیف فرمادیتے۔ عاقبت اسی میں دیکھی کہ تین کی پروکھو کو طلاق دے کر چائے کا دور چلایا جائے۔

"میں کھتا ہوں چلتے ہو الی جاتے۔"

"جزاک اللہ وہ بے ساختہ بولے۔"

میں اٹھ کے اندر گیا۔ بوی کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ چائے کی فرمائشوں کے بے مزہ سی ہو گئیں۔

"کیا آج سوئیں گے نہیں؟" ان کا لہجہ تہا رہی تھا۔

"باہر صوفی نمکین بیٹھے ہیں۔"

"بیٹھے ہوں گے۔ آپ کے پاس تو ٹھیلوں کا کالہ رنگا تہا ہے۔"

"اررر۔۔۔ زبان سننا لوسکیم۔ صوفیوں کی شان میں گستاخی نہیں کیا کرتے۔"

"بہت دیکھے ہیں صوفی۔ وہ بار سال بھی تو انھیں کے بھاتی صوفی مسکین آتے تھے جو برتھی لے گئے تھے۔"

"ارے وہ تو بہرہ و پیا تھا کوئی۔ چلو ہمیں تو اللہ میاں کے یہاں دس بستریں گے۔"

"تو یہ سار اگھرو صوفی نمکین کو دیدیکھے دس گھر دسے لں جائیں گے۔"

"اب تم چھلاؤ نہیں۔ دو پیالیاں نس کلاس بنا دو اللہ قسم بڑے ذریعے مقامات کا بیان ہو رہا ہے۔"

"جائے آپ مقامات کی سیر کیجئے۔ چائے پہنچ جائیگی۔"

بمیاہر آتے تو صوفی جی نے فوراً ہی اسٹارٹ لیا، مگر ہم نے ٹوکا۔

"ذرا چائے آجانے دیجئے تب تک میں ایک گزارش کر دوں۔"

"کیا؟"

"یا شاعر اللہ آپ کے حملہ احوال و مقامات تو بہت ارنجے ہیں، لیکن ان میں اس مقام علیا کا ذکر نہیں آیا جسے صوفی حضرت مقام زہریر کہتے ہیں۔"

ان کے چہرے پر تشریحات کے آثار ظاہر ہوئے۔ آنکھیں پھڑکیں۔ گھبرا کے بولے۔

"یہ کیا ہو تہا ہے؟"

"ارے۔ کیا شیخ نے آپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں۔۔۔"

"تجھی یہ بیچ میں لٹک رہے ہیں۔" میں ذمہ معنی اناراز میں کہا "اجی جناب یہی تو وہ اور سچا مقام ہے جہاں سالک کا قدم مستند خلافت کی خبر لیتا ہے۔"

"تو بتاؤ نا اس کی تفصیل۔" وہ خاصے بیتاب تھے۔

"تفصیل اس کی یہ ہے کہ سالک کو عبادتوں سے کو فٹ ہونے لگتی ہے۔ دل گھبراتا ہے۔ کلیو منہ کو آتا ہے۔ نماز روزے میں مزا نہیں آتا۔ ساری کیفیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ باطن سیاہ ہو کے رہ جاتا ہے۔ محدود، فرشتوں اور نبی لطفیوں کی پرچھائیں تک نصیب نہیں ہوتی۔"

"واللہ؟" انھوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے اور کیا۔ یہ تو آپ کی بھی سچ طریقت سے پوچھ دیکھئے۔ اس مقام زہریر کے بغیر سالک خلافت شیخ کا مستحق نہیں ہو ا کرتا۔"

"تو پھر یہ بھی لکھ دو۔" انھوں نے بر ملا فرمایا۔ ان کے لہجے میں التجا تھی۔

"ہائیں۔۔۔ میں جو تک پڑا یعنی۔۔۔؟"

وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسی۔ اتنے میں چائے آئی۔ انھوں نے

دو تین چکیاں لے کر نہایت آسودگی سے فرمایا:-
 "یار تھکے پاس آنے کا مطلب تو یہی ہے کہ ذرا اچھی طرح احوال و مقامات قلمبند کرو تاکہ حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دیں، ایسے تو وہ خلافت لے نہیں لے۔"
 "وہ تو کروں گا۔ مگر حوالہ آپ کے بیان کے ان سے مقام زہریر کا جوڑ کیسے لگیگا۔"
 "کسی بھی طرح لگا دو۔ تم تو بارہت تیز موند۔"
 انھوں نے نہ صرف ہنسم کے ذریعہ تراجیح میں پیش کیا بلکہ پیالی ایک طرف رکھ کر میرا ہاتھ پکڑنے کے لجاجت سے بولے:-
 "تھیں ہراری ہنم۔ کچھ ایسا لکھ دو جیسا بیوی دالے خط میں لکھا تھا۔ وٹس سال سے تھاک مار رہے ہیں۔ کتنے ہی ایرے غیرے تھو خیرے ظیفہ ہو گئے۔ ہم سے نہ جسنے حضرت جی کو کیا میرے۔ جب مانگی انکار کر دیا۔"
 ان کے ہچے میں بڑی محبت، بڑی میکی، بڑا درد تھا۔ میرا دل بھرا آیا اور قریب تھا کہ پھوٹ پھوٹ کے رووں، مگر چائے دانی میں ابھی کافی چائے باقی تھی اور روئے کا مطلب یہ تھا کہ ساری چائے وہی اکیلے پی جائیں۔ لہذا دلنے کو ملتوی کیا اور اپنی خالی پیالی بھرنی چاہی۔ انھوں نے جھٹ اپنی پیالی آگے کر کے کہا:-
 "یار اسے بھی بھرانے پھر ایک کٹو بعد کہنے لگے "لے تم خالی چائے پیتے ہو۔ حکما کہتے ہیں کہ خالی چائے سے کلیجہ جل جالہ ہے۔"
 "تھوٹ کہتے ہیں" میں نے تاسف سے کہا "میں نے تو ایک ایک گھڑ خالی چائے اس موقع میں پی ہے کہ کلیجہ جل جا کر نہیں جلا۔"
 "کیوں" وہ مہربان ہو گئے "یعنی کیوں تم کلیجہ جلا مانا چاہتے تھے۔"
 "اے وہی سرورہ محبت۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔"
 "کیسا" وہ اور بھی حیران ہو گئے۔
 "اے تو شیخ نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا؟" میں حیران گیا۔
 "نہیں بالشرع عظیم بالکل نہیں۔"

"وا۔ اچی جناب یہ تو آپ نے بزرگوں سے سنا ہی ہوگا کہ "سرورہ محبت" آنکھوں میں ڈالنے ہی ایک سے ایک محبوب قدموں میں آکر تاسے۔"
 "ہاں سنا تو ہے اور اشتهاروں میں دیکھا ہے۔"
 "تو سرورہ محبت اور کیا ہوتا ہے۔ یہی جتنے ہوئے کلیجہ کی راکھ۔"
 "اے رہنے دو۔۔۔ نہیں سچ بتاؤ۔"
 "کمال ہے۔ آپ کل کو سورج میں بھی شاکہ نے لگیں۔"
 وہ جنت نائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر جرح کی:-
 "اچھا کلیجہ کی راکھ تو اندر ہی رہ جائے گی آنکھوں میں لگانے کے لئے کیسے لے گی۔"
 "اب سائے ہی راز میں آپ کو میرا رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر کیسے بنا دوں۔ چھوڑیے آپ کے احوال و مقامات اثناء اللہ کل مرتب کر دوں گا۔ برسوں لے جائیے گا۔"
 "جزاک اللہ۔ ماشاء اللہ۔ یار تم ہونو رو کے آدمی۔ واللہ اگر خلافت مل گئی تو تمھے لڑووں سے بھر دوں گا۔"
 "ایسی لڑو؟" میں نے پوچھا۔
 "اماں ہٹاؤ۔ تھیں تو یہی فرنگی سودا سوار رہتا ہے۔"
 "آپ کچھ نہیں۔ محاورہ دراصل تمھے موتیوں سے بھرتا ہے۔ لڑووں سے تو طرے سے بڑے سائز کا ٹھنڈا ڈالنے میں بھر جائے گا۔"
 "اجی بھرتا ہوگا۔ تم کل تیار کر دینا پھر دیکھی بھالی جاؤ گی۔"
 ٹھیک بازہ سچ ہے تھے جب وہ رخصت ہوئے۔ سوتے سوتے ایک سچ گیا۔ نتیجہ یہ کہ نماز صبح الگ تضا ہوئی اور ناشتہ کا انڈا الگ پچیاں کھا گئیں جو بیوی نے حسب معمول سویرے ہی بنا کے رکھ دیا تھا۔
 احوال و مقامات کا چارٹ تو مجھے تیار کرنا ہی تھا۔ کر دیا نقش اس لئے نہیں کرتا کہ یہ پر ایا راز ہے۔ میں اتنا اشارہ بطور تبرک کے جاتا ہوں کہ اس میں صنعت تضاد کو خصوصیت سے جگہ دی تھی۔ مثلاً پہلے لکھا:-

”ازبکہ آجکل استغراق ہی استغراق ہے۔ ہر وقت طلب ناواں حضوری کے مزے لوٹتا ہے۔ نس نس سے نور کا چشمہ پھوٹتا ہے اور باری تعالیٰ جل شانہ سے گنگوڑی مٹی ہے۔“
بعد میں لکھا۔

”حال این کہ آج کل بے کیفی اور آکٹا ہٹ سے دل پریشان ہے۔ دماغ میں حقائق ہے۔ عبادت میں جی نہیں لگتا۔ قلب کمزور ہوا۔ دنیاوی پر میلان کرتا ہے۔ اسرار غیبی نظر سے اوجھل ہیں۔ دل کی آنکھیں پوجھل ہیں۔“
یا مثلاً شروع میں بتایا۔

”اب تو کشف قبور کا عالم یہ ہے کہ مزارات شریف تک بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ ادھر کسی مزار شریف کا خیال باندھا اور ادھر صاحب مزار رحمتہ اللہ علیہ سامنے آئے۔ باتیں ہوئیں دل کی کلیاں کھلیں۔ بارہان کی معیت میں یہ عاجز ناسوت اور بربخ وغیرہ کی بھی سیر کر آتا ہے خاص کر حضرت ابراہیمؑ کی تسلی نشفی کے لئے کسی نہ کسی مرحوم بزرگ کے ساتھ لاہوت و ناسوت کا سفر کرنا ہوتا ہے۔ قیام سے حد کرنا پڑتا ہے۔“
آخر میں بتایا۔

”جانے کیوں کافی دنوں سے اولیاء اللہ کے تصرفات باطنی بالکل بند ہیں۔ ہر طرف ستانا ہے۔ بیکسی اور خلوت کا احساس بادل بن کر قلب و روح پر طاری ہے۔ نہ کسی طرف سے کوئی آواز آتی ہے۔ نہ کلام و پیام کے لطف ہیں بس ہر طرف بیکر اس ستانا، اتھا ادا سی اور موت ہی موت۔ دل گویا کہ مقام فنا اور مقام زہریر کے درمیانی فاصلوں میں گم ہے۔ اکرم مہتمم بیکس ہے۔“
تو جناب بے حد محنت کے کئی احوال و مقامات کا جغرافیہ مرتب کر ہی دیا اور صوفی مکین نے اسے خدمتِ شیخ میں بھی پیش کر دیا۔ لیکن شیخ معلوم ہوتا ہے صحیح شیخ کے شیخ تھے جس میں ہر کہ فرمائے لگے۔

”یہ آپ کیا خرافات اٹھا کے لے آئے ہیں؟“
صوفی جی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ انھیں تو قہر نہیں تھی کہ چنانک ایسا سوال کر لیا جائے گا۔ گھٹیا کے ہنسل بولے۔
”حضرت جی! غلام گھر جانا چاہتا تھا۔۔۔“

”تو آپ کو روکا کس نے ہے؟“

”جی۔۔۔ جی وہ خلافت۔۔۔۔۔؟“

”استغفر اللہ۔ آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اس خیال

سے باز آجائے۔ جانتے ہیں کچھ اور سنا نہیں جانتا۔“

ایسا گھر اجوا اب ٹکر صوفی جی کے فرشتے کوچ کر گئے۔

دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور قریب تھا غش کر جاتیں۔

میں نے سینے سے اپٹا کے پیشانی چومی اور دلا سادیا۔

”ہمت کیجئے صوفی صاحب۔ مرد باید کہ ہراساں نہ شود۔“

انھوں نے کانپتے ہوئے لبوں جوا بدیا۔

”ہاتے اب ہم کس منہ سے گھر جاتیں۔ تم نہیں جانتے

ہم نے سب دوستوں عزیزوں کو اطلاع دیدی تھی کہ ہمیں خلا

ف مل رہی ہے۔ خدا جانے سچ کو کیا ہو گیا۔“

”خبر کسی دشمن نے پکایا ہو گا۔“

”جی ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

یہ کہتے کہتے وہ باقاعدہ رونے لگے۔ اطلاع فاجح بھی ساتھ

دینا پڑا اور کچھ دیر کو تو ہم دونوں کا گریہ متاب حشر اٹھا گیا۔ اتنے

میں اندر کی گندھی کھٹکی۔ میں ہونٹ بچھنے کے اندر پہنچا تو معلوم ہوا

بیکس صاحب کی دو چار سہیلیاں آئی ہوئی ہیں اور گریہ و بکا کی آوازوں

نے انھیں سرا سیر کر دیا ہے۔ گندھی بیکس نے کھٹکائی تھی۔ چھوٹے

ہی بولیں۔

”خدا ہو گئی آپ سے بھی۔ یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔“

”خدا سے ڈر۔ بیکس۔ بچا رہے صوفی صاحب پر پڑا بھاری

صدمہ پڑا ہے۔“

”اور آپ پر؟“ وہ جھلا ہیں۔ جھلا ہٹ کے جلو میں وہ

تبسم بھی جھلک رہا تھا جسے وہ بکھنل دبانے ہوئے تھیں۔

”میں تو اصغار و رو با تھا۔ دراصل خود میرے لئے بھی رو

ہی کا مقام ہے۔ وہ چارٹ میں نے ہی تیار کیا تھا جسے صوفی جی

کے شیخ نے رد کر دیا ہے۔“

”گم دیا ہو گا۔ ذرا یہ تو دیکھ لیا کیجئے گھر میں جہاں آئے

ہوئے ہیں۔“

”ان سے کہو وہ بھی روئیں۔ شریف جہاں میرزاں کے

رخی دراحت میں شریک ہو اکتے ہیں۔

”خدا کے لئے سنجیدہ ہو جائیے۔ زہرہ کو صورت حال معلوم ہو گئی تو ساری دنیا میں افسانہ بنا دے گی۔“

”اے وائیں کوئی افسانے سے ڈرنا ہوں۔ وہی زہرہ ہے قاری مینار علی کی سالی؟“

”جی ہاں وہی۔ پوچھ رہی تھی یہ دروازے میں کیا ہو رہا ہے؟“

”کہہ دینا وہی ہو رہا ہے جو عقرب تھا اے دوٹھا بھائی کے ساتھ ہونے والا ہے۔“

”بس خدا کے لئے رحم کیجئے۔ اپنے صوفی نمکین کو لیکے اس وقت کہیں چلے جائیے۔“

”بہت گیا۔ ذرا چائے بنا دو، اگلا پروگرام چاکے بعد ہے“

”ہائے اللہ۔ چائے ہوٹل میں پی لیجئے گا۔“

”کمال کرتی ہو۔ ہوٹلوں میں کون ہیں کھل کے بیٹے بگاڑے؟“

ان کے ضبط کا قلعہ دھڑام سے گر پڑا۔ تہہ پانی میں تھکی سے اُٹھا کہ لعاب دہن کی چھینٹیں میرے ٹھہرے آئیں اور وہ ہنستی ہنسی بھاگی چلی گئیں۔ برعزتیں واقعی عقول و شعور سے خارج ہوتی ہیں۔

بھلا شوہر کے رنج و غم پر ہنسنا بے عقلی نہیں تو کیا ہے۔

تصدقہ کو تاہ صوفی نمکین بے پناہ رنج و حسرت لئے لنگھنے روڑے اپنے وطن چلے گئے۔ فریڈ یا س میں انھوں نے ریل کا ٹکٹ نہیں خریدیا تھا۔

”ٹی ٹی نے گھیر لیا تو کیا ہوگا؟“۔ میں نے پوچھا تھا۔

”ٹھنڈی آہ بھر کے لوٹے تھے۔“

”اے اب ٹی ٹی گھیرے یا تھا نیدار کپڑے۔ زندگی میں کیا لطف رہا ہے۔“ پھر بے حد غناک لہجے میں شکایت کی تھی۔

”تم نے ملا ہیں سرور محبت کی بھی ترکیب نہیں بتائی۔ خالی ہاتھ گھر جا رہے ہیں۔“

”میں بے حد شرمندہ ہوں“ میں نے ملٹھے سے عرق ندامت پوچھتے ہوئے کہا تھا ”آپ یقین کیجئے پیررحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر اگر بنا دیتا تو نہ آپ کو فائدہ ہوتا نہ مجھے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ اجازت کے بغیر تاؤ گے تو جسم کر دیتے جاؤ گے اور سرور لگانے والا اندھا ہوگا۔“

”تو پھر ساری خاطر اجازت لے لو۔“

”ضرور لوں گا۔ آپ کو معلوم نہیں تین مرتبہ اجازت ہی لینے مزار شریف پہ جا چکا ہوں، مگر ایک بار تو معلوم ہوا

کہ حضرت امریکہ شریف لینگے ہیں۔“

”امریکہ؟“ وہ چونکے۔

”جی ہاں۔ دراصل چاند مارڈراکٹوں کی دوڑ میں روس کا

آگے نکل جانا اہل اللہ کے یہاں سخت ناپسندیدہ ننگا ہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ امریکہ جو مقابلے کے راکٹ اور اسپٹنگ

بنارہا ہے انھوں کے ہائے میں کچھ مفید ہدایات دیتے حضرت وہاں گئے ہوئے تھے۔“

”پھر تو یقین کر لینا چاہتے کہ امریکہ جلد ہی ہی گئے نکل جائے گا۔“

”ضرور نکل جائے گا۔ وہ تو اب تک نکل بھی گیا ہوتا

مگر صوفی منافق احمق سے پتہ چلا ہے کہ امریکہ کی دلالت جن بزرگ کے سپرد تھی انھیں کچھ دنوں سے گٹھیا کی شکایت ہو گئی ہے۔

مزار شریف سے اٹھ کر جا ہی نہیں پائے ہیں۔ مجبوراً میرے پیررحمۃ اللہ علیہ کو ان کی نیابت کرنی پڑی۔ خیر و بدسری

بارہ خبر ملی کہ حضرت مہر شریف لے گئے ہیں۔“

”غالباً اسرائیل کی خبر لینے گئے ہوں گے۔“

”جی ہاں اصل مقصد تو یہی تھا، مگر اس کا حصول آسان

نہیں ہے۔ وہاں فرعون کا شاندار مجسمہ بنا یا گیا ہے اس کی نقاب کشائی حضرت ہی کو کرنی تھی۔“

”کیوں مذاق کرتے ہو۔ فرعون کا مجسمہ؟ وہ چونگ

ہو کے مجھے گھورنے لگے۔

”اے تم نے اخباروں میں نہیں دیکھا آخر فرعون

اہل مصر کا ملکی لیڈر تھا جبکہ موسیٰ غیر ملکی تھے۔ مجاہد اعظم

فلاح سوئز، حضرت کرنل ناصر صدر جمہوریہ مصر نے اسرائیل

کو شکست دینے کے لئے جس دطن پرستی کا محور چھو نکا ہے اسکے

تحت فرعون کا مجسمہ بنا عین حکمت و سیاست کے مطابق

ہے۔ اس کی نقاب کشائی اگر حضرت پیررحمۃ اللہ علیہ کے

متبرک ہاتھوں سے ہو گئی ہے تو سمجھ لینا چاہتے کہ بہت جلد

سارا صرد وطن پرستی کے جذبے سے سرشار ہو کر اسرائیل کو کچا چبا جائے گا۔

اسے میں گاڑی اگنی اور یہ بھلنے کی نوبت نہ آسکی کہ تیسری بار پیر حمزہ اللہ علیہ سے کیوں ملاقات نہ ہو سکی تھی اوداع کا منظر بڑا دردناک تھا۔ انھوں نے باچشم نم کہا۔

”یہاں سے دو دست رخصت!“
میرادل بھرا آیا۔ کچھ وقت وہ منظر آنکھوں میں پھر گیا جب لیلے کے وال صاحب لیلی کو قیس کے پاس سے کھینٹتے ہوئے لے جاتے تھے اور نامراد لیلی نے باصرت دیاں کہا تھا۔
”یہاں سے قیس رخصت!“

وال صاحب دہاڑے تھے۔ ”جہن رخصت کی تھی۔“
بہبودگی دیکھتے تیسری زبان سے بھی بے اختیار یہی جملہ نکل گیا اور صوفی صاحب شپٹاٹے۔ مگر میں نے فوراً تشریح کر دی۔

”اس منحوس ریل کو کہہ رہا ہوں۔ یہ نہ ہوتی تو اس وقت جبرائی کی قیامت کیوں پیش آتی۔“

”اللہ کے سپرد۔ اجازت ضرور لے کے رکھنے گا۔“

گاڑی نے حرکت کی۔ اس وقت سچ میرا جی چاہا کہ اپنے جگر دی دوست سے ”مائی ڈیر فرینڈ“ کہہ کر لیٹ جاؤں اور عرض کروں کہ ڈار لنگ ٹیکس! تم بھرتا نا۔ ضرور آنا۔ آپ گھبیں گے قصہ ختم ہوا۔ میں بھی یہی سمجھا تھا۔ مگر مشیت ایزدی میں کسے جا رہ ہے۔ مٹی مین علیھا فان۔

کچھ دنوں بعد صوفی صاحب کے شیخ رحلت فرما گئے۔ یہ رحلت ملک بھر کے لئے ہنگامہ خیز تھی۔ مرحوم نہ صرف دینی رہنما تھے بلکہ مسلم سیاسی رہنما بھی تھے۔ ۱۰۰ دنوں آزادی وطن کی جنگ میں بہادر سپاہی کی حیثیت سے شریک رہے تھے۔ دینی اور سیاسی دونوں حلقوں میں صفا نام چھ گئی اور جنازے کی شرکت کے لئے صوفی ٹیکس بھی تشریف لائے۔ اپنی آمد کی اطلاع انھوں نے مجھے تازے سے دی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس طرح لپٹے کہ آس پاس والوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بڑی تفصیل سے رو رہے تھے۔ زبان پر ہاتے شیخ کا دردناک بین تھا۔

تالنگے میں بیٹھ کر سیلاب اشک ذرا اٹھا تو فرماتے لگے۔
”ہائے ملا۔ کل ہی تو خواہ میں دیکھا تھا کہ شیخ نے ہمیں

بلا یا ہے اور خلعتِ خلافت عطا کرنے ہوتے فرمایا ہے میں کہ لو ٹیکس نہیں بہت پکاکے دی ہے۔ ہم تو ان کے خط کے منظر تھے کہ اب بلائیں گے اور دست شفقت رکھیں گے۔“

”خواہ میں سختی ہوئی خلافت بھی تو معتبر ہی ہوتی ہوگی میں نے کہا“ آخر روایا سے صاف تو جزو نبوت ہیں۔“

”وہ تو ہیں“ وہ دلریشی سے بولے ”خود میں یقین ہے کہ یہ خواہ نہیں حقیقت تھی۔ مگر ظاہر پرستیوں کو کون سمجھائے۔“
”میں سمجھاؤں گا۔“ میں نے زوردار لہجے میں اطمینان دلایا۔ وہ گردن ہلانے لگے۔

”نہیں دو دست یوں کام نہ چلے گا۔ میں نے سوچ لیا ہے۔“
اور ان کی آنکھوں میں پُرا سرا مسرت چمک اٹھی تھی

تیسرے دن ٹھنڈے میں آیا کہ صوفی صاحب نہایت زور سے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں اور جلد ہی ہی اس دوڑ بھوپ کا حاصل بھی سامنے آ گیا۔ مرحوم شیخ کے خلفا کرنے لگے کیا تھا کہ شیخ کے

صاحبزادے کو شیخ کی جگہ بٹھا کر شیخ ہی کی طرف سے نیا بتا خلافت عطا فرمادیں۔ یہ صاحب زادے واقعی سعید و سعادت تھے اور

بظاہر والد کے نقش قدم پر چلے گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ والد نے انھیں خلافت عطا نہ کی ہو، مگر خلفا نے جب غور و فکر کے بعد ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تو شیخ کے علقہ ارادت

نے اسے بشوق قبول کر لیا۔ اب تو صوفی ٹیکس بے حد خوش خوش میرے پاس آئے اور گلے سے لپٹ کر پہلے تو چھوڑ ہی ڈالا پھر

ہلک کے کہنے لگے۔

”مار لیا کام۔ بخدا سٹھائی کھلا میں گے۔“
”دل تھا کہے“ میں نے ٹوکا ”خلافت آپ کو تو نہیں ملی؟“

”اے اب دیکھو یوں بنتی ہے“ انھوں نے چٹائی سجائی۔
”صاحب زادے تو اپنے دیر پر مشفق ہیں۔“

شام کو دیکھا کہ وہ گرنے کے واس میں کھجواں بنا لے جاتے اور گڑ کے سیوں لٹے چلے آ رہے ہیں۔

”یہ خوب کھاؤ“ انھوں نے پانچ تاشے اور تقریباً تولیہ

میرے موضوع سے خارج ہے۔ دس بارہ دن رہنا پڑا سینڈلوں کی آزمائشیں سرگھنیں نے مجھ پر بھی کی تھی مگر مجھ ناچیز کے بزرگوں نے تو دیونگ بند کر دیتے تھے یہ تہیسی تم کا آسیب بھلا کے قدم چلتا۔ ادھر اس نے سینڈل چلا یا اور ادھر بندے نے چبکا دیکر دونوں سینڈل قبضے اور انھیں اپنے کس میں فعل کر دیا۔ اب وہ ننگے پیروں نلی گانے گاتی تھی اور یہ ناچیز اس سے ڈگتی آواز میں قوالی پڑھتا تھا۔ گھر کیا اچھا خاصا کلام نہ یعنی ثقافت گھر بن گیا۔ وہ قوالی کے جو اب میں منجھ چڑاتی میں انگوٹھا دکھانے بندر کی پولی بولتا۔

مگر جیسا کہ عرض کیا یہ فی الحال میرے موضوع سے خارج ہے۔ بارہویں دن لوٹا ہوں تو تمام کو صوفی صاحب تشریف لائے۔

"اے کہاں چلے گئے تھے؟"

"جن اُٹانے۔ بوتل میں بند کر کے لایا ہوں۔"

"سچ۔۔۔۔۔ نہیں بارہویں بھی دکھاؤ۔"

"ٹکٹ لگے گا۔ ارے ہاں جب آپ گئے تھے ٹی تو نہیں لٹا تھا؟" مجھے پھلی بات یاد آئی۔

"نل گیا تھا مردود۔" انھوں نے میرا منہ بزلکے جو ابدیا۔

"ایک روپیہ مرا۔"

"بس ایک روپیہ؟"

"نہیں تو خزانہ دیدیتے؟"

"مگر کرایہ تو شاید دو روپے جو میں پیسے ہے۔"

"جی بھی تو ادھا دیا۔"

"یعنی ایک روپیہ بارہ نئے پیسے۔"

"اماں نہیں۔ نئے پیسوں کے متعلق تو ہم نے صاف

کہا یا تھا کہ یہ بدعت ہے اس کا حساب ہم نہیں جانتے۔ بس

روپوں میں آدھا آدھا کر لو۔"

"اور اس سے کریا؟"

"اے ہاں پکا لالچی تھا" نہیں تو اس سے قبل اٹھانے

میں کام چل گیا تھا۔"

"خوب۔ تو کیا ٹکٹ لینا ہمیشہ ہی بھولتے ہیں۔"

"کیا کریں دماغ پر تصور اتے کا انہماک رہتا ہے۔ پھر یہ

سیوں میری طرف بڑھائے۔

"اور یہ باقی؟" میں نے جھولی کی طرف اشارہ کیا۔

"اے بارہویں کو بھی تو کھلانے ہیں۔ مولوی بیچ الزما

کی بہت پرائی تمھاری واجب ہے۔ ان کی شرط تھی کہ کھلاؤ تو

میرے سامنے بچوں کو بھی کھلاؤ۔ تو بچے ہیں۔"

یہ تو ہوا۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر آگے ہونے والا

تھا۔ مجھے اتفاق سے اگلے ہی روز دہلی جانا پڑا۔ وہ جس کی یہ تھی

کہ کچھ روز ہوسے عزیز گلپتس میاں کا خط آیا تھا کہ اہلیہ پر آسیب

آ گیا ہے۔ یہ سسرالی رشتہ سے میرے بھتیجے تھے۔ انھوں نے مزید

لکھا کہ دسیوں علاج کئے مگر نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ وہ ہر حال کو سینڈلوں

سے مارتی ہے اور نلی گانے گاتی ہے۔ فوراً آئیے، میں جواب

دیا تھا۔

برخورداری سلسلہ نلی گانے گاتی ہے تو کیا مضائقہ

ہے۔ یہ تو کچھ ہونے کی علامت ہے اور سینڈل مارنے بھی کچھ

تعجب نہیں۔ آخر سینڈل پہناؤ گے تو اور کیا مانے گی۔ حاملوں کو

سینڈل پسند نہیں تو چیل پہناؤ۔ دلی کے جو تے پہناؤ۔ مگر گائی

پہناؤ۔ میرے آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

انھوں نے ایک پیرس ڈیلیوری سے جواب لکھا تھا۔

"اجی چچا! آپ نہ آئے تو میں خود کشی کر لوں گا۔ اس کا

آسب میرے ایک سابق دوست کو بلاتا ہے اور جب تک وہ

رہتا ہے سسر گلپتس ٹھیک رہتی ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ۔۔۔ کہ۔۔۔

بس نہیں آکر شنے گا۔"

میں نے جواب الجواب لکھا تھا۔

"شننا کیا تھا۔ جو بویا ہے وہی کاٹو گے غم مت کرو۔"

جس کی بوی دو ایک مرد دوست رکھتی ہو اسے ہندب اور

روشن خیال کہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ سسر گلپتس کو اپنے سابق دوست

کے ساتھ سنیما وغیرہ جانے کی مکمل آزادی دیدو اور خود ان کے

لئے کھانا وغیرہ تیار کر کے رکھا کرو تب انشاء اللہ آسیب چھوڑ

ہو جائے گا۔"

اس پر الجواب علی الجواب الجواب بڑا دردناک آیا تھا

جس پر مجھے جانا ہی پڑا تھا۔ دلی میں کیا گذری، یہ فی الوقت

نئے پیسوں کا حساب ایسا دہیات ہے کہ کھڑکی پر جانتے ہوئے
ہیں دشت ہوتی ہے؟

”کبھی پورا چارج نہیں دیا؟“

”کیوں دیں۔ جب وہ بغیر رسید کے پیسے لیتے ہیں تو ہم بھی
کیوں پوسے دیں۔ بس ایک دفعہ ایک فرنگی کلکٹر نے شیٹت
پھیلائی تھی۔ دس روپے سے بھی زیادہ چھین لے گئے۔“
”چھین لے گئے؟“ میں چونکا۔

”اسے ہاں چھیننا ہی سمجھو۔ تمہنے لگا ٹکٹ دکھائیے۔ ہم نے

حسب عادت قرأت کی۔ نَصَفْتِی وَنَصَفْتُ لَكَ هَذَا قَوْمٌ

جھاہلوں۔ وہ ابلیس کی طرح تمہے بنا کے بولا۔ ہم ٹکٹ پوچھتیا

آپ عربی بولتا۔ ہم نے کہا ٹکٹ لینا بھول گئے آدھا پیر لیلو

پھر ہم نے سبج پر جلدی جلدی صل تو جلال تو آئی ملا کو مال تو بڑھا

مگر وہ تو بیکار فرنگی تھا رکٹ سے کافی اور بیسٹ نکال کے کچھ لکھا

اور کاغذ ہمیں بکڑ اتے ہوتے بکنے لگا کہ دس روپے بارہ آنے

لائیے۔ ہم نے کہا دادہ اتنا تو کل ٹکٹ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کہنے

لگا ساری بیس رسید پر لکھی ہے۔ فلاں اسٹیشن سے فلاں

اسٹیشن تک کا چارج دلو لیتے۔ ہم نے کہا صاحب یہ انگریزی

قاعدے تو ہم نہیں جانتے آپ آدھے ٹکٹ کے پیسے لیلیں۔ وہ

اجمٹ سمجھا ہی نہیں ناراض ہو کے بولا آپ مذاق کرنا لگتا۔

ہم آپ کو جواز پوچھ کر کرنا لگتا۔ اب تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ

ضرور گرو بڑ پھیلانے گا۔ پانچ کا نوٹ نکال کے اسے دیا اور

کہا کہ لے جاؤ۔ وہ بولا پانچ بیسے بارہ آنے اور لاؤ۔ ہم نے

کہا بیسے بھی جاؤ رسید ہمیں نہیں چاہیے۔ اس پر اس نے نوٹ

ہماری گود میں پھینک دیا اور پاس کے لوگوں سے کہنے لگا کہ۔

دیکھ رہے ہیں آپ نے یہاں آدمی اتنا اچھا دارٹھی لگاتا اتنا اچھا

کھڑا ہوتا سبج بڑھتا عربی بولتا مگر بے ٹکٹ سفر کرتا اور ہمیں

دشمت دیتا۔ ہمیں اس بکو اس پر بڑا غصہ آیا۔ وہ نصرانی

ہو کر ہماری دارٹھی وغیرہ کا مذاق اڑا رہا تھا مگر کہہ سکتے

تھے۔ اگلا اسٹیشن آیا اور گاڑی رکنے کو ہوتی تو اسے ہم سے

بھی ہم سے کہا کہ دیدو بھائی دیدو یہ ولا تھی ٹی ٹی ہیں ویسے نہیں
مانیں گے اور مجبوراً اس کا ٹکٹ جھلسنا پڑا۔ مگر کیا یاد کرے گا

بچہ۔ ہم نے بھی اسی چھینے میں اتنے سفر کئے کہ دس کے بس بچا۔“

صوفی جی کا موڈ اس وقت بڑا شاندار تھا معلوم ہوتا تھا

ان کا قلب صافی پھوٹ پھوٹ کے سنس رہا ہے۔ کچھ دیر

ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں پھر چلے گئے۔ مگر رگے دن بعد نظر آئے

تو اور بھی زیادہ خوش تھے۔ خوش کیا جھوم ہے تھے۔ کچھ ٹکٹ

بھی لے گئے اور شیم بدردور ٹھیک یہ گانا ان کی زبان پر تھا۔

اُڑتی پھردن گاتی پھردن سرت پون میں

آج میں آزاد ہوں دنیا کے چین میں

طرز دہی تھا جو ریکارڈ میں سنا جاتا ہے۔ فرط خوشی میں تڑکیرو

تاریت بھی بھول گئے تھے۔ سامنا ہوتے ہی لڑتے آئے اور ہولی

ہوئی سانسوں سے بولے۔ بولے کیا یوں کہتے نعرہ مارا۔

”لو بھئی اب تو ہو گیا۔۔۔“

”ہو گیا۔۔۔ کیا ہو گیا“ میں چونکا۔

”اسے آپ کو نہیں معلوم؟“

انہوں نے ایسے تعجب خیز انداز میں کہا گویا کچھ ہوا ہے

اس کا اعلان دنیا بھر کے ریڈیو اسٹیشنوں سے ہو چکا ہے اور آج

کے سائے اخباروں کی شاہ سرخیاں اسی کے متعلق ہیں۔ وہ اگر

کہتے کہ ”مل گئی۔۔۔ تو میں سمجھ لیتا کہ ”خلافت مل گئی“ مگر ”ہو گیا“

کا نعرہ ناقابل فہم تھا۔ ان کی زوجہ اگر یہاں ہوتیں تو خیال کر لیتا کہ

بچہ وغیرہ ہوا ہے مگر حالات موجودہ کس طرح سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہو گیا

”منکشف تو کیجئے کیا ہو گیا؟“

”اسے جی اعلان اور کیا۔“

”اعلان۔ یعنی کیا روس کا اسپٹنگ چاند میں آگیا؟“

”استغفر اللہ۔۔۔“

”تو کیا امریکہ نے روس پر حملہ کر دیا؟“

”معاذ اللہ۔“

”اسے تو بتائیے نا کہ اسے کا اعلان۔“

”اسے میرا دہی اپنی خلافت کا۔۔۔ صاحبزادے نے

اپنی طرف سے بھی دی اور حضرت شیخ کی طرف سے بھی دی تم کیا

”اچھا ہوا۔۔۔ اور رصدا نسوس۔ ہماری طرف سے عبادت بھی کر دینا۔ بارگاہِ تو جتھے تھے یہ بیماری شہادتی بس جیتے جی کا جھگڑا ہے۔ تم مرنے کے بعد بھی بتاتے ہو“

”کیا کیا حالت ہے۔ یہ انجم کے تجربے نساہت پھیل رہے ہیں، ورنہ اس سے پہلے کبھی کوئی مرحوم بزرگ بیمار نہیں ہوتا تھا“

”سچ سچ۔ ان خبیث فرنگیوں کو ہیضہ بھی تو نہیں کھاتا۔ بڑے بدماش ہیں۔“

”سندھی تو نمبر تین پر ہیں۔ صوفی صاحب۔ اول و دوم تو روس امریکہ ہیں۔“

”اے ابھی خبری ہیں مردود کہیں۔ کے“

آخر کار یہ ایمان افروز گفتگو صوفی علیٰ ہنس کی اچانک تشریف آوری پر ختم ہوئی۔ یہ صاحب بریلی شریف کے ہفت ہزار صوفی تھے۔ بکے اہل سنت و الجماعت۔ دیوبند میں ان کا درود دنیا کے آٹھویں نمبر سے کم نہ تھا، لیکن افتاد یہ پڑی تھی کہ ان کے پیر صاحب ان کی نئی زوجہ کو عمل کے زور سے ہوا بنا کے اُڑا دیا تھا۔ انھوں نے پہلے تو ایک ہفتے انتظار کیا کہ پیر صاحب کا حلال اُترے تو زوجہ پھر آدمی کے خون میں آئیں۔ مگر امید بر نہ آئی اور پیر صاحب نے عیاف کہہ دیا کہ تمہاری زوجہ کو داد سے پیر رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمایا ہے وہ بسبب خوش قسمتی انبی کے خدا مان خاص میں شامل کر لی گئی ہیں اور اب واپسی از بسکہ مشکل ہے۔ صوفی صاحب صبر کر لیتے مگر انھیں معلوم تھا کہ پیری مریدی کا سلسلہ تو ان کے پیر کے والد صاحب

ہی سے شروع ہوا ہے یہ دانی پیر کہاں سے آئے؟ یہ سوال رفتہ رفتہ بطنی کی شکل اختیار کر گیا اور وہ دیکھ صوفیہ کی خدمت میں تعویذ وغیرہ کے لئے حاضر ہوئے۔ تعویذ کا بھاؤ ان دنوں بڑا تھا۔ بڑا رو بہ خراج ہوا مگر مراد پھر بھی بر نہ آئی۔ اپنے بعض پیر بھائیوں سے مشورہ کیا تو جواب ملا کہ تم وہاں ہی ہو گئے ہو بلکہ ان کا تخم دل سے نکالو اور حضرت جی کی خدمت کرو۔

”مگر میری خدمت کون کرے گا“ وہ رو ہا سو ہو کر لے لے ”بڑھاپے میں جو ان زوجہ اسی لئے تو ڈھونڈ ہی تھی کہ خدمت کرے گی۔ سال بھر بھی استفادے کی نوبت نہیں آتی۔“

”سو رہے تھے؟“

میرے جان میں جان آئی۔

”مبارک ہو زندہ باد۔ اب تو کھلائیے مٹھائی۔ ڈبل ہاتھ مارا ہے۔“

”ضرور کھلائیں گے مگر دوسرے وہ سمرہ محبت؟ انکا انداز شہر سلا اور کٹیلا دونوں تھا۔“

”ہاں وہ میرے ذہن میں ہے۔ مگر۔۔۔ وہ آپ کی زوجہ تو آپ سے اشارہ اللہ کافی محبت کرتی ہیں“

”کرنے دو۔ زوجوں کی محبت سے کیا ہوتا ہے“

”پھر کس کی محبت سے ہوتا ہے۔“

انھوں نے اٹھلا کے میری پیٹھ پر ہلکا سا چپٹ لگا دیا اور شرمیلیں لہجے میں بولے۔

”اب بھولے نہ ہو۔ مٹھوں ہم زبان سے نہیں کہیں گے۔“

”خیر خیر۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ اب کی نو چندی جمعرات کو پیر رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لینے جائیں گے۔ آپ اپنا کلیجہ تیار رکھتے جلانے کے لئے۔“

انھوں نے تشویشناک نظروں سے مجھ دیکھا۔

”اپنا کلیجہ۔۔۔ اے کسی اور کا کلیجہ نہیں چلے گا؟“

”چل جائے گا۔ مگر محبوب آپ کے قدموں میں نہیں اس کے قدموں میں گرا کر رہے گا۔“

”بڑی مشکل ہے“ وہ چکر لگے۔ ”محبوب کہیں اور جاگرا تو ہمیں کیلے گا۔“

”یہ آپ سوچتے۔“

”چلو دیکھا جائے گا۔ مگر کلیجہ جلنے سے کچھ خطرہ تو نہیں ہوگا؟“

”جو بھی سکتا ہے شاید آٹھ دن پلنگ پہ پڑنا پڑے۔“

”باس۔“ انھوں نے خوش ہونے کہا۔

”اور نہیں تو کیا پھانسی ٹھوڑی لگ جائے گی۔“

”پھر تو خدا کے لئے نو چندی جمعرات خالی نہ جانے دینا خدا کرے تمہارے پیر کہیں گئے ہوئے نہ ہوں۔“

”جائیں گے کیسے۔ گھنٹوں پہ فالج گرا ہے۔ کرو بھی فرشتے دلو اتے ہیں۔“

”ہاں ہاں۔ میری بھی زوجہ پیران کلیر کے میلے میں ایک شاہ صاحب کے چڑیا بنانے کے اُڑادی تھی۔ لاکھ جن کئے نہیں ملی۔ ایک وہابی نے بتایا کہ دیوبند جاؤ مٹا کی علاج کرے گا۔ میں جیتا بھاگا چلا گیا تھا اور سچی بات ہے ملا وہابی ہوا کچھ ہو میری زوجہ تو واپس بلا دی تھی۔“

”تو وہ کیا لیتا ہے؟“

”کچھ نہیں۔ بلکہ گھر سے دیتا ہے۔ چائے پلاٹا ہے۔ تصوف کی اونچی اونچی باتیں بتاتا ہے جو پہلے کبھی نہیں سنیں۔“

”تو نہیں ٹھیک ٹھیک اس کا پتہ بتاؤ مرد وہابی ہی سے کام نہ لائیں گے۔“

”بس دیوبند کے مشن پر کسی بھی ننگے رکشا والے سے دفتر تجلی کا پتہ پوچھ لیجئے فوراً پہنچا دے گا۔ وہیں سے مل کا سرانج مل جائے گا۔“

”لاحول ولا قوۃ۔ کیا وہی تھی وہ بڑا جو ہمارے پیارے نبی کو بشر کہتا ہے اور ان کے علم غیب سے انکار کرتا ہے؟“

”جی ہاں وہی۔ مگر بار اس کا ایڈیٹر بہت بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔ جب ہم نے کہا کہ ہم بمبئی سے تشریف لائے ہیں۔“

”بمبئی سے؟“

”لئے ہاں۔ اور کیا بہتی کہہ دیتے۔ تو جناب فوراً اچھاٹے میں آگیا اور گھر لچکے کھانا کھلایا چائے پلائی۔ قیلوے کے لئے بستر لگوا یا۔۔۔“

”یہی تو ان وہابیوں بربخوں کی چال باز میں ہیں۔ لیجئے نہیں گے جیسے آسمان سے فرشتہ بن کر اترے ہیں۔ مگر انڈیہ خجانت کہ پیارے نبی بشر تھے۔۔۔۔۔“

”وہ تو ہے ہی۔۔۔۔۔ پھر ہم نے کہا کہ ہماری زوجہ کو ایک شاہ صاحب کے چڑیا بنانے کے اُڑا دیئے۔ خبر ملی ہے کہ آپ کے یہاں کوئی عربی ملا صاحب ہیں جو ہر طرح کا علاج کر دیتے ہیں۔“

”جی ہاں ہیں تو۔۔۔ وہ سکر آتے تھے۔“ آپ آگیا تھی کیا تلاش میں آئے ہیں تو بلواتے دیتا ہوں۔“

”پھر ملا صاحب کو بلوایا گیا تھا۔۔۔ میان عجیب چیز ہے بالکل بھوندہ معلوم ہوتا ہے۔ خیر وہ آئے تو ہم نے ماجرا عرض کیا

صوفی مرجان نے دینی زبان سے کہا۔۔۔

”بھائی صاحب اپنے ساتھ بھی ہی نہیں آتا تھا۔ ہماری زوجہ کو تو حضرت جی نے کو اُڑا دیا، آج تک میں کا میں کرتی پھرتی ہے۔ مگر کیا مجال جو ہمارے دل میں ذرہ برابر بھی میٹھل آیا ہو۔“

صوفی لعل میں ٹھنڈی آہ بھر کے چپ تو ہوئے مگر دل کو تڑکی طرح پھرتا رہا۔ پلنگ پر لیٹتے تو سینے سے غمخوں کی آواز آتی۔ سونا چلتے تو زوجہ کی تصویر سامنے آکھڑی ہوتی تو جہنمانے کے لئے حساب لگانے لگتے کہ تعویذ گنڈوں پر اب تک کتنا خرچ ہوا ہے۔ آخر وہ شاہ ملنگ کی درگاہ کے محلے صاحب کے تو کیا دن روئے سو امین آئے لیکر خلیتے تھے کہ انھیں روضہ زینون میں جلا کر ایک لاکھ ایک ہزار ایک سو ایک تہ پابیر سنگیر غلٹی کا درد کرنا اور ایمیں ٹانگ پر کھڑے ہو کر ست مرتبہ مرغ کی بولی بولنا۔ ہوا کی گرہ کھل جائے گی اور زوجہ پردہ غیب سے نمودار ہوگی۔ یہ سب وہ کہہ چکے تھے مگر زوجہ کی پرچھائیں تک نہیں ملی تھی۔ اسی عالم یاس و نامرادی میں کسی نے انھیں بتایا کہ آپ کے درد کا علاج صرف ایک شخص کے پاس ہے۔ صرف ایک شخص کے پاس مگر۔۔۔۔۔

”ہاں ہاں مگر کیا۔۔۔ کہہ نا۔۔۔ وہ بیباکی سے بولے تھے۔

”مگر کفرستان جانا ہوگا۔“

”ہم ترکستان بھی جاتیں گے آپ بتائیے تو۔“

”ملاہن العرب تھی۔۔۔۔۔“

”یہ کیا چیز ہوئی ہے؟“ انھوں نے پوچھا تھا۔

”امام الصوفیاء۔ زبدۃ المشائخ، بیسویں صدی کا

سب سے بڑا وہابی۔۔۔۔۔“

”تو کہاں ملے گا۔۔۔۔۔؟“

”دیوبند میں۔۔۔۔۔“

”استغفر اللہ۔۔۔۔۔ بیچ بتائیے۔“

”بالکل بیچ بتا رہا ہوں۔ میں خود اس کفرستان میں ہو

آیا ہوں۔“

”اے۔۔۔۔۔ نہیں۔“

مدرسہ سراج العلوم (جھنڈا انگریزی) واقع ریاست نیپال

استقامت و ترقی اس کام کو وسعت اور اس کے کارکنوں کو غلطوں و
استقامت اور عام مسلمانوں کو خدمت و اعانت کی توفیق عطا فرمائے
(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

(۳۷) یہ مدرسہ جھنڈے کا ہے۔ مولانا عبدالرؤف صاحب
رعانی جو اس مدرسہ کے روح و دعوائ ہیں۔ بڑے فاضل اور شوقی و
محنت سے اس کو چلا رہے ہیں اور اس طرح ایک دور دراز علاقہ میں
اسلام کی نمایاں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ کی خدمت
کو نایاب شہدہ دین کی خدمت ہے اور اللہ کے یہاں اس کا یقیناً اجر
مٹے گا۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی) ناظم دین اسلام پورہ سٹی
(۳۸) مدرسہ سراج العلوم جھنڈے کا ہے۔ انگریزی کے رنگ میں مفید دینی
خدمت انجام دے رہا ہے۔ مجھے فخر و مسرت ہے کہ میری وساطت
سے اس مدرسہ کی بارگاہ پوری ہوئی۔ اہل صدق و صفائے جو صاحب
اس کا خیال کریں گے وہ اجر جزئی کے مستحق ہوں گے۔

(غلام اسلام) امجد الماجد و بادی مدرسہ صدیقی

(۳۹) حضرت مولانا عبدالشہید صاحب شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں کہ
یہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈے کے نگر سے بھی طرح واقف ہوں۔ اس
مدرسہ کی تنظیم اور تعمیری ضروریات کے کیلئے معقول سرمایہ کی ضرورت
ہے۔ اہل خیر حضرات سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مدرسہ کی
امداد پوری فرمائیں۔

شیخ الحدیث (عبداللہ مبارک پور)

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

(بھلائیوں کی طرف سبقت کرو)

(۱) عادی اسلامی کی اہمیت و ضرورت تو ہر زمانے ہی میں مسلم رہی ہے
لیکن آج کے دور پر فتنہ برپا ہو گیا ہے۔ مختلف مذاہب و فرقوں نے
زندہ اور الحاد دے دینی کے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے تو صرف اسی طرح
کہ ہماری دینی تعلیم کا نظام مضبوط ہے۔ مضبوط تر ہو اور ہماری توجیہ و تفسیروں
کی نگاہوں سے دین کا اپنی ترقی اور اعلیٰ نہ ہونے پائے۔ یہ تمہیدی مسطورہ ہے
جھنڈا انگریزی ریاست نیپال کے ایک مدرسہ کے ذکر میں لگی ہیں۔ اس کا نام ہے
سراج العلوم۔ براہ راست تو اس کے احوال کو کوائف سے مجھے واقفیت نہیں
لیکن ہاں مسطورہ جو یہ معلوم ہے وہ ایسا مفید ہے کہ اس کے پیش نظر اہل خیر
اور ارباب استطاعت سے اس مدرسہ کی امداد و اعانت کا التماس کیا جائے
یہ تازک وقت ایسا نہیں ہے کہ ہم دینی اداروں کے سلسلہ میں خود کو دگر
نراؤ نظر رہے۔ ہمیں اور وسیع تمدنی و ملی انداز فکر اختیار کرنے کی بجائے اپنے
ذہنی خصوصیات کی ترقی آنکھوں پر باندھے رکھیں۔ جھنڈا انگریزی اور پورہ سٹی
سے جو حیثیت رکھتا ہے اس کے لحاظ سے وہاں کسی دینی ورگاہ کا قیام اور
فروعہ استقامت سے مدد ضروری ہے۔ جیسے معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ سراج العلوم
کے کارکن نہایت فاضل و درمندا و مرتین لوگ ہیں۔ اسکے میری تمام ادب
نیچے سے نڈر و ذلیل ہے کہ وہ مستقل اس کی مالی امداد فرمائیں اور مدد
خارجہ کے پیش پر اجر و ثواب میں شریک ہوں۔ واللہ التوفیق۔

(عامر عثمانی) مدیر تجلی دینار

(۲) ایسے علاقوں میں جہاں مسلمان بہت اقلیت میں ہوں اور وہ اسلامی
تہذیب کے مراکز سے دور ہوں دینی تعلیم کا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ جو
حضرات ایسے سرمدی مقامات پر اور ایسے دور دراز علاقوں میں دینی تعلیم و
ترویج اور اسلامی تعلیمات و اخلاق کی اشاعت کی خدمت انجام دیتے
ہیں۔ ان کو مرابطی سبیل اللہ اور ان کے کام کو مرابطی سبیل سے تعبیر
کرتا ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ ان عادیوں و مرابطی اعانت و خدمت بہت
بڑی دینی خدمت اور ثواب کا ذخیرہ ہے۔ جھنڈے کے عربی مدرسہ کو بھی
اس کے جلسے و قراء کے لحاظ سے ایسا ہی مرکز قاعدہ کرتا ہوں۔ اور اسکی
خدمت کو بڑی سعادت اور توفیق کی بات سمجھتا ہوں اللہ اس مدرسہ کو

شَهِدًا شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا

حکومت اگر منہ دہا بھایا جن سگھ کی ہوتی تو وہ صورت حال قابلِ شکرکامیت نہیں تھی جو سیدرا کردی گئی ہے، لیکن روزنایہ سے کہ حکومت اُن دیش بھگتوں کی ہے جو سیکولر ازم اور گاندھی بھگتوں کا وظیفہ پڑھتے پڑھتے نہ پہلے تھکے تھے نہ اب تھکتے ہیں۔ منافقت دنیا میں بدترین چیز تھی گئی ہے، لیکن اس کا بد سے بدتر درجہ وہ ہے جب منافقتیں اس کی بھی پروا کرنی چھوڑ دیں کہ انکی منافقت کا بھانڈا عین چورالپے پر چھوٹ چکا ہے۔

”نفل میں پھری ہوئیوں پر رام رام“ کی کہادت کو گلے لگانے والے سیکولر ازم کے زیر سایہ مسلمانوں کی کیا درگت بنتی جا رہی ہے، اس کی داستان کوئی کہاں تک کہے اور کیسے کہے۔ لیجئے ہائیکورٹ کے سابق جج جناب شیو پرشاد سنہا ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کا ایک مختصر سا مقالہ ملاحظہ فرمائیے جسے معاصر ”میاگ“ نے ”میاست جدید“ سے نقل کیا ہے اور ہم شکر کہ ”میاگ“ نقل کر رہے ہیں یہ مقالہ اگرچہ تصویر کی حقیقی قدر و قامت کو خوردبینی سائز سے زیادہ نہیں دکھاتا، لیکن اپنی اساسی اشاریت کے اعتبار سے ”دریا بہ جناب اندر“ کا مصداق ہے۔ عامر عثمانی

سکھوں پر بھی نزلہ گرتا ہے لیکن تقدیر سے ان کو ایسا نہ ہمال گیا ہے کہ اس سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا۔ لیکن خاص تو وہ مسلمانوں پر مر کوز ہے۔ ایک اچھا خاصا شیخ ہاتھ آ گیا ہے جب کچھ نہیں ملتا تو آسان شیخ بیسے کہ یہ پاکستانی ہے۔ پاکستان کے ساتھ ساز باز کرتا ہے یہ ایک ایسا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے مسلمان بے بس ہو جاتا ہے اور غریب تھیاریٰ الہ دیتا ہے۔

لوک بھائیوں آرا راج سلسلہ کو جو حلقے علی گڑھ پونہ اور ممبئی پرکٹے گئے ہیں وہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ اس حلقے کا سہارا سڈت پر کاش ویر شاستری کے سر ہے۔ یہ مسلمانوں کے ایک نئے دوست پیدا ہوتے ہیں اور حق دوستی میں ان کا نمبر کے ایم فشی ڈاکٹر رگھویر سیٹھ گوندداس، مشروری، پی من وغیرہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوتے کہ انھوں نے لوک بھائیوں پر ایک ایسا سوال کیا تھا کہ جس سے صاف ظاہر تھا کہ مسلمانوں پر

آئے دن اقلیتوں پر سخت حملے کئے جاتے ہیں، آج عیسائیوں اور مسلمانوں کے خلاف ہر چیزوں کو بھی جھٹا نہیں جاتا، ان سے ظاہر میں تو بہرہ بردی کی جاتی ہے، لیکن علی کارروائی خلاف رہتی ہے۔ کبھی ان پر مار پڑتی ہے اور کبھی گاؤں سے نکال دیے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ کیا صرف اس لئے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے افراد کی خدمت اپنا فرض اور عین یا عین سعادت نہیں سمجھتے، جو قسمتی سے خود کو دوسروں سے برتر اور قابلِ تزیخ سمجھتے ہیں اور اس کی جرأت کرتے ہیں کہ جس کو تیس سے اور لوگ پائی بھرتے ہیں وہ بھی بھریں۔ جس میں گڑھی مکان ظہوت کو اور لوگ استعمال کرتے ہیں وہ بھی کریں۔ یعنی وہ اپنے کو برابر کے ہندوستانی سمجھتے ہیں۔

آئے دن عیسائیوں پر یہی بلائیں نازل ہوتی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان میں غیر ملکی اور قدرتی کے جذبات پائے جاتے ہیں شیخری ان کو گمراہ کرتے ہیں۔

ان کی خاص غایت ہے، اب یہ نئی مثال شفقت کی ہے۔
 علی گڑھ میں بہت اور سخت نقائص ہیں ان کی اصلاح
 ہونی چاہئے۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے، کیونکہ الہ آباد، لکھنؤ، بنارس
 جرات یونیورسٹیوں میں یہ خامیاں ہیں، لیکن وہ بھی ہوا کر گیا
 یعنی رانی نکیت میں جو مکان خرید گیا ہے اس میں انٹی نیشنل کمیونیز
 ANTI NATIONAL-ACTIVITIES ہوتی ہیں۔

یہ انٹی نیشنل کیا ہے؟ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کو بتایا جائے کہ
 کس حد تک صحیح دائرے میں رہتا ہے اور کہاں سے دائرہ انٹی نیشنل
 ہو جاتا ہے۔ بیکتلم عثمانیہ یونیورسٹی اردو سے ہندی میں کڑی
 گئی، حیدرآباد کا نام بھی مٹا دیا گیا جو باقی اور ریاستوں کے نام
 اب تک قائم ہیں۔ کانگریس کی کمیٹیوں میں مسلمانوں کو دور سے
 سلام کیا جاتا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کی زبان ہے
 (گو یہ کلیئر غلط ہے) مثل حرفت غلط کے مٹانی جا رہی ہے۔ گوپنڈت
 نہرو نے ہزاروں موقعوں پر اس پالیسی کے خلاف سخت احتجاج
 کیا۔ مقابلے کے امتحانات دیوین بلک سرو سز کمیشن کے نتائج
 کے اعتبار سے کوئی صیغہ فرج بری ہو یا بھری، یا فضائی ان میں
 عموماً مسلمانوں کی تعداد صفر رہتی ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت
 بدست بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں
 اگر مسلمان ان باتوں کے خلاف نعرہ بلند کرتے تو کیا وہ خدا سے
 اگر وہ کہتے ہیں کہ ہر جگہ جہاں فسادات ہوتے ہیں تو اسی پر ظلم کا
 پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہی ظلم گردانا جاتا ہے۔ بھوپال جیسی جگہ میں
 اس کے اوپر بے پناہ مظالم ہوتے، لیکن ڈاکٹر کاٹھو کی منصف
 مزاجی نے ہی فیصلہ کیا کہ پولیس ہر طرح قابل تحسین ہے۔
 ”سمند ناز پر ایک اور ناز یا نہ ہوا“

اگر مسلمان اپنی صدا کے احتجاج اس کے خلاف بلند کرتا
 ہے تو کیا وہ خدا سے؟ پر کاش دیر شاستری ہوں یا بدوین رت
 دے عمر جن سنگھ یو آئی دودھان سچا جن کو ہر جگہ پاکستانی جاسوس نظر
 آتے ہیں۔

میری رائے میں وقت آ گیا ہے کہ ہر مسلمان اپنے حقوق اپنے
 سامنے رکھے اور خوشامی سے کام لے، نہرو صاحب مسلمانوں کے
 دوست اور سچے خیر خواہ ہیں لیکن ان کا بھی طرز عمل کیرالہ کے معاملے

میں قابل تحسین نہیں رہا۔ انھوں نے کیرالہ مسلم لیگ کے الیکشن کا
 مینوشٹو پہلے نہیں پڑھا کیونکہ وہ ملیالم زبان میں تھا۔ اگر کوئی
 کہے کہ وہ علاوہ اور زبانوں کے انگریزی میں بھی تھا تو کیا فریٹنگ
 لہجہ میں تھا اگر نہیں پڑھا تو یہ کس کا قصور ہے۔

مسلمانوں میں لاکھوں گھریے ہیں جن کے کچھ افراد یہاں
 ہیں اور کچھ پاکستان میں باپ یہاں ہے تو بیٹا وہاں۔ بیٹی یہاں
 ہے تو ماں وہاں۔ ایک بھائی یہاں ہے تو دوسرا وہاں۔ کیا باپ کا
 بیٹے سے ماں کا بیٹی سے بھائی کا بھائی سے ہمدردی کرنا ان کے
 ساتھ اظہار محبت کرنا قدری ہے؟

ما سٹر تارا سنگھ نے صاف صاف کہا کہ اگر اس ملک میں کوئی
 دوسرا ایوب پیدا ہو جاتا تو اس ملک کی حالت سدھ جاتی۔ اگر
 کوئی مسلمان یہ کہتا تو ہزار پر کاش ویر شاستری پیدا ہو جاتے،
 اور قدری اور وطن فروشی کا الزام تراشے لگتے۔ جوڑے یا شادی
 لال کپور کے خلاف لب کشائی نہیں ہوتی، لیکن مسلمانوں کے اوپر
 شاستری جی عرصہ حیات تک کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

مسلمانوں کو حکومت سے یہ معاملہ صاف کر لینا چاہئے کہ آیا ان کے
 حقوق بھی ہیں یا محض ذمہ داریاں ہی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے
 ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان یہ تھا۔ ”اقلیتوں کے فرائض“
 مجھ کو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ جب تک اقلیتوں کے ذل کو کو ہم
 اپنے ہاتھ میں نہ لیں گے اور جب تک ہر عمر ان کی جماعت کا یہ غم
 محسوس نہ کرے گا کہ ہمارے وہی حقوق ہیں جو اکثریت کے ہیں تو اس
 وقت تک اس ملک کی ترقی غیر ممکن ہے۔ ایک ملک میں ایک قسم کا
 سیشن شپ *Seniority System* ہو سکتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ الفیور سیشنز - *Minority Reservation*
 ہے تو اکثریت ترقی کر سکتی ہے اور نہ اقلیت
 میں نے یہ چند الفاظ تحریر کیے ہیں وہ صرف مسلمانوں ہی
 کے لئے نہیں بلکہ ہر اہل دانش کے غور کیلئے تحریر کیے ہیں۔ خاص کہ
 کانگریس کیلئے عذراں حکومت آزادی کے بعد سے ان ہی کے ہاتھ
 میں ہے اور شاید یہ سب کیونکہ تمام حامیوں کے ہوتے ہوئے وہ اور پارٹیوں
 سے بہتر ہے۔ پنڈت نہرو کی ہی ایک ایسی ہی ہے جو اقلیتوں کا
 خیال ہے اور جو کچھ ان کیلئے کر سکتی ہے۔ یوں تو اور لوگ بھی ہیں جو ان

۱۲۔ خیال میں لیکن ان کے اقدار اور نہیں ہے۔

تمہید :- ازعام عثمانی

صفا مضمون :- مولانا تاج محمود

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسے کچھ عرصہ پہلے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی ذات جس درجہ موضوع بحث رہی ہے محتاج بیان نہیں۔ لیکن آج جب کہ یہ ہنگامہ سرد پڑ چکا ہے تجلی کے صفحات میں نئے نئے سبب سے اس بحث کا آغاز اکثر دستوں کے لئے موجب حیرت ہوگا اور اندیشہ ہے کہ یہ حیرت انقباض کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ واقعی جب سے پاکستان میں انقلاب آیا ہے اور دوسری جماعتوں کی طرح جماعت اسلامی بھی مرگ ناگہاں کا شکار ہوئی ہے لوگوں کی دلچسپی اس موضوع سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس جماعت کے برسرِ اقتدار آجانے کا جو دھڑکا اس سے اختلاف بلکہ عناد و بغض رکھنے والوں کے قلوب کو لگا ہوا تھا اسے حالات ظاہری نے ختم کر دیا ہے اور معاندانہ برہہ دیکھنے والے کا وہ میگنیزم جسے بے محابا استعمال کیا جا رہا تھا جنگاہ کی بے رونقی سے اُگنا کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔ اب گویا اس محاذ پر سٹانٹا ہی پڑتا ہے اور ایسی حالت میں ہمارا اس موضوع کو چھوڑنا بے وقت کی شہنائی کے مرادف کہا جا سکتا ہے۔

لیکن گہرائی میں اتر کر سوچتے تو اندازہ ہوگا کہ فی الحقیقت یہی وہ مناسب وقت آیا ہے جب ماہہ النزاع مسائل اور الزامات اتہامات پر ٹھٹھے سے دل و دماغ اور بھیرے ہوئے متحمل مزاج کے ساتھ انہماک و تعمیق قیاس ہو سکتی ہے۔ جہاں د مبارزت کی گرہاگرگی اور طبل و قلم کی گھاگھی میں سنجیدہ تقریریں اور علمی و منطقی بحثیں عموماً عناد و تعصب اور شور و شیون ہی کی نذر ہو جایا کرتی ہیں۔ حملہ آور و وسیع القبلی اور رواداری کے تمام احساسات گھر رکھ کر آتا ہے اور اس کے کان حق و صداقت کی گڑبیل کیلئے ہیرے ہوتے ہیں۔ لیکن جب جنگ کی بساط لپٹ جائے ہنگامہ سرد ہو جائے، نیزہ و شمشیر اسلحہ خاںوں میں سگودا بیٹے جائیں اور بھولے ہوئے سانسوں میں کچھ تو اترن آجھلنے تو اس وقت یہ ممکن ہو جائے کہ ذریعین ایک دوسرے سے کچھ کہیں، ایک دوسرے کی سنیں اور علم و داری اور عدل و دیانت کی معروف قدر و کا تصور ابہت لحاظ کر سکیں۔

ہم نہیں کہتے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر جس نے جو بھی اعتراض کیا غلط کیا۔ جس نے جو بھی الزام لگایا جھوٹا لگایا اور جس نے جھٹ بھی متفرقا ہر کی سبب بنیاد تھا۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ رافت کیلئے والوں نے جب کبھی حلوں کی مدافعت کی حکم و شرافت کی اونچی ہی طرح پرہہ کر لی اور ذہن و بیان کے دائرے میں ان سے کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ دور کیوں چلتے، خود ہم اپنے بارے میں بلاتامل اعتراف کرتے ہیں۔ اور پہلے بھی کچھ نہیں کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو مظلوم سمجھتے ہوئے ہم نے حسن نیت اور صدق دلی کے ساتھ ان کی طرف سے جو رافت بار بار کی ہے اس میں کمی جگہ ہمارا لبہ اجرا اتنا نہیں اور پردہ قاتر نہیں رہا جتنا رہنا چاہتے تھا اور کئی بار ہمارے ہی طرح لغتاری حدود و مناسب سے تجاوز کر گئی۔ اس خامی کیلئے اگر یہ ہمارے پاس یہ غدر ہے کہ جارہیں و محضہ میں کی حد سے بڑھی ہوئی سبب کی بے انصافی اور بے لگائی ہی اس کو ختم دینے کی ذمہ دار ہے۔ آگ لگا کر دھونکی جا دی جائے تو شعلہ ضرور بھڑکے گا اور چنگاریاں لڑنا اڑیں گی۔ لیکن آج جب کہ کسی کو تہم یا شہہ سار کرنا مقصود نہیں، بلکہ امن و سکون کی فضا میں سجدہ گفتگو و نظر سے اور توقع ہو رہی ہے کہ شاید اللہ جل شانہ اسی گفت و شنید کے ذریعہ بھائیوں کے پٹھے ہوئے دل جوڑ دے اور اختلاف کی چلیج کسی نہ کسی حد تک پاٹ دے ہم اپنی ہر خامی اور ہر لغزش کی پوری ذمہ داری اپنے ہی سر لیتے ہوئے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور ہر اس شخص سے تضرع کے ساتھ عفو و طلب ہیں جسے ہماری طرف سے رنج پہنچا ہو۔ اللہ کے تصور تو بے غصہ تعالیٰ ہم پہلے بھی استغفار سے غافل نہیں رہا لیکن اس خاص موقع پر پھر ایک بار اپنی لغزشوں کی معافی اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ وهو الغفور الرحیم۔

امت مسلمہ کو غیر مسلم ممالک ہی نہیں مسلم ملکوں میں بھی جن آزماں آتشوں اور عصیتوں کا سامنا ہے ان کا تقاضا ہے کہ چھوٹے چھوٹے منبر ارب
گمراہوں میں لٹی ہوئی یہ امت اپنے باہمی تناؤ کو کم کرے، اپنی باہمی آویزشوں کی تخفیف میں سعی ہو، اپنے مختلف فریساں کو کھائوں کی طرح
سٹھائے، اپنے جذبات کی رام عقل و مناسبت کے ہاتھوں میں دے اور باہمی سرسختیوں کی بجائے اتحاد و اتفاق کے ساتھ ان باطل قوتوں سے نبرد آزما
ہو جو کہیں ظاہر فریب نظریات کی شکل میں اور کہیں بدگہرا اعمال و اغوار کی صورت میں اسلام کے شجر طیب کو جڑ سے لیکر شاخوں تک ہلائے دے رہی ہیں
جن کے ہاتھوں اسلامی اقدار کا چہرہ مسخ اور عدل و دیانت کی آنکھیں دیر ان ہیں۔

اس توہینکہ بددیہ تبار دنیا بھی ضروری ہے کہ افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ اس مناسب وقت میں شروع کرنے کی توفیق سعید و اتم الحروف کو نصیب نہیں
ہوئی، بلکہ اس کا شرف ایک بہت اویچے عالم دین ایک انتہائی دردمند انسان مولانا تاج محمد و زاد اللہ شرفاً و مجداً کے حصہ میں آلیے۔ آپ
بھادور پور ڈوئین (مغربی پاکستان) کی ایک مضافاتی بستی میں علوم دینیہ کی درس گاہ کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ پہلے جب جماعت اسلامی
اور مولانا مودودی بر الزام آرائیوں اور اتہام تراشیوں کا بازار گرم تھا آپ کے ان خطوط سے جو گاہے گاہے ابزراہ عنایت قدوسی کو لکھا کرتے
تھے، اس گہرے رنج و اہم کا اظہار ہوا کرتا تھا جو ایسے المناک مواقع پر ہر درد من، جو من کے قلب کو قدر نالاحق ہونا چاہتے۔ اس زمانہ میں آپ نے
بشاید اس لئے اپنے قلم کو جنبش نہیں دی کہ باؤ ٹھوکی سرسختی اور شوہ و شورش کی گھاگھی میں کون سجدگی کے ساتھ نوایت درد اور صدا سے پسند و
صبح پر کان دھرتا ہے۔ اب آپ نے موقع مناسب دیکھا اور درد مندانه افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ شروع فرمایا جو ناظرین کے سامنے ہے اور امید ہے کہ
متعدد جہتوں تک چلتا رہے گا۔ جن لوگوں کو خدا کا خوف ہے یا جو عدل و دیانت کے منکر نہیں، جو اتحاد و اخوت کے اہمیت سمجھتے ہیں اور
جن کے قلوب پر فہرین نہیں لگ چکی ہیں انھیں چاہئے کہ اس سلسلہ سخن کو غور و توجہ سے ملاحظہ فرمائیں، اس کے آئینہ میں اپنے ان خیالات
مزعومات کا جائزہ لیں جو افسران امت کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اللہ توفیق دے تو انصاف کریں اور آخرت کی جو ابدی کا احسان منگلیے
ہو تو بے بنیاد سوظن کے فس و فاشاک کو تہس نہس کر دیں۔ جماعت اسلامی اگر پاکستان میں وقتی طور پر لوٹ گئی ہے تو اس سے یہ ہرگز نہ بھجنا
چاہئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ انشاء اللہ جلد وہ وقت آئے گا جب عبوری دور کی بندشیں ڈھیلی ہوں گی اور ٹوٹی ہوئی جماعتوں کا
شیرازہ پھر سے مجتمع ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ اس جماعت کے ظاہری نظم اور نام کا وقتی طور پر ختم کیا جانا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ وہ دعوت، وہ تحریک، وہ فکر و نظر بھی
ختم ہوئے جن کی زندگی کا مظہر یہ ظاہری نظم اور نام تھا۔ فکر و نظر کو جبر کی چھری سے ذبح نہیں کیا جاسکتا اور کوئی بھی دعوت و تحریک قانونی
پابندیوں کی چوٹ کھا کر اپنا ذہنی وجود فنا نہیں کر دیتی۔ اعلا سے کلمہ الحق اور اقامت دین اور خدمت انسانیت اور بیخام امن و سلامتی
کے جن داعیوں اور خواہشوں اور تمناؤں کا نام جماعت اسلامی تھا وہ آج بھی بقید حیات ہیں۔ ان کی تقاریر و عظمت آج بھی پہلے ہی کی
طرح پائندہ ہے اور اگر ظاہری حالات کے باقائے انھیں وقتی طور پر کارگاہ عمل سے نکال باہر کیا ہے تو اس افتاد کا یہ مطلب نہیں کہ امت مسلمہ ان
سے دست بردار ہو جائے، اس امت کے فرائض میں یہ سررض اللہ مالک و خالق نے معین کیا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ہر ملک، ہر حالت اور ہر زمانے
میں یہ دنیا کے آگے قوی و کل سے شہادت حق دیتی رہے، اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلائی ہے، انسانیت کے فروغ، توحید کے شیوع اور عدل و
حقانیت کے نشوونما میں جن میں دھن سے لگی ہے، باطل کے آگے ہتھیار نہ ڈالے، کفر و زندقہ سے مفاہمت نہ کرے، یا س و تعطل کا شکار نہ ہو جن و
دین کو پاس نہ چھینے دے۔ آپس میں شغی و متکدر نہ ہو، مشرک و طغیان کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح ڈٹ جائے نہ یہ فریضہ ہر حال میں اس امت کو
ادا کرنا ہے۔ اور ملکوں میں تو جماعت اسلامی پر کوئی قانونی پابندی نہیں، لیکن جہاں ہے۔ یعنی پاکستان میں۔ وہاں بھی ہندگان اسلام کے
لئے اسنہ سلامتی اور تسلیح دارین کی دوا عہدہ ہی ہے کہ وہ باہمی اختلاف کو حتی الوسع کم کریں، سوظن کے ناپاک ذخیروں کو دریا میں ڈالیں،
کہدوں کے خرم میں آگ لگائیں اور جن بندوں کو اللہ نے دین حق کی خدمت کا سلیقہ اور حوصلہ عطا فرمایا ہے ان کی راہ کھوٹی کھوٹی کے بجائے

انھیں مدد دیں۔ ان سے محبت کریں اور اس طرح اس دیوبال کے حوصلہ بہت سردیں جو کہیں ثقافت و کلچر کے پردے میں کہیں روٹی کے نام پر اور کہیں اصلاح کی آڑ لے کر اسلامی اقدار و تصورات کو نکلے چلا جا رہا ہے۔ شیطاں کے لبادے بے شمار ہیں۔ وہ ڈھکے اور گھٹے ہزار طرح وار کرتا ہے تا سچ کھنگال کر دیکھ لیجئے۔ جب کوئی صحیح اصلاح کے لئے اٹھتا ہے، جب کسی مجدد نے تجدید کرنی چاہی ہے شیطاں اپنے لاؤشکر سمیت میدان میں آگودا ہے۔ پھر اپنی گونا گوں دوسوہ اندوزیوں سے اپنی رنگارنگ و سیسہ کاریوں سے اپنے فوج پر فوج حربوں سے وہ وہ افتراق و اختلاف کی آندھی چلائی ہے، وہ وہ فتنے اٹھاتا ہے کہ الامان و الحفیظ۔ کھلے دشمن سے لڑنا آسان ہے، لیکن اُس چھپے دشمن سے لڑنا بہت مشکل ہے جو خود چارے نفس میں سما جاتا ہے اور ہمارے شہر یا توں میں اپوں کر دوڑتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے یہاں بفضل تعالیٰ جماعت اسلامی پر کوئی قانونی پابندی نہیں۔ یہاں اندامی اندامی اقتدار کا طرز فکر چاہے کچھ ہو اور کسی ہی بدگمانیاں پال لی گئی ہوں، لیکن ضابطے اور آئین کی حد تک معاملہ خوش سے بالاتر ہے مسلمان خود ہی افتراق و تشتت کا شکار نہ ہوں تو یہاں بلا مشہور دعوت حق کا اہم ترین کام نہایت مستحکم طور پر ہو سکتا ہے۔ دعوت حق اور اقامت دین کی اصطلاحوں کا جو لوگ یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ انہم حکومت آئین کی سند پر حجت لگائی جا رہی ہے اور پھر اسی معروضہ پر اسے دیوانگی اور حماقت قرار دے کر اس کے ساتھ تک سے دور بھاگتے ہیں، وہی الحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا پھر ان کا نفس ارادۃ انھیں آمادہ کر رہا ہے کہ الفاظ کے غلط معنی لیں اور اپنے فرائض سے کٹی کاٹنے کا بہانہ ڈھونڈیں۔ بے شک دعوت حق کی آخری منزل یہی ہے کہ قوت و اقتدار کے کلیدی مناصب پر اپنی حق کا قبضہ ہو، وہ اپنی حق جو عدل و انصاف اور ادا سے فرض کی راہ میں ٹھکانا نہ چلتے ہوں، جو عوام سے اپنی نہیں قانون کی تابع داری طلب کرتے ہوں اور یہ قانون ہر طرح کے ناروا تعصبات اور سقم و نقص سے بالاتر رہ کر انسانوں کو انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہو۔

لیکن اس منزل دشوار تک پہنچنے کے لئے جو بے شمار رسیاں مراحل ہیں ان میں سے ہر ایک جگہ سے خود ایک اہم تر مقصد و منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی امت مسلمہ جس ماحول میں زندگی گزار رہی ہے، جس طرح کے نازک مسائل کا اسے سامنا ہے، دشواریوں کے جو پہاڑ اس کی راہ میں چٹل ہیں، جس طرح کے سیاسی و ذہنی حالات سے اس کے گرد گھیرا ڈالا ہے، جا رحیت اور دست دراز کی ہے جو ناک و کوبہ قدم پر اس کے دل و جگر میں ترازو ہوتے جا رہے، بلندیوں کی سست جہت لگانے کی بجائے تباہی کی گہرائیوں سے خود کو چیلنے کے لئے اسے جتنی کچھ جدوجہد کرنی ہے اور سیاسی و سماجی نا انصافیوں کی پھر جتنی ہوتی آگ سے جس طرح اسے اپنے خرمین حیات کو بچانے کا چاہنا پڑتا ہے اور ہمارے۔ اس کے پیش نظر کون تصور کر سکتا ہے کہ جبیل کے بعض افراد دعوت حق اور اقامت دین کے الفاظ بولیں گے تو ان کا شمار پہلی ہی جہت میں حکومت آئین قائم کرنا ہوگا۔ نہیں نہیں نہیں۔ یہ الفاظ تو صرف سمت منزل کا تعین کرتے ہیں۔ ان کا شمار بحالات موجودہ صرف یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ ہمارا اندازہ فکر، ہمارا معیار عمل، ہماری سیاست ہماری جدوجہد کا رخ دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز رکھتا ہے۔ ہمارے لینے دینے کے چیلنے کیا ہیں، ہم کن اصول و افتاد پر ایمان لاتے ہیں۔ ہمیں جنگاہ زندگی میں کن ہتھیاروں سے لڑنا اور کس طرز و انداز سے حلوں کی مدافعت کرنا ہے۔ زیادہ صفات الفاظ میں یوں سمجھتے کہ یہ الفاظ پہلے مرکزی فنکری آئینہ ہیں جن کے ذریعہ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جب محروک حیات میں طرح طرح کے مسائل ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور کام کام پر نظریات و مفادات میں تصادم ہوگا تو ہم فیصلے کا حق نہ تو قومیت کو دس گے نہ وطنیت کو نہ کمیونزم کو نہ کوئی بنائیں گے نہ کسی اور ازم کو بلکہ ہماری گردن اُس آئین حق کے سامنے جھکے گی جو تمام عالم انسانی کے لئے سب سے بہتر حکم اور سب سے بڑھ کر رہا ہے۔ اس ذہنیت اور طرز فکر کو ظاہر کرنے کے لئے ہماری ملی تاریخ نے یہی الفاظ ہمیں دیئے ہیں۔ انھی کو پہلے اسلاف استعمال کرتے رہے ہیں اور ان سے کسی کو دہشت یا غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ وہ برادران اسلام انھوں نے دانستہ یا نادانستہ ان الفاظ کا جھنڈا اڑایا ہے، ان کے قائلین سے دشمنی باندھی ہے، انھیں طرح طرح کے غلط معانی پہناتے ہیں اگر آج بھی اپنی روش پر نظر ثانی کر لیں، آج بھی اپنے فکر و نظری کی زام نفس کی بجائے قلب و ضمیر کے ہاتھ میں دیہ میں اور حضرت نام ملک رحمت اللہ علیہ کے اس قول کو یاد کریں کہ اس امت کا آخری بھی اسی سے مدد ہے گا جس سے اس کا اولیٰ مدد رکھتا تھا تو اخوت و تعاون کی ایک پانچیزہ

بنیاد تھام سکتی ہے اور ایک دوسرے کا ٹھکانہ نہیں دے سکتے تھے۔ مگر وہ ایک دوسرے کے گلے مل سکتے ہیں۔ قوم پرستی، وطن پرستی اور ہر طرح کی دنیا پرستی کا کافی تجربہ ہو چکا۔ ان سب ظاہر فریب اور گمراہ کن پرستشوں نے ہمیں پامالی و انتشار کے سوا کچھ نہ دیا۔ ہم سے وہ سب کچھ بھی چھین لیا جسے بچانے کے لئے ہم نے ان کا تلاء اپنی گردنوں میں ڈالا تھا۔ ہم حیرانی و ہلاکت کے ایک ایسے میدان میں کھڑے ہیں۔ جہاں چاروں طرف کے تیرہا کے ہی زخمی جسم میں پیوست ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں دنیا میں بھی کچھ نہ ملا اور آخرت کے لئے بھی کوئی سرمایہ جمع نہ کر سکے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان و دین کا ٹھکانہ چڑھانے والے جدید نظریات و افکار کے پیچھے دوڑنے کے عوض اپنے چودہ سو برس پیچھے لوٹ جاتے اور تنکے کی طرح بیٹنے کی بجائے دھارے کا ٹرخ موڑنے کی تنخواہ کوشش کرتے تو خسارے اور زبوں حالی کا انہار آنا بلات نہ ہوا جتنا آج ہے۔ ہمیں اپنے چودہ سو برس پہلے جو سبق دیا گیا تھا اس کا تو طرہ امتیاز ہی یہ ہے کہ صرف جیت ہی میں جیت نہیں ہوتی ہماریں بھی جیت ہوتی ہے اور غازی کے لئے جو بین مقام عزت ہے اس سے کچھ بڑھ کر ہی مقام و منزلت شہید کے حصے میں آتی ہے۔

بھائیو، بزرگو اور دوستو! میری اس طویل بیانی کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ جماعت اسلامی یا کسی اور خاص جماعت میں شریک ہو جانا ہی واحد راہ نجات ہے۔ یہ نشانہ بھی ہرگز نہیں کہ تم اپنے سارے ہی جزوی اختلافات ختم کر کے مکمل یکسانیت کی تلاش میں نکل کھڑے ہو۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہوا۔ کبھی نہیں ہوگا۔ فردعی اختلاف زندگی کی رنگارنگی کا منظر ہیں، ان کو مکمل یکسانیت کے سانچے میں ڈھال دینا جیت سے پہلے ممکن نہیں ہے۔ نہ کسی ایک جماعت کو سرا یا حق ٹھہرا کر اسی کی شرکت و تعاون میں فلاح و نجات کو منحصر کیا جا سکتا ہے۔

البتہ یہ ضرور ممکن ہے کہ تم پر خلوص اختلاف اور عناد و منافست کے درمیان حد فاصل قائم کرو۔ تم موجودہ افتراق و تشنت کو اتحاد و تعاون کی اسپرٹ سے بدل دو۔ تم تنگ دلی کو وسیع قلبی سے، تنگ نظری کو رواداری سے، تعصب کو خلاص سے اور بغض پرستی کو حق پرستی سے تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔ تم اگر متحد ہو، تمہارے قلوب جڑے ہوتے ہوں، تمہاری اسلامی اخوت زندہ ہو، تم اعتدال و انصاف کے شہدادی ہو اور تمہارے پیش نظر انہی سب سے حسنی نتائج۔ دین و ایمان کی حفاظت ہو تو یقین کر دو کہ باطل اپنی تمام تر شوکت و سطوت کے باوجود تم سے جیت نہیں پاسے گا۔ تمہارے تمام اُبجھے ہوتے مسائل حل ہو جائیں گے، تمہیں صرف آخرت ہی نہیں دنیا بھی ملے گی۔ خدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ انتم الاعلیٰ ان کنتم موہنین۔ موہنین کی شان اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وہ آپس میں بے حد رحیم و کریم ہوتے ہیں اور طاغوت کے مقابلے میں شدید تر۔ تم اس کا باطل کس ہو۔ تم آپس میں سخت گیر و تنگ دل ہو اور طاعون کے مقابلے میں سر ابا نیا زدا طاعت۔ یہ شان مومنوں کی نہیں مگر اہوں کی ہے اور گمراہی کا حاصل کم سے کم تمہارے حق میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دنیا بھی جائے اور دین بھی۔ تم نے دامن تو اسلام کا پکڑا ہے لیکن گفٹش برداری کر رہے ہو ان نظریات اعمال کی جو سر سے اسلام کی نفی کرتے ہیں۔ اس نفاق کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ نہ خدا ہی ملے نہ وصال صہم نہ ادھر کے رہو نہ ادھر کے رہو۔

راقم الخروف کو یہ احساس ہے کہ تمہیں ضرورت ہے سے زیادہ لمبی جوگتی اور اصل مضمون سے پہلے انہیں کافی خشکتیں خواہ مخواہ سننی پڑیں، لیکن یہ سب خراشی صرف یہ بتانے کے لئے کی گئی ہے کہ پیش نظر مضمون کا انتشار و بحث و مناظرہ کی محفل سجانا نہیں، بلکہ سپرد اندہ انہماک و تفہیم کے ذریعہ اس باہمی رفق و محبت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جسے پرستی سے ہم نے اپنے ہی ہاتھوں کھود دیا ہے اور اب زندگی نفاذ خلسے میں جاری اور از طولی کی صدا سے زیادہ کھڑے ہیں۔ ہم اس ٹوٹی پھوٹی سیح کے دانے ہیں جس کا دھاگہ تار کے کام آ گیا ہے۔ ہم اس مضبوط رستی کے کھرے ہوئے ریشے ہیں جو کھرنے سے پہلے ناقابل شکست تھی، لیکن آج کھرنے کے بعد اس کا ہر ریشہ ایک ٹھنک ٹھنک شیر خوار بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیتا ہے۔ ہسپات تم ہسپات۔

مضمون کے عنوان کی ذمہ داری صاحب مضمون پر نہیں راقم الخروف پر ہے۔ جماعت اسلامی کے کار اور دعوت کو ناکام بنانے کی

ہم میں سابق امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو امتنا زیادہ ہر طرف سلامت اور نشانیہ مست و شتم بنایا گیا ہے کہ جیسے دعوت حق اور اقامت دین کا ادارہ اس شخص کی کوئی نرالی بدعت ہو اور اس اجتہاد کے جرم میں اسے زیادہ سے زیادہ سزا دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ مخالفت اکثر و بیشتر ذاتی عناد کی شکل اختیار کر گئی ہے اور بعض مراحل میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے موصوف کی ہر ہر بات میں کیر لڑے نکالنا اور ہر ہر کام کو بھنی بھر گرا ہی قرار دینا ہی مخالفت ہی مخالفت کی ننگ و دود کا تمام تر حاصل وصول ہے۔ لہذا ہمیں منا رب علوم ہوا کہ "جماعت اسلامی" کی بجائے اس قضیہ نامرضیہ کا مرکزی کردار مولانا مودودی کو قرار دیں۔ کوئی شک نہیں کہ مولانا مودودی اپنی ذاتی و شخصی حیثیت میں اس سے زیادہ کسی دلچسپی کا مرکز و مرجع قرار نہیں دینے جاسکتے کہ وہ ایک مسلمان ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کا بھائی ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کے امیر و مؤسس کی حیثیت میں ان کی ذات گرامی بالیقین بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ان کے قلم نے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کے پیش نظر ناممکن ہے کہ جن لوگوں کو دین سے ضعف اور اسلام سے شغف کی پودہ ان کی ذات سے خصوصاً دلچسپی نہیں۔ ہمیں تسلیم کہ اصول و نظریات بہت بڑی اہمیت ہے بلکہ تمام تر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اشخاص و افراد کی کوئی اساسی اہمیت نہیں لیکن عملی نقطہ نظر اور تاریخی زیادتی نگاہ سے حجاج پڑتال کی جائے تو واضح ہو گا کہ بہتر سے بہتر اصول و نظریات اپنے اظہار اور اپنی کارسہ مائی میں اشخاص و افراد ہی کے مخلع رہے ہیں اور شاہان شان افراد میر نہ آنے پر بدلہ و جواہر سے زیادہ قیمتی نظریات و اصول بھی گرد و غبار کے انبار میں دبتے چلے گئے ہیں اور زندگی کے بازار میں ان کی کوئی قیمت نہیں اٹھی ہے۔ اس کی سادہ سی مثال اس مکتبہ میں ملتی ہے جسے ماہر فن انجینئروں نے دیوید بیکل ٹینیوں سے آر اسٹہ کیا ہو۔ برقی قوت بلاشبہ تمام تر بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور جبہ شمار منافع برقی قوت کے استعمال سے دنیا کو حاصل ہوتے ہیں وہی لوگوں کی ساری دلچسپیوں کا اصل مرکز و مرجع ہیں، لیکن کیسا حقیقت یہ نہیں ہے کہ انجینئروں کے دل و دماغ اور دست و پاؤں اگر سلیبیٹ اور تہارت کے ساتھ اس برقی قوت پر کنٹرول نہ کرتے اور اس کنٹرول کے عمل میں کام نہ آنے والی ٹینیوں کے ایک ایک کل پرزے کو اس کے ٹھیک تھا کہا پر نہ لگتے تو یہ برقی قوت کسی کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکتی؟

اگر نہیں پہنچاتی اور یقیناً نہیں پہنچاتی تو ایسا ہی رشتہ نظریات و اصول اور افراد اشخاص کے درمیان ہے۔ مفید نظریات و اصول کی قرار واقعی افادیت کا انحصار ہمیشہ سے اشخاص و افراد ہی پر رہا ہے اور جب کبھی مؤردوں تر افراد کا نقد ان ہوا ہے نظریات و اصول کی افادیت اور کارفرمائی میں غلط طر آنا چلا گیا ہے۔ اب آپ مضمون ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

عالم عثمانی

جو کچھ سپر قلم کر رہا ہوں نیا نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف جو طرح طرح کے ایرادات و انتہائیاں اور الزامات و اتہامات پھیلائے جاتے رہے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ کروں اور ہر ادارہ اسلام سے توقع کروں کہ وہ فتانت کے ساتھ ان کے مالذ علیہ پر غور فرمائیں گے اور اگر ان کا ہمیشہ صحیح ہی یہ احساس دلائے گا کہ اختلاف راستے کے محاذ پر ہم نے اعتدال، انصاف اور شرفانہ رواداری سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ایک سچے مومن و مخلص کی طرح اپنے خیالات و مفروضات کی اصلاح فرمائیں گے۔

جماعت اسلامی کو تباہ کرنے کے لئے اس کے مؤسس اور سابق امیر مولانا مودودی کو جس المناک اور تاسف انگیز مخالفانہ پروپیگنڈے کا ہدف بنایا گیا ہے وہ تاریخ امت کا ایک نہایت

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف ماضی قریب میں جیسی کچھ ہنگامہ آرائیاں صحافت، خطابت اور افسار کے میدانوں میں ہو چکی ہیں ان کے تکلیف دہ تفصیلی تذکرے سے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ حالات کی تبدیلی نے یہ ہنگامہ اب سرد کر دیا ہے اور اگرچہ اس کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی گوشے سے اب بھی کبھی سنائی دیتی رہتی ہے، لیکن من حیث الجرح وہ شور و غوغا نہیں رہا کہ کان پڑھی آواز نہ سنائی دے۔ عین ممکن ہے کہ ٹھہراؤ اور اس کی موجودہ فضا میں ان سابقہ اختلافات کی حقیقت و نوعیت پختہ دل سے سنجیدہ گفتگو کی جاسکے جن کا وجود ہم ہر ادارہ اسلام میں تناؤ، امتنا اور کشمکش کا باعث بنا رہا ہے اور جن کی وجہ سے اصلاح امت اور اعلیٰ عکسہ الحق کا مقدس فریضہ اس حد تک ادا نہ ہو سکا جس حد تک اسے ادا ہونا چاہئے تھا۔ میں

رہنورد باب ہے۔ ان پر کئے گئے بے شمار گونا گوں اعتراضات میں معدودے چند ہی ایسے نظر آتے ہیں جنہیں علی سنجیدگی کے ساتھ لائق توجہ سمجھا جاسکتا ہے اور جن کے متعلق یہ خوش گمانی ممکن ہو کہ معترضین کے ذہنوں میں یہ اندازہ خلوص ہی ابھرے ہے اور صحیح یہ ایسے ہیں کہ دین و ملت کے دردمندوں کا افسوسناک حشر ہونا ہے جہاں ہمیں کہا جاسکتا۔ ان کے علاوہ اعتراضات الزامات کا جو اونچا انبار نظر آتا ہے وہ صریحاً ایسا ہے کہ جو بھی غیر جانبدار مبصران کا جائزہ لے گا۔ یہ فیصلہ کئے بغیر نہ رہے گا کہ یہ متنازع کامد لوگوں کے ذہنی تصہبات، نفسانیت، خوف آخرت سے لاپرواہی اور تحریبی ذہنیت کی پیداوار ہے۔

میں اول الذکر اعتراضات کو انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے رکھوں گا اور جو جوابات مولانا مودودی یا ان کے کسی حامی و ناصر کی طرف سے دیئے گئے ہیں انھیں بھی نقل کروں گا اور ساتھ ہی اپنی ناقص رائے بھی مدیہ ناظرین کر دوں گا تاکہ بحث کا کوئی پہلو تشہ نہ رہ جائے، لیکن اس سے قبل ہیں وہ چند نکتے آپ کے اگے رکھنا چاہتا ہوں جن سے یہ واضح ہوگا کہ دشمنی میں لوگوں نے کس ملا کی حد کی ہے اور جوش مخالفت میں عدل و دیانت کے تقاضوں کو کس بے تکلفی سے باہمال کر ڈالا ہے۔ ان نمونوں کو منصفانہ نگاہ سے دیکھنے اور ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عدل و انصاف کا یہ سارا اھیل فی الحقیقت نفس امارہ کی شرانگیزیوں کا مظہر اور شیطان کی فتنہ پردازیوں کا آلہ کار ہے اور اگر اس اھیل میں واقعہ ایسے اعتراضات بھی مولانا مودودی کے خلاف ہاتھ آگئے ہیں جنہیں ذہنی قرار دیا جاسکے تو ان کی جڑیں بہر حال نفسانیت اور عناد ہی کی سرزمین میں پھیلی ہوئی ہیں و نعوذ باللہ من شعور و من انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

نمونہ اول مرکز علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت و شہرت کسی تذکرے کی محتاج نہیں۔ واقعہ یہ ایک ایسی درسگاہ ہے جسے ملت اسلامی کے لئے خیر و برکت کا مہا اور علم و فضل کا مرکز و ماویٰ کہنا علیحدہ نہیں ہوگا۔ اس کے آغوش تعلیم و تربیت سے بڑے بڑے ائمہ علم و فن پیدا ہوئے

ہیں۔ اس نے عزیمت و حقانیت کے کتنے ہی ماہ و نجوم کو اپنے اتنی زور نگار سے طلوع کیا ہے اور اس کے حق میں جتنے بھی کلمات خیر کہے جاتیں بے محل نہ ہوں گے۔ ایسی ہیمنال درسگاہ دینیہ سے جتنی ایمان افروز اور ہدایت آمیز رہنمائی کی توقع کی جاتے کم ہے۔ خصوصاً اس کے دارالافتاء کو تو دنیا کا ذمہ ترین ادارہ ہونا چاہئے اور اس کے صدر مفتی کے طرز علم و استخراج اور عدل و دیانت کو اتنا اونچا نظر آنا چاہئے کہ سارا عالم اس کے آگے عقیدت کی گردن جھکانے پر مجبور ہو۔

لیکن جب جماعت اسلامی کی مخالفت میں انکی روش دیکھتے ہیں تو دل خون ہو جاتا ہے اور آنکھیں فرط حیرت سے پھٹی رہ جاتی ہیں۔

ایک خاصا طویل فتویٰ ”آئینہ تحریک مودودییت“ کے نام سے شائع کر کے ہند پاک میں مفت تقسیم کیا گیا۔ اس پر نہ صرف صدر مفتی صاحب کی تصدیق ثبت ہے، بلکہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر میں بائیس علماء کرام کے تصدیقی دستخط نہایت افروز ہیں۔ اس میں بانی تحریک یعنی مولانا مودودی کو ضال و ضلال ثابت کرنے کے لئے لکھا گیا۔

”بانی تحریک نے ایک اصول ادو بھی ایجاد کیا ہے جو مرتبے زیادہ خطرناک ہے جو ذیل میں درج ہے، ملاحظہ ہو۔

بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی کرنا گوارا کریں جنہر ہم ایمان لاتے ہیں۔“

اس کے بعد تجویز اخذ فرما کر ”نئے مجاہد اور مجدد“ کے طعنے اور الفاظ کے ساتھ جو کچھ ار قوام کیلئے وہ یہ ہے۔

”اس قانون کی بنا پر ہم بانی اصولی وقتی مصلحت پر قربان ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے اصول دین کی جو صورت ہونی چاہئے وہ ظاہر ہے۔ نئے مجاہد و مجدد کا اچھا دار اور اس کی تجدید پروردگار تمہاری ہے۔“

آئینہ تحریک مودودییت ص ۵۶

کے پیش کردہ اقتباس پر کسی اہل قلم کی کلامیساں توڑ دینے کا فیصلہ صادر کر دیا جو۔ ذمہ دارانہ اظہار خیال اور عدل و دیانت کا ابتدائی تقاضا یہ تھا کہ مذکورہ عبارت کو اسی جگہ سے نقل کیا جاتا جہاں لازم نے اسے لکھا ہے۔

تیسرے چلنے پہ عذیر بارہ بھی ملن لیا۔ لیکن اس عذر سے کیا اس ظلم عظیم کی تلافی ہو سکتی ہے جو ایک معروف شخصیت کی خلاف کذب و افتراء کے اس مکروہ اقدام کے ذریعہ ارتکاب میں آچکا ہے۔ مفت قسم کی ہوتی کتاب کے ذریعے ہزاروں لوگوں میں مولانا مودودی کی ہوا خیزی ہو گئی۔ ان کی دینی و علمی نقاہت کو مروج کر دیا گیا جس کے نتیجے میں نئے نئے مخالف حلقے پیدا ہوئے اور سابق حلقوں کی مخالفت میں وہ درودہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی ذمہ داری سے بری ہونے کا طریقہ کیا یہی ہے کہ گرفت میں آجانے پر فتویٰ دینے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرات دوچار آدمیوں کے سامنے یہ کہہ دیں کہ ہم سے سہو ہو گیا یا جہاں سے ہنسنے نقل کیا وہاں کا ترجمہ غلط تو یہی کی تھی۔ بس بات آئی گئی ہوئی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک شخص سیکڑوں ٹن پٹرول کی ٹنکی میں جلتی ہوئی تیل ڈال دے جس سے دھرت ہزاروں روپے کا پٹرول بھسم ہو جائے بلکہ دودھ روڑ تک آگ لگتی چلی جائے اور صد ہا مکانات خاکستر ہو جائیں۔ پھر اس کی گرفت کی جائے تو یہ نہایت معمولی سے یہ کہہ کر الگ ہو جاتے کہ میں نے تو اسے پانی کی ٹنکی سمجھا تھا!

مفتی اور مصدق حضرات کو سوچنا چاہئے کہ اگر ارادۂ انھوں نے ناممکن کو ممکن نہیں بنایا ہے اور صحیح حج وہ نادانستگی میں مولانا مودودی سے ایک بالکل برعکس عبارت منسوب کر گئے ہیں تو کیا اس بے ارادہی افتراء اور نادانستہ قصور کی تلافی نہیں ان کا یہ فرض نہیں ہے کہ جن جن حلقوں میں ان کے ذریعہ یہ کذب و افتراء پھیلا ہے وہاں خود انھی کے قلم اور انھی کی جدوجہد سے اس کی تردید بھی ہو جائے اور ان کی پیار کردہ پرگنائی جن لوگوں نے گڑھ میں باندھ لی ہے انھیں اطلاع مل جائے کہ کم سے کم اس الزام و اعتراض کی حد تک مولانا مودودی بے قصور ہیں۔

ضرور ان کا یہی فرض تھا اور وہ خود بھی اسے محسوس

دارالعلوم دیوبند کی عظمت و شہرت کے پس منظر میں جن لوگوں نے ان عبارتوں کو چڑھا ہو گا ظاہر ہے کہ ان کے قلوب میں مولانا مودودی کے لئے سویرطن کی کھینچی جل اٹھی ہوگی۔ پھر اسی کھینچی کو مزید پورا دینے کے لئے دیوبند ہی سے شائع شدہ کتاب ”فتنہ مودودیت“ میں بھی مولوی نذیر الدین صاحب نے انھی باتوں کو دہرایا اور اس طرح ایک سو فیصد ہی جھوٹی بات مولانا مودودی سے منسوب کر دی گئی جیسا کہ ابھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

جس گمراہ کن اصولوں کو مولانا موصوف سے منسوب کر کے مولانا کی تہمت اٹھایا گیا ہے وہ ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۲ شماره ۲۷۳ میں رسائل و مسائل کے ذیل میں بیان ہوا ہے اور مسائل کے نام سے شائع شدہ مجموعہ ”جوابات کے حصہ اول میں یہ مسئلہ نقل بھی ہو چکا ہے۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ مولانا مودودی نے تو ”ناممکن“ لکھا تھا اور معترضین نے اسے ”ممکن“ بنا کر پروپیگنڈے کی سان پر چڑھا دیا۔ کہنے کو حذف صرف ایک دو حرفی لفظ ”نا“ ہوا ہے، لیکن مطلب جس طرح الٹ گیا وہ سب کے سامنے ہے۔

معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نظر ٹوک گئی۔ یا ہم نے براہ راست نقل نہیں کیا اور جہاں سے نقل کیا وہاں کا تب نے ”ناممکن“ نہیں ممکن ہی لکھا تھا۔ لیکن اس طرح کی معذرت اذل تو فتنہ مودودیت کے فاضل مصنف مولوی نذیر الدین صاحب کے یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ۔

”مودودی صاحب کا لٹریچر بندے نے غور نہ کیا اور حسب استطاعت خوب سمجھا۔“

یہ حد مشکوک ہو جاتی ہے دوسرے اس سے دارالعلوم کے صدر مفتی اور کتاب کی توثیق کرنے والے بیسیوں محترم علماء و فضلاء کے احساس ذمہ داری کی جو مالک تہمت پر تہمتی ہے وہ عدل و دیانت کا کلچر شوق کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ایک بڑی جماعت اور بڑی شخصیت کے خلاف فتاویٰ تحریر فرمانے سے قبل اتنی زحمت تو بہر حال اٹھانی ہی تھی کہ اس کے لائق اعتراض فقروں کو ان کے مناسب محل پر دیکھ لیا جائے۔ کسی ذمہ دار حج کے بارے میں ہم نے نہیں سنا کہ اس نے اصل ماخذ کو دیکھے بغیر محض وکیل لٹ

فلاح مبینی بستان کے چند نئے

قرآن الف ۸ مترجم ترجمہ شاہ عبدالقادر۔ کاغذ عمدہ۔ آئل کلا تھ۔ نہایت دل کش اور حسین۔ ہدیہ سولہ روپے۔

قرآن سن ۶۱ دو مترجم والا۔ پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین۔ دوسرا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔ بڑی تقطیع صفحہ امت ۶۹۲ صفحے کاغذ بڑھا سفید چھپائی دورنگی عکسی از بین سبز بہت حسین۔ جلد عمدہ۔ ہدیہ تیسٹل روپے۔

حمائل الف ۳۵ مترجم مشہور ترجمے فتح الحمید پرانہ خصوصاً شدہ تفسیر موضع القرآن کاغذ شہیر چھپائی دورنگی۔ ہدیہ مجلد تیرہ روپے۔

حمائل ا ۱۲ مترجم ترجمہ شاہ عبدالقادر۔ تقریباً جیسی سائز ہدایہ نور روپے

حمائل ۲۶/۲ مترجم جلد خوشنما بلا مشک کوڑھی سے کچھ بڑی زناول سائز بہت ہی نفیس اور روشن لکھائی۔ ہدایہ پانچ روپے۔

قرآن ۲۲ غیر مترجم دہن انگل لانا۔ سات انگل چوڑا۔ نہایت خوبصورت سائز نفیس جلد شگفتہ حروف واضح اعراب۔ ہدیہ پانچ روپے۔

حمائل ۲۲ غیر مترجم جیسی سائز۔ نفیسی ہونے کے باوجود لکھائی صاف موتیوں جیسی۔ ہدیہ تین روپے۔

حمائل ۹۳ غیر مترجم انھما ساجھیب تحفہ۔ چار انگل چوڑی پانچ انگل لانی۔ ہر سطر کے درمیان لاتن۔ اتنی چھوٹی حمائل میں اس قدر روشن اور صاف حروف کا آپ بغیر دیکھے شاید تصور بھی نہ کر سکیں۔ ہدیہ ساڑھے چار روپے۔

نوٹ:- آپ جانتے ہی ہیں پاکستانی کتب کا بڑا ذخیرہ جمع کرنا مشکل ہے۔ بس جو کچھ آگیا قیمت بگھنے۔ دیر میں آرڈر دیتے پر ہو سکتا ہے عمل ممکن نہ رہے۔

فرمانتہ اگر حقوق العباد کی شرعی حدود و قیود اور عدل و دیانت کے نازک تقاضوں پر توجہ کرنے کا موقع انھیں ان کی پیش ہوا مصروفیات سے مل سکتی لیکن رنج اور عبرت کا مقام ہے کہ انھوں نے انہی ذمہ داری سے دانستہ یا نادانستہ پہلو تہی کی اور ایک سر تا پا فلفط اتہام کے ذریعہ کدورت و استکراہ کی جو غلاطت ان کے سہونے چاروں طرف پھیلا دی تھی اس کے احتسابی مسئولیت کا خطرہ آخرت میں ان کے لئے باقی رہا اور جتنا زیادہ فروغ اس غلاطت سے ذہنی بیماریوں کو ملا ہوگا اور آئندہ ملے گا اس کی بھی ذمہ داری میں یہ عند القادر برابر کے شریک ہوتے جائیں گے۔ اللہم حفظنا۔ (باقی آئندہ)

اساس دین کی تعمیر مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی امور پر ایمان افزہ تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ جلد ساڑھے تین روپے۔

امام ابن تیمیہ افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکہ الآراء کتاب۔ امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے علم و فضل عزیمت و حمیت اور مجد دانہ کاروں کا سیر حاصل تذکرہ جس پر ماسج کے تجلی میں تبصرہ ہوا ہے۔ قیمت جلد دس روپے۔ جلد اعلیٰ گیرہ روپے۔

ابن ماجہ اور علم حدیث کتاب ہے اس کے جامع ابن ماجہ بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں ان کی تفصیلی سوانح کیساتھ اس کتاب میں تدوین حدیث کی مفصل تاریخ اور ان جاں فشانوں کی روداد پیش کی گئی ہے جو محدثین نے جمع حدیث کے سلسلہ میں کیں کثیر معلومات کا خزانہ۔ جلد آٹھ روپے۔

غنیۃ الطالبین در عربی اندو مع فوج الغیب یہ شاہ عبدالقادر جیلانی کی مشہور کتاب ہے۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکتب میں آروپے۔

(از محمد سلیمان، فرخ آبادی)

آداب شب و روز

رہیں گی۔ بھولتی بھلتی اور پروان چڑھتی رہیں گی۔ اور نیک لوگے برائیوں میں مستکسہ مکانوں کے گوشوں میں جھل کے گھٹنے کنوں میں غاروں اور خاندانوں میں خدا کی تلاش میں منہمک ہوں گے۔

اور اگر :-

تصویر حیات یہ ہے کہ یہ دنیا عشرت کدہ نہیں، پاپ کا گھر بھی نہیں جس سے گریز ضروری ہو بلکہ یہ دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ آخرت کی کھیتی ہے۔ انسان دنیا کو برتنے مٹانے اور سونوارنے آیا ہے۔ دنیا انسان کے لئے ہے اور انسان دنیا بنانے والے کے لئے ہے۔ کائنات کے مالک اور آقا کی مرضی پوری کرتا اور اسکے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے ایک امین کی پوزیشن میں رہتے ہوئے کاروبار دنیا کو سمھالنا اور علاقائی کونھانا انسان کا فریضہ ہے۔ تو انسان اپنے کو ایک ذمہ دار ہستی شمار کرے گا۔ مالک کائنات کے سامنے اپنے کو جاہد سمجھے گا۔ زندگی میں ہر قدم چھونک چھونک کر رکھے گا بلکہ ہر حرکت و جنبش سے پہلے وہ سوچ لے گا کہ میری زندگی کی حیثیت اور دنیاہستی کی پوزیشن کے خلاف تو میری یہ حرکت و جنبش نہیں ہے؟ غرض کہ زندگی کے رُخ پر اس کے فکر و عمل "مرغی مولیٰ از ہمدادلی" کے منظر ہوں گے۔

ہر تصویر زندگی کے مطابق اس کے حال میں کچھ رسوم و رواج کچھ طور طریق اور کچھ ایسے ذریعہ وسائل اختیار کرتے ہیں جو ان کے ذہنوں پر اس تصویر حیات کو تازہ اور زندہ رکھتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ اس دنیا کو عشرت کدہ سمجھتے ہیں اور رزم عیش شمار کرتے ہیں وہ رات دن رنگ، ریلوں کے ان تمام مشاغل میں مصروف رہتے ہیں اور لطف اندوزی اور عیش کوشی کے لئے موجودہ تہذیب و تمدن اختراع کئے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ دنیا کو جہاں پاپ خیالی کرتے ہیں اور اس سے گریز کو ضروری سمجھتے ہیں وہ دشت جبل کے ویران حصوں میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں،

تصویر حیات اگر یہ ہے کہ
باز عیش کو شس کہ عالم دوبارہ نیست
دو دن کی تجر یہ زندگی لئے جاں پہن بول ہے،

اور اتوار ام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جالے، تو ہمارے شبے روز بھی اس کے حکم اس ہوں گے، ہمارا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا۔ ہماری رشتہ گرفتار، ہماری دوڑ و دوپ ہماری تنگ و دوپ ہماری سخی و چہد اور ہماری پلک زندگی کے تمام گوشے ہماری پراپرٹی زندگی کے تمام زواہیے، ہماری معاشرت، معشیت، اور سیاست، غرض کہ ہمارا اسرا پا اور ہمارا سب کچھ لہو و لعاب اور عیش و عشرت میں با ہوا ہوگا۔ لطف اندوزی ہمارا وطن اور لذتیت ہمارا شیوہ ہوگا۔ ہماری مثال اس جانور کی ہوگی جو چراگاہ میں ہر طرف منہ مٹانے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہماری مثال اس بدست شترانی کی ہوگی جو نشتے میں چور ہو کر چوس رانی کے لئے ہر تاعدرے اور قانون سے آزاد ہو چکا ہو۔

اور اگر :-

تصویر حیات اگر یہ ہو کہ دنیا جہاں ہے پاپ کی کشی ہے۔
گناہوں کی پوٹ اور نساد و شر کا بازار ہے۔ انسانیت کی نشوونما اور روحانیت کی ترقی کے لئے اس سے پرہیز اور گریز ضروری ہے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا کی پہلی مینوفیکچر ہو چکی ہے اور رزق بزم و بھجن کو گین لگ گیا ہے، دنیا کا چین اجڑا اجڑا نظر آئے گا۔ یہاں مغزوں کا ظہور اور شیطنت کا راج ہوگا۔ اور نسبتاً خیر پسند اور صالح لوگ آبادیوں کے بجائے ویرانوں، شہروں کے بجائے جنگلوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کے بجائے پہاڑوں کی گچھاؤں میں جا بسیں گے۔

انسانی معاشرہ جیوانوں اور درندوں کا معاشرہ بنتا ہے
زندگی ہر پہلو میں برائیاں جڑ پکڑتی رہیں گی، اپنی ذہنی اور جوان پنی

پہنچا اسلام نے بھی شب و روز کے لئے کچھ ایسے آداب ایسے ہیں جو اسلام کے تصور و جہات کو اسلام کے سپرد وژن کے ذریعہ سماج پر دہشت نازہ اور زہرہ رکھتے ہیں، دن و رات پر غاصب رکھنے کا ذریعہ پہنچے ہیں اور لوگ ویسے ہیں سہارا بیت کرنے کا تدبیر کی عمل انجام دیتے ہیں۔

یوں تو کائنات اور انسان کے آغاز و انجام اور حیات دنیا کے متعلق اسلامی تصور کو تازہ اور زندہ رکھنے کے لئے اسلامی عقائد پر غور و فکر کرتے رہنا شہوری اور مفہومی نماز، فہم و تدبیر کے ساتھ تلاوت قرآن انبیا علیہم السلام حضور صلعم صحابہ کرام اور بزرگان دین کی سوانح اور سیرتوں کا مطالعہ نیز زیارت قبور و غیرہ بہترین اور اولین ذرائع

ہیں مگر شب و روز کے مختلف اوقات اور مواقع کے لئے جو آداب صلعم نے ہمیں سکھائے ہیں جنہیں میں آداب شب و روز سے تعبیر کر رہا ہوں اسلامی تصور حیات کے زندہ اور تازہ رکھنے کے لئے بہت ہی عمدہ معادن اور فراتق دو حیات کی خوشدلانہ ادائیگی کے معین و محرک ہیں۔

۱) ایک دن دھند اور ایس دن بھر مشغول و مہنگ رہنے کے بعد آدی جب رات کے اندھیرے میں قدم رکھتا ہے اور رات اس کو سکون و راحت کا پیغام دیتی ہے تو وہ استراحت کی خاطر بستر پر دراز ہوتا ہے اور رات دن بھر کا اپنا عا سہ اور صبح صادق سے لیکر وجہ کو ہم نے مجازی موت کے بر مجازی زندگی حاصل کی تھی اب تک کی حرکات و سکنات

لا حاصل مضمون نگار کو اور ہر مسلمان بھائی کو یہ غلط فہمی پہلی فرصت میں دور کر لینی چاہیے کہ زیارت قبور بھی دینی تصورات کے نشوونما اور زہد و عبادت کی ترویج و تبلیغ کا کوئی معتبر ذریعہ رہ گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "زیارت قبور" سے روک دیا تھا اور پھر مسوقت اس کی اجازت دی تھی جب معاشرہ اس حد تک شرک و قوم کی افلاکوں سے پاک ہو گیا تھا کہ اہل قبور کے بارے میں اہل ایمان و اہی اور عالی عقیدہ یوں کا دم بھی نہ کر سکتے تھے۔ اب مدت سے وہی فساد ہی ماحول بنا گیا اس سے بھی بدتر اور ناریک ماحول برضا پیدا ہو چکے ہیں جن میں زیارت قبور سے روک گیا تھا۔ اب قبروں پر موت کی یاد تازہ کرنے کوئی نہیں جاتا اور گوہرستان سے لگا دیا ہی کی بے ثباتی اور اس کے نیچے میں خواہشات نفسانی سے دستبرداوی کا لازم لیکر کوئی نہیں ٹوٹتا بلکہ اجوعمان طور پر قطعاً دوسرے ہی ناپاک سسز نامہ ناپاک مقامات اور خواہشات لیکر قبروں کے طواف کرتے ہیں۔ اب یہ قبریں اسلام کے بلند تصور و توحید کے لئے مستقل چیلنج کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔ اب ان کی مٹی کے ذرے سے شرک و بدعت کے گھنڈے لگنے لگے ہیں جو تقسیم ہو رہے ہیں، اب یہ پتھروں کے تہوں کی طرح انسانی عظمت و شہرہ افتخار اور خدا سے بے شکاقت و بگنائی کا نمونہ چراتی ہیں، اب ان سے کھلی وابستگی اور دلچسپی تو کمان کے پاس بھی پھٹنے کی جسارت کسی صاحب ایمان کو نہیں کرنی چاہیے ان پر چلے کھینچ کر ان کے طواف کرنے کے ان کے قدروں میں سوراخوں کے ہمارے کئی خوش خیال بزرگوں نے غرہ پرستانہ ائمہ یا لوجی اور قوم زاد شاعری کو بہت سہرا چھلکا یا ہے۔ یہ جو رنگ اپنی تمام تر پردہ کشیوں اور روحانی بلندوں کے باوجود آہی ہی تھے آدی غلطی کرتا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے شیطان کے حربے دوسری ہی طرح کے ہوتے ہیں، ان بزرگوں کو شیطان نے انہی کے مزاج و مذاق کے شیشے میں اتارا اور جھانسا دے گیا۔ اب ان کی عقیدہ اور استناد کے ذریعہ اس شیطانی گمراہی کا حیات دوام حاصل نہیں ہوتی چاہئے تم قبور ہی وہ آیات سے دھوکہ مت کھاؤ۔ اول تو نوے فیصد روایات میں گھڑت یا سنانوں کا بلندہ ہیں وہ کسے وہ کسی درست بھی ہوں اور پچ کسی بزرگ کو قبروں سے فیض و نور کے دیا سے بھی بلند چڑھے نظر آئے ہوں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ابلیس کی کارستانی نہیں ہوگی، ابلیس تو وہ بلا ہے کہ اس نے شاہ عبدالقادر جیلانی سے مراد مرمن اور بطل توحید کو زمین سے آسمان تک نور کا بھر پور ان دکھلا کر ایک لگائی تھی۔

"عبدالقادر جہادی عبادتیں مقبول ہوں۔ تم بارگاہ ربانی میں برگزیدہ قرار پا گئے۔ تمہارے لئے اب شرعی یا بندیاں کچھ ضروری نہیں۔ خدا رحمت کرے اس بندہ حق آگاہ پر اسے سوجا تھا۔"

"اپنے سب سے بڑے پیار کو تو اللہ نے مشہری خود سے آزاد نہیں کیا پھر میری کیا ہستی ہے۔ ماحول، لا قوتہ والا اللہ اور یہ ماحول شیطان کے دلی دھوکے میں ایسا تہیز کے ٹوٹی تھی کہ نور کا بھر پور ان ہوا میں عمیق ہونے وہ گیا تھا۔"

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فیض قبور اور کار سازی اہل قبور کے اثبات میں مشاہدہ و واقعات کے کوئی حالیہ جیسا بنا بھی لگا دے تو ان پر ضمانت دو۔

بَلِّغِ الشَّيْطَانَ لِلَّهِ نَسْأَنُ عَدُوِّ الشَّيْطَانِ
وَمَنْ يَنْ لَعْنَةُ الشَّيْطَانِ أَغْضَا الْعَمْرُ

اور ان کے لئے یہ ہے تو ان پر ضمانت دو۔

دھو سے ظاہری طہارت حاصل ہو رہی ہے لیکن ایک بندہ فوجوں
 صرف ظاہری طہارت پر تو کفایت نہیں کر سکتا وہ الحاد، کفر اور
 مشرک منق و غیرہ ذہن و خیال اور عقیدہ و عمل کی سب سے
 گندگیوں سے بچنا اور محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ کلمہ شہادت
 کے ذریعہ اپنے ایمان اور اپنے تصور زندگی کو اپنے ذہن میں تازہ
 کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑا اور بڑا کرنا کہہ کر
 دلوں کے زمرہ میں اور کئی توبہ کرنے والوں کے گروہ میں شامل فرما:
 (۱۰) دھو سے فارغ ہو کر مسلمان اگر نوافل کا وقت ہے تو
 نوافل پڑھتا ہے بلا وقت و کلام مجید کرتا ہے ورنہ نہ فریضہ حیات
 کی بجا آوری کے لئے اپنے مکان سے باہر قدم رکھتا ہے اس وقت
 کے لئے بھی جناب نبی کریم صلعم سے دعائیں منقول ہیں۔ مثلاً
 بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اللہ کے
 نام سے، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور نہیں کوئی قوت و طاقت
 (کسی صفت سے بچانے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر۔
 آدمی کا گھریک طرح کا ماسن ہوتا ہے۔ انسان کو اپنے گھر میں طہانیت
 اور سکون حاصل ہوتا ہے لیکن یہ عافیت اور اس دسکون گھر سے
 باہر پھیر آنا مشکل ہی ہے۔ لہذا گھر سے قدم نکالتے وقت اس ذات
 کا نام لینا جس سے ہر طرح کا اسن و الجبہ ہے اس ذات پر توکل
 کرنا جو ہر طرح کے نفع و نقصان کی مالک ہے اور جس کی یاد ہی کے
 بغیر آدمی نہ کوئی نفع حاصل کر سکتا ہے اور نہ کسی ضرر سے بچ سکتا
 ہے۔ بہت ہی مناسب اور ضروری ہے، اور مومن کے تصور حیات
 کو تازہ رکھنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ اگر تصور حیات میں
 پر تازہ نہ ہو تو قوی اندیشہ ہے کہ آدمی کو اپنے گھر سے باہر نکل کر
 جو ہر قسم کے لوگوں اور ہزار قسم کے کاموں سے واسطہ پڑے گا
 ان میں وہ غلط رویہ اختیار کر بیٹھے اور مراط مستقیم سے ہٹ جائے
 (۱۱) اس کے بعد مومن سچ کا رخ کرتا ہے اپنے مالک کے دربار
 میں داخل ہونے وقت بھی اپنے تصور حیات کو تازہ کرتا ہے
 اور اپنے مالک سے اللہ کا نام ہے اللّٰهُمَّ فَخِّرْ بِيْ اَوْ اَبْرُءْ مِنْ خَلْقِكَ
 اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کو کھول دے مومن
 کا عقیدہ ہے کہ ہر طرح کی نعمتیں اور رحمتیں اللہ سے اور صرف اللہ
 سے ہی لے سکتی ہیں چنانچہ اور با خداوندی میں داخل ہونے وقت

پہلے دایاں پیر رکھتا ہے اور موقع کی مناسبت سے اپنے مالک
 کی بے پایاں رحمتوں کا طلبگار ہوتا ہے۔
 (۱۲) سوجن میں پھر کچھ آدمی نماز ادا کرنا، توبہ، استغفار اور تلاوت
 وغیرہ کے ذریعہ اپنے عقائد کو جلا دیتا ہے اپنے مالک سے اس کی رحمتیں
 مانگتا ہے آداب بندگی بجالاتا ہے۔ زندگی کے تمام مراحل میں طہانیت
 و فرمانبرداری کرنے کا عہد کرتا ہے۔ غلامی و بندگی کی زندگی گزارنے
 کا اقرار کرتا ہے اپنے گناہوں اور تصور مومن کی معافی چاہتا ہے۔
 خدا کے قانون سے واقفیت حاصل کرتا ہے، اور پھر واپسی پر پہلے
 دایاں قدم باہر رکھتے ہوئے ایک بار پھر اپنے تصور حیات کے نقوش
 ذہن میں ابھارتا ہے کہ اگر کچھ مل سکتا ہے تو اسی ذات سے ہوتا
 ہے مل سکتا ہے وہ کہتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے کہتا ہے۔
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ اے اللہ میں تیرے فضل کی چھیک
 مانگتا ہوں، تو اپنے فضل سے نوازا دے تو رہے قسمت۔
 (۱۳) سوجن سے آدمی پھر اپنے مکان واپس آتا ہے خدا کی حفاظت
 نگرانی اور اس کی یاد دہی کی ضرورت گھر کے باہر ہی نہیں
 ہے بلکہ ہر حال، ہر جگہ اور ہر وقت انسان کو خدا کی نگرانی ہے چنانچہ
 وہ سب بھی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو اپنے تصور زندگی کو تازہ
 کر لیتا ہے کہ گھر کے باہر ہی ان لوگوں اور کاموں سے واسطہ نہیں
 پڑتا جو انسان کو اس کے کچھ تصور حیات سے غافل کرنے والے
 اور غلط رویہ زندگی کی طرف لیجائے والے ہوتے ہیں بلکہ گھر میں
 بھی اس کی بروی اور بچے اور عیش کے سلمان اس کو غافل کرنے
 کے اسباب موجود ہوتے ہیں چنانچہ مومن اپنے مکان میں داخل
 ہوتے وقت کہتا ہے، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْوَجْهِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ
 بِسْمِ اللّٰهِ وَ كَيْفَا بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَ عَلَى اللّٰهِ مَرْتَبَاتُنَا اے
 اللہ میں تجھ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے خارج ہونے کی
 بہتری مانگتا ہوں، ہم اللہ کے نام پر داخل ہوئے اور اللہ ہی کے نام
 سے نکلے اور اپنے رب پر توکل کیا۔
 (۱۴) اس کے بعد آدمی ناستہ یا کھانا تناول کرتا ہے اس موقع
 پر بھی وہ اللہ کا نام لیکر اور بسم اللہ کہہ کر اپنے تصور زندگی کو تازہ
 کر لیتا ہے اور فارغ ہونے پر اللہ کا شکر ادا کر کے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
 اَلْحَمْدُ اَسْقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنْ الْمُسْلِمِیْنَ، سارے شکر کیے اور تمام

مروج پر اپنے تصور حیات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اب گھر کی
 کی سرتی ۶۴ گھنٹے کے بعد پھر وہیں پہنچ جاتی ہے جہاں ۶۴ گھنٹے
 پیشتر تھی۔ چنانچہ مومن بھی پھر حسب معمول اپنا کام سہہ کرتا اور
 مکہ کی عیند سوجاتا ہے۔ اور پھر یہ شب و روز اسی طرح گزرتے
 رہتے ہیں۔ رَبُّنَا الْعَلِيمُ -

<p>مسئلہ خلافت از مولانا ابوالکلام آزاد ساڑھے تین روپے</p>	<p>بہار و خواتین اسلام مجلد تین روپے</p>
<p>زر زنجیریت از سید جمال الدین افغانی دو روپے</p>	<p>قرآنی دستور انقلاب از مولانا سید اللہ سندھی ڈھائی روپے</p>
<p>عنون ان انقلاب سورہ فتح کی انقلابی تفسیر دو روپے</p>	<p>انتخاب صحاح ستہ آٹھ سوا احادیث کا پیش بہار و خواتین مجلد پانچ روپے</p>
<p>مکتبہ شبلی دیوبند (دیوبند)</p>	

(۱۱) **پیشہ و کالمت بریں و کالمت کی طرحی؟**
 مصنف کی سوانح حیات، نہایت دلچسپ اور
 معلومات سے لبریز۔ ایک انقلابی پیش کش ہے۔
 دوسرا ایڈیشن۔ مجلد، مائیکل خواجہ پورٹ صفحات ۱۲۰۔
 (قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

(۱۲) **آخرت اور اسلام**
 نہایت دلچسپ اور دلنشین ۱۱۱ ایمان
 صفحات ۶۴ قیمت دس آنے۔
 اسلام، مگر مجدد و کجسپ ناولی ہے
 عام رائے یہ ہے کہ شروع کر دینے
 کے بعد چھوڑنے کوئی نہیں چاہتا۔ مجلد، مائیکل خواجہ پورٹ
 صفحات ۷۲ قیمت تین روپے

ملنے کا پستہ
 مکتبہ روحانی دنیا بیسٹ روڈ لکھنؤ

دیہاتی معالج

اسیچ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ تقریباً ۱۰۰۰ جڑی بوٹیاں اور میوے لیا
 رکی ہیں جو عام طور پر بریاد اور ہر اکول میں پائی جاتی ہیں اور جو پورے پھر
 کے ساتھ ہم استعمال کر سکتے ہیں جن سے ان کی نوبت کی صدی بہاریوں کا علاج
 ہو سکتا ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں دیہاتی معالج پیش کیے گئے ہیں۔
 کتاب، اوتھوں میں ہے، حصہ اول میں صحت کے عام اصولوں کی
 معاملات، دوران حمل، زچہ اور دیہات میں عام طور پر پائی جانے والی ۳۱
 روٹوں اور جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے۔
 حصہ دوم، دوسرا انقلابی مذاقات اور میوے لیا کے علاج سے متعلق ہے۔
 جس میں ۵۰ انقلابی مذاقات اور ۲۰ میوے لیا کی جان اور ان کا علاج ۶۰ سے
 زیادہ افسار کے ساتھ نہایت سائنس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں ایک
 اہم باب کے ذریعہ بعض روٹوں اور میوے لیا کے جانے کا طریقہ بتایا ہے۔



ہمدرد روایات (دقنہ)
 دی - - - - - کانپور - - - - - چنڈ

دیہاتی معالج
 ہمدرد روایات (دقنہ)
 دیوبند اور کانپور
 تینوں زبانوں میں موجود ہے
 قیمت: حصہ اول تین روپے
 حصہ دوم ڈھائی روپے
 علاوہ محمولہ ٹیک

حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا دوسرے تمام صحابہ سے زیادہ زمانہ
میشہ کیا تبیں برس کی عمر سے حضور سرور کائنات کی وفات تک مسلسل تیس سال کا زمانہ پھر اکابر صحابہ میں حضرت علیؑ نے عمر خاصی طویل پائی.....
حضرت علیؑ وفات نبوی کے بعد تیس سال مسند ارشاد پر متمکن رہے غمخوارے ثلاثہ کی خلافت میں بھی اور اپنی خلافت میں بھی۔ خلفائے ثلاثہ کے
زمانے میں ارشاد و اقاوات کی مسند حضرت علیؑ کے سپرد تھی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ امام احمد رضاؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: "حضرت علیؑ نے اعتبار علم و فضل اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی
مہربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے سعادت فہم و دقیقہ سنجی اور انتقالِ دینی کے اوصاف حضرت علیؑ میں بدرجہ اتم موجود تھے؟"
ایک دفعہ سوال پیدا ہوا کہ محمد کج میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ: "بیشک
شکار ایسے شخص کے لیے جو احرام باندھے ہوئے نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ کا گمان تھا کہ اس احرام باندھے ہوئے شخص کو شکار کرنا منع ہے۔ احرام باندھے
ہوئے شخص کا گوشت کھانا ہے۔ حضرت علیؑ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو واقعات سنا دیئے، جن کی رو
سے احرام باندھے ہوئے شخص کے شکار کو وہ جانور کا گوشت بھی ناجائز تھا صحابہؓ کو واقعات یاد آگئے اور حضرت عثمانؓ نے تسلیم کر لیا کہ حضرت علیؑ
کی رائے ٹھیک ہے اور سفر حج میں شکار کا گوشت کھانے کھانے ہاتھ کھینچ لیا۔"

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں کسی زانیہ کا مقدمہ چل رہا تھا۔ زانیہ بچی تھی حضرت عمرؓ تیار تھے کہ اسے سزا دے دیں۔
حضرت علیؑ نے کہا: "بچے حدودِ شریعی سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اتفاق کر لیا، حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے: "أَفَضْنَا عَلِيًّا وَأَقْرَأْنَا ابْنِي....."
ہم میں بہترین حج علیؑ ہیں اور بہترین قادی ابیؑ۔"

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت علیؑ کے اس وصف کو سراہا ہے حضور کے الفاظ میں: "أَفَضْنَا هُوَ عَلِيٌّ حَضْرًا
نے حضرت علیؑ کو میں کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔" حضرت علیؑ کے فیصلے مدون کرنے کے نئے نئے اور نظائر کا کام دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت علیؑ کی عدالت میں چوری کا مقدمہ آیا۔ گواہوں کا بیان سماعت فرما کر حضرت علیؑ نے گواہوں سے کہا تمہاری گواہی اگر جھوٹی
ثابت ہوئی تو تمہیں سزا ملے گی اتنا کہا اور دوسرے کاموں میں مصروف چھ گئے۔ کام ختم کر کے دیکھا تو گواہ غائب تھے۔ حضرت علیؑ نے ملازم کو بری کر دیا۔
حضرت علیؑ کی نظر احکام اسلام کے علی پہلوؤں پر بہت دبا کرتی تھیں۔ صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ حضرت علیؑ نے ہدایت کرتے رہتے تھے کہ:-
"لوگوں سے ایسی بات کہو جسے وہ سمجھ سکیں ایسی بات مت کہو جو ان کی سمجھ سے بالا ہو اور وہ اللہ اور اللہ کے رسول کو جھٹلانے بیٹھا جائیں۔" مطلب یہ ہے کہ
ہر انسان مصالحِ الہی کے سمجھنے کی یکساں عقل نہیں رکھتا۔ ہاں اپنی عقل کو معیار بنا کر اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں ہیں چنانچہ ضرور شروع کرتا ہے،
لہذا لوگوں سے اتنی ہی بات کہنی مناسب ہے جتنی وہ سمجھ سکیں۔

سورۃ برات نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہ میں بحیثیت امیر حج تشریف فرما تھے صحابہؓ نے کہا یہ اچھا موقع ہے سورۃ برات کو ابوبکرؓ
کے پاس بھجودیتے تاکہ وہ اسے حج میں سنا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے پھر حضرت علیؑ کو حکم
دیا کہ تم مکہ جاؤ اور سورۃ سناؤ اور اعلان کر دو کہ آئندہ کوئی مشرک حج کرنے کے لئے اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

ہجرت کے وقت حضرت علیؑ کا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ سوجانا اور اپنے تئیں انتہائی خطرے میں ڈالنا ایمان اور
ہمت کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔ حضور سرور کائنات نے مسلمانوں کو ایک ایک کر کے مدینے بھیج دیا تھا۔ مکہ میں حضورؐ رو گئے تھے یا گئے تھے چند فضلی
مشرکوں نے سوچا حضورؐ مدینے جا پہنچے تو مسلمان طاقت پر الیں گے لہذا حضورؐ کو مدینہ نہ بھیجے دیا جائے۔ مشرکوں نے حضورؐ کے مکان کو گھیر لیا۔
حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی نگہ لٹا دیا تاکہ مشرک سمجھیں کہ حضورؐ لیٹے ہیں اور حضورؐ رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو گھیر لیا کہ وہ کھیل کھیلے

ہوئے اور صبح ہوتے ہوتے کہیں کے کہیں پہنچ گئے مشرکین نے صبح کا وقت ہلے بولنے کا مقرر کر رکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کا اشارہ ایک سے ایک بڑھ کر رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا ٹٹھالے میں یہ دل گرہ تھا اور حضرت علیؓ نے بائیس تیس سال کی عمر میں جان کی بازی لگا دی تھی حضورؐ نے حضرت علیؓ کے سپرد ایک کام اور کیا تھا کہ آپ کے پاس لوگوں کی جتنی امانتیں تھیں وہ انھیں پہنچا دیں۔

حضرت علیؓ ابتدا سے حضورؐ کے جاں نثار تھے۔ بعثت کے چوتھے سال حکم آیا کہ اب پوشیدہ طریقہ اور خاص خاص لوگوں کو ترغیب دینے کا دور ختم کیجئے اور اعلانِ دعوت دیجئے، **وَانذِرْ عَشِيْرَتِكَ الْاَقْرَبِيْنَ** اور (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو رعب الہی سے ڈرائیے۔ چنانچہ حضورؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر خطاب فرمایا اور پھر چالیس آدمیوں کو کھلانے پر بلایا۔ اور ان سے کہا کہ میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا معادلوں مددگار بنتا ہے اس کے عتاب میں صرف ایک آواز بلند ہوئی، اور وہ حضرت علیؓ کی آواز تھی حضرت علیؓ نے جواب دیا گو میں عمر میں چھوٹا اور کمزور ہوں تاہم میں آپ کا معادلوں مددگار ہوں گا حضورؐ نے حاضرین کو دوبارہ اور سہارہ مخاطب کیا لیکن ہر بار حضرت علیؓ ہی بولے۔

حضرت علیؓ کی شجاعت مشہور ہے غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ خیبر اور غزوہ حنین کون سا موقع تھا جہاں حضرت علیؓ نے..... دادِ شجاعت نہیں لی۔ شمشیر زنی میں حضرت علیؓ کی تائید روزگار تھی۔

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ نے اپنے ذمہ قابل ولید کا صرف ایک ہی وار میں خاتمہ کر دیا اور پھر مصیبت کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی مدد کی، جنہیں شیبہ نے دبا لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھوں شیبہ بھی مارا گیا یہ دیکھ کر تمام مشرک ایک دم میدان میں دوڑ پڑے مسلمان بھی سب نکل گئے، اور لگسار کی جنگ ہونے لگی۔ حضرت علیؓ نے لگسار کی جنگ میں بھی صفیں کی صفیں کاٹ کر ڈال دیں۔

غزوہ احد میں حضورؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار دن بلان مبارک شہید ہو گئے تھے اور حضورؐ مغشٹ کھا کر ایک گڑھے میں گر گئے تھے مشرکین نے اس گڑھے کا رخ کیا تو پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ نے انھیں رکا اور جب وہ روکنے روکنے شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ نے ان گڑھے میں آ کر ایسا ارٹے کہ مشرکین کے چھکنے پھیرا دیئے۔ مشرکین کا زور کچھ ٹوٹا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کی مدد سے حضورؐ کو پہاڑ پر لے گئے جہاں حضرت علیؓ نے حضورؐ کے زخم دھوئے۔ حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے اور حضرت فاطمہؓ زخموں کو صاف کر رہی تھیں۔ زخم صاف کر کے چٹائی بچلائی، اور اس کی ایک سے زخموں کے ستر بند کر دیئے۔

غزوہ خندق میں مشرکین کے سردار عمرو بن عبدو نے (جس کا دعویٰ تھا کہ میں اکیلا ہزار پر بھاری ہوں) حقارت سے کہا، علیؓ اقم ہو..... میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، تم نہ کرو، میں تو تمہیں قتل کر دوں گا عمرو بن عبدو دنگوڑے پر سوار تھا گھوڑے پر سے اتر پڑا اور بولا کہ میں پیدل سے پیدل جو کر لوں گا۔ ذوالفقار حیدر کی جھلی کی مانند جھکی اور اس کے زخمین ہستی پر گر پڑی۔

غزوہ خیبر میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی حضورؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اکلِ فطم ایسے شخص کو دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ بھی اسے محبوب رکھتے ہیں فتح خیبر اسی کے نصیب میں لکھی ہے۔

ہر صحابی کی تمنا تھی کہ یہ عزت مجھے ملے حضرت علیؓ سخت آشوبِ چشم میں مبتلا تھے اس لئے ان کی طرف صحابہ کا دھیان نہیں سارا ہوا تھا۔ مگر صبح حضورؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مل دیا۔ آنکھیں اچھی ہو گئیں اور حضرت علیؓ نے خیبر فتح کر لیا۔

غزوہ حنین میں جو صحابی ثامت قدم رہے تھے ان سب میں حضرت علیؓ نمایاں تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سلجھا لیا اور غنیمت کے کمانڈر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور مسلمانوں کے منتشر اور پرگندہ ہوجانے کے باوجود دشمنوں نے شکست کھائی، مکہ سے بے بسی کے ساتھ نکلے ہوئے مسلمان آٹھ سال بعد حجاب کا مران ہو کر مکہ میں داخل ہوئے ہیں تب بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھوں تھا

خانہ کعبہ کے ایک بلند قدامت بت کو ٹوٹنے کے لئے حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے کندھوں پر چڑھایا تھا۔

اسلام کی اشاعت میں حضرت علیؑ کو اللہ وجہہ کا بڑا حصہ ہے۔ زہد و تقویٰ، امانت و دیانت، عبادت و ریاضت، تواضع، سخاوت، حین سلوک غرض ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو عطا فرمائی تھی۔

خطابت کی شان ملاحظہ کیجئے ایک خطبہ کا متن اساترجمہ درت ذیل کرتا ہوں، حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

”جہاد بہشت کے بہت سے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد سے انخاص برتنے والوں کو

اللہ دولت کا مژہ چکھاتا ہے اور دولت کا لباس پہناتا ہے، انھیں دشمن کی دست درازی سے سابقہ ڈٹواتا ہے

میں نے تمہیں دن رات ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور کہا کہ ان کے حاکم کرنے سے پہلے

تم ان پر حملہ کرو۔ دشمن ہمارے گھروں تک پہنچ گیا تو رسوائی ہوگی، دشمن کا حوصلہ مت بڑھاؤ مگر تم نے

ایک نہ سنی۔۔۔۔۔۔ موسم سرما میں جاڑے پالے کا عذر بنا۔ موسم گرما میں گرمی کی شدت مانع

رہی یہ سب موت سے بھاگنے کے حیلے ہیں تم سر دی اور گرمی کی نہیں ڈرتے، موت سے ڈرتے ہو

دشمن کا اعرا بطل میں اتحاد اور تمہاری امر حق سے برگشتگی کتنی حیرت ناک ہے۔ یہ کیفیت دل کو

مردہ کئے دیتی ہے۔ اب تم نشانہ بن گئے ہو، اب تم اپنے اوپر تیر برسواؤ گے، دشمن یہ تیر نہیں برسواؤ گے

لئے مرد و مرد نہیں، مرد کی تصویر !! اور لے پھون اور عورتوں کی سی سمجھ رکھنے والو!!! اللہ کی قسم

میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے تمہارے درمیان سے بٹلے اور موت دیکر اپنی رحمت سے سرفراز کرے،

کاش تم سے میرا واسطہ نہ پڑتا !!

حضرت علیؑ نصف اول کے مفسرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے جو عہد صحابہ کے دو بظہیر مفسر تھے۔

قرآن مجید سے مسائل مستنبط کرنے میں حضرت علیؑ اپنا جواب آپؐ تھے عقل و فہمہ سخی میں دیر نہیں لگاتی تھی معاذ ذہن منقل ہوتا تھا۔

خواجہ کا مذہب ہے کہ حکم فقط اللہ ہے انسان کو حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا قرآن مجید میں ہے کہ میں نبی اپنے اختلافات

آپؐ نے نہ کر سکیں تو دونوں کی جانب سے کسی کو حکم بناؤ تاکہ وہ طے کر دے۔ تو قوم کیا اللہ کے نزدیک ایک مرد اور ایک عورت سے بھی گئی گزری ہے

جو قوم کا حکم انسان کو بنانے کی التجا ہادت نہ دے گا۔

مسائل کے لحاظ سے بھی بعض احکام اسلام میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں حضرت علیؑ ان تبدیلیوں کے خاص عالم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سوخ حکم

کو نسا ہے اور ناسخ حکم کو نسا ہے اور حضرت علیؑ کی حمایت کئی کربانج و منسوخ کو جاننے بغیر و حفظ و تلقین نہ کر دے۔

علم تجلی کے موجد و مؤسس اعلیٰ حضرت علیؑ ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ایک اعجاز تھا کہ آپؐ سے جو بیٹنا قریب رہا وہ اتنا ہی آپؐ کے اوصاف سے متاثر و متصف

ہو گیا۔ پارس لوہے کو سونا بناتا ہے پارس نہیں بناتا۔ مگر حضورؐ نے وادی غیر ذی زرع کے علم اور تہذیب سے عاری لوگوں کو ہم نشین بنا کر پارس بنا

دیا صحابہ پیغمبر نہیں تھے، لیکن اگر پیغمبری ختم نہ کر دی جاتی تو پیغمبر ان صحابہ ہی میں سے ہوتے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بابت حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر

لہ و ان خفتم شقاق بئینہما فایعشوا حکماً قن اھلہم و حکمنا من اھلہم الحج۔ اگر تمہیں کبھی کہیں

ان دونوں (یعنی کسی میں ہوئی) کے درمیان نا اطمینانی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد و ایک حکم عورت والوں میں سے معرر کر لو۔

پھر سے بعد پھر کی جلی سکتی تو عمرہ کو ملتی۔ حضرت علیؑ کی بابت حضور نے فرمایا کہ علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جسے ہوئی علیہ السلام سے ہارون کو تھی۔ اللہ اور اللہ کی شان سے بے خیر ماہرین علم الحیات اور ماہرین علم النفس کی سمجھ میں اب تک نہیں آیا ہے کہ انسان جنینس (GENIUS) کیسے ہو جاتا ہے وہ ہمارے آقا و پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کردہ حضرات کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جو جنینس (GENIUS) پیدا نہیں ہوئے تھے مگر اسی ترین سطح سے اچھکے انسانیت کی اس بلندی پر پہنچ گئے تھے جہاں کوئی غیر پتھر نہیں پہنچ سکا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کے صحابیوں میں ایسا نہ ہوئی اور علیؑ انقلاب نہیں پائے گا۔

اپا بوجی فارغ (APOLOGY FOR MOHAMMAD) کا مصنف گاڈ فرے ہنگس صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں لکھتا ہے۔

”محمد (صلعم) کے پیروؤں کی اسی کیفیت تھی (علیہ السلام) کے حواریوں میں تلاش کرنی فضول ہے جب ان حواریوں کا پیشوا موت کے پنجے میں گرفتار تھا اور صلیب اس کی منتظر تھی تو حواری اپنی اپنی جاتیں بچانے کی سوچ رہے تھے۔ اس کے برعکس محمد (صلعم) کے رفقاء نے محمد (صلعم) پر جہاں نثار کر کے محمد (صلعم) کو دشمنوں پر غالب کیا.....“

اس کے بعد گاڈ فرے ہنگس جنگ احد کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کس طرح جان کی بازی لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔ نظریں اس واقعہ کو اوپر اٹھ چکے ہیں۔

حضرت صلی علیہ السلام کے صحابیوں سے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے جنہوں نے کہہ دیا تھا۔ - فَادْهَبْ اَنْتَ وَرَبَّكَ فَقَاتِلْ اِنَّا هُنَا قَاعِلُونَ اے موسیٰ! آپ اور آپ کے اللہ میاں تشریف لے جائیں اور دشمنوں سے لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی کسی کہنے کہ ہمارے واسطے اللہ کا بت بنا دیجئے کبھی کہتے ہیں اللہ کو دکھا دیجئے کبھی مصنوعی بچھڑے کی پوجا کرنے لگتے۔ مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں ایسے حضرات ہیں کہ قبل اسلام ”پڑوسیوں کے مٹا دیے چلے گئے۔ اور ان کا دودھ دوہتے تھے؟“ (تاریخ الاسلام شاہ معین الدین احمد صفحہ ۱۴۲) لیکن بعد اسلام حضورؐ کی ہم نشین نے ان کی زندگی کو ”ملکی انتظام مالی انتظام فوجی نظام ذمیوں وغیر مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت، تحفظ دین، علمی کمالات اور فتوحات وغیرہ“ عنوانوں سے جگمگا دیا۔ تاریخ اسلام حضرت علیؑ نے چند جینے اور بعض کے بیان کے مطابق چند دن حضرت ابوبکرؓ سے بیعت نہیں کی تھی۔ ہم عام صحابہ کے متعلق ابھی ابھی اپنے اشارات ظاہر کر چکے ہیں، بیعت کی اس تاخیر کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؑ جیسے اکابر اور مقرب صحابیوں سے کیونکر بیگانہ ہو جائیں... ہمارے سامنے تو حضرت خالد بن ولیدؓ کی مثال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں میلان جنگ میں کمانڈری سے معزول کر دیا۔ اور کہا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے ماتحت کام کرو۔ اور حضرت خالدؓ کی تیوی پرل نہیں آیا۔ ان کا جذبہ خدمت اسلام کم نہیں ہوا۔ ان کے کام کی رفتار نہیں گھٹی، پھر کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ تو بے نفس تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے اقتدار کی خاطر حضرت علیؑ کا حق غصب کر لیا۔ اور حضرت علیؑ نے اقتدار کی بحروی برداشت کر سکے اور روٹھ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ کیا وہ دونوں ہم جیسے انسان تھے؟ ہمیں تو حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے دوران یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ”ابوبکرؓ کے ہم شیر تھے اور ہمارے شیر قوم۔“

خلافت و امامت یقیناً بڑے رتبہ اور درجہ کی چیز ہے اور بڑی سعادت کی بات ہے۔ نبوت بزرگ اور خلافت و امامت بزرگوں۔ لیکن اگر نفسانیت کی آمیزش ہو جائے تو وہ خلافت و امامت نہیں رہتی بادشاہت بن جاتی ہے۔ ہم ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمان اور علیؑ کو بادشاہت۔ کا شائق نہیں مان سکتے حضرت ابوبکرؓ کا حلوے کی لاگت کے برابر اپنے ماہانہ وظیفہ میں سے پیسے گھٹا دینا، اور وفات کے وقت قرآن کا مجھے نیا کفن نہ

دیا جائے۔ روزہ مردوں کی بہ نسبت نئے پتروں کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت عمرؓ کا گھوڑا دکھانا کیوں کہ ساری قوم گھوڑوں نہیں کھا سکتی تھی اور حضرت عثمانؓ کا بیت المال سے ایک پیسہ نہ لینا، اور حضرت علیؓ کا بچتہ مکان میں ٹھہرنے سے انکا وکیا بادشاہوں کا کردار ہے؟ بادشاہت کے شوقین کیا فقیرانہ زندگی بسر کیا کرتے ہیں؟

یاد کیجئے اس واقعہ کو، حضرت علیؓ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادہ دانی کر رہے ہیں۔ ایک دن باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا، حضورؐ کا کیا حال ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ حضرت عباسؓ نے بولے، تمہارا اندازہ صحیح نہیں، میں خاندان عبدالمطلب کے مرتے وقت کے چہرے پہناتا ہوں اور چلو حضورؐ سے عرض کریں کہ خلافت کی وصیت کر دیجیے حضرت علیؓ نے فرمایا، اس وقت یہ قصہ چھڑانا نامناسب ہے۔ یہ کہنا بھی نہایت نامناسب اور حضرت علیؓ کی توہین ہے کہ حضرت علیؓ نے لقمہ کر رکھا تھا۔ دل سے غلغلے سے ملا ڈر کے ساتھ نہیں تھے۔ ڈر کے ماسے ساتھ تھے وہ علیؓ جن کے کالوں میں ارشاد رسول افضل الجہاد کا عہدۃ اللیق مند سلطان جابر سلطان جابر کے سامنے کلمۃ الحق کہنا... فضل الجہاد ہے، گو نہ جہاد ہوگا، حضرت ابو بکرؓ جیسے نرم دل انسان سے کلہا جی کہتے ڈرتے تھے۔ اور ایک معمولی صحابی زید جیسے سخت دل شخص سے کہہ سکتے تھے کہ تو حسینؓ کے کئے ہوئے سر کے ساتھ برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ حسینؓ کے دانتوں کو چھڑی چھو رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دانتوں پر اپنے ہونٹ رکھا کرتے تھے اور انھیں چوما کرتے تھے۔

خلیفہ کا فرض حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں کو قائم رکھنا یعنی اقامت دین ہے حضور جن کاموں کے لئے مامور ہوئے تھے خلفائے راشدین نے اپنی زندگیوں انھیں کاموں کے واسطے وقف کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ صرف خلفائے راشدین نہیں بلکہ کل مہاجرین اولین کی شان میں فرماتا ہے، **الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَنزَلْنَا لَهُمُ الْوِثْقَةَ الْإِسْمَاءِ (یہ) وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین پر قابض کر دیا (اور حکومت دے دیں) تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔"**

خلیفہ رسول اور امام مسلمین کا رتبہ اور درجہ عام مسلمانوں سے اونچا ہے، حضرت علیؓ ذاتی اقتدار کے بھوکے ہوتے تو صحابہ کی اکثریت انھیں چوتھا خلیفہ بھی منظور نہ کرتی، خلیفہ منظور کر لینا ان کی برگزینی اور صدیقیت کی دلیل ہے۔ حضرت علیؓ کو اللہ دجہر ان دس صحابوں میں نہیں جنھیں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

حضرت علیؓ اگر چھپلے دوسرے یا تیسرے خلیفہ ہو جاتے تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں خلافت سے محروم رہ جاتے، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور ان تینوں کی رحلت حضرت علیؓ سے قبل مقدر تھی، ان تینوں کے شروع میں خلیفہ ہو جانے لے حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں ہی سعادت خلافت کے مستحق تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ تم ابو بکرؓ کو امیر بناؤ گے تو انھیں آنحضرتؐ کا شائق اور دنیا سے حقارت کرنا والا پاؤ گے اور عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو وہ قوی اور امین اور اللہ کے معاملہ میں ملامت سے نہ ڈرنے والے ثابت ہوں گے اور علیؓ کو امیر بناؤ گے تو انھیں ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔

حضرت علیؓ کی تاخیر بیعت کو اہمیت دینے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، اہمیت دینے کے لائق وہ فتنہ تھا جو بنا انھیں نے برپا کیا تھا کہ انصاریوں کو ابھار دیا کہ ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو اور انصار اور غلغلے میں آگئے۔ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں سونت لیں، کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نہ جاسیجے، حضرت ابو بکرؓ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائی، **الْأَمَّةُ مِنْ الْفَتْشِ قَبْلِشِ** امام (یا خلیفہ) قریش (یعنی مکہ والوں) میں سے مقرر کرنا چاہیے، اس حدیث کا سننا تھا کہ سب کی گردنیں جھک گئیں، حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکرؓ سے کہا ہاتھ لائیے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں اور پھر تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

یہ روایت بھی ان چھوٹی ریزوں میں سے ایک ہے جو بزرگ خلیفہ محمدؐ کی تھی، یہ زید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی توہین کیا کرتا جبکہ ممر لائے وائے بڑاس کا حق و قصہ مقبول روایات سے ثابت ہے (تقریر)

ابن سعد نے محمد بن سیرین کی روایت نقل کی ہے کہ جب ابو بکر جھلیفہ ہوئے اور علیؑ نے بیعت میں تاخیر کی اور غار نشین رہے تو ابو بکر نے پوچھا یا کہہ تاخیر کا سبب کیا ہے کیا آپ میری امارت پسند نہیں کرتے؟ علیؑ نے جواب میں کہا: میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک قرآن صحیح نہ کر لوں گا نماز کے سوا اور کسی کام کے واسطے اپنی جاؤں نہیں اڑھوں گا، الما ابو بکر ابو بکر اللہ علی فی بیعتہ وجلس فی بیتہ۔ فیعت الیہ ابو بکر ما انطا یسع عقی۔ اگر ہت امارتی۔ قال علی ما کرہت امارتک ولکن الیبت ان لا ارتدای روحائی الا الی صلتی حتی اجمع المقات (طبقات ابن سعد)۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک طوفان مہیمان نبوت کا اٹھا تھا۔ سیلہ کذاب اور سوسنی کی عقلیں تو۔۔۔ حضورؐ کی موجودگی ہی میں چکر لے لگی تھیں لیکن حضورؐ موجود نہ رہے تو متعدد حکیم اور استو پیلا ہو گئے مرنے تو مرد و عورتوں کے سروں میں بھی کیڑے کھیلنا سے سماج جنت حارہ تہمتیہ نے نذر شور سے نبوت کا دعویٰ کیا اس نے دعویٰ کر کے مسکے سے شادی کر لی تاکہ دونوں مہیمان نبوت کی قوت یکجا ہو جائے، یہ مرض دبا کی طرح پھیل رہا تھا، اس کے انسداد کی طرف حضرت ابو بکرؓ نے توجہ کی تو سب سے پہلے حضرت علیؑ کو انسدادی اہم کام سرور تجویز کیا گیا، اگر حضرت علیؑ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے قرآن صحیح کرنے کے کام میں مصروف تھے، لہذا حضرت خالد بن ولیدؓ ان کی جگہ سے بھی گئے، بہر حال حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؑ کے دلوں کی صفائی اتنی ہی بات سے ظاہر ہے۔ دلوں میں فرق ہونا تو حضرت علیؑ کا نام کیوں پیش کیا جاتا۔

اس نوع کے واقعات ابتداء سے حضورؐ میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں کسی زانیہ کا مقدمہ ہو رہا تھا، زانیہ نگلی تھی، حضرت عمرؓ تیار تھے کہ اسے سزا دے دیں مگر حضرت علیؑ نے کہا کہ اگلے صدمہ شہری سے مستثنیٰ ہیں اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے فوراً اتفاق کر لیا یا حضرت عثمانؓ موم چ میں نکار کا گوشت کھانا جائز نہ ہے تھے بشرطیکہ شکار ایسے شخص نے کیا ہو جو حرام باندھے ہوئے نہ ہو۔ حضرت علیؑ نے بھی لیا تو حضرت عثمانؓ مان گئے، اب دوسری نوع کے واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابو بکرؓ کو شام پر فوج کشی کا جس وقت خیال آیا ہے تو صحابہ ان کے خیال سے متفق نہیں تھے، لیکن حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید کی اور فوج کشی ہوئی۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب کبھی کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ اہل الرائے اور عقیدے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے عمر، عثمان، علی، عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت جیسے ممتاز شخصوں کو بلاتے تھے، یہ سب بزرگ شہرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فوت ہو چکے تھے، ان باہر ان صدیق کا ان اذ انزل بہ اور یہ یہ مشا ورت اہل الرائے و اہل الفقتہ و دعا رجالات من المهاجرین و الانصار دعا عمر و عثمان و علیا و عبد الرحمن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت۔ کل حق لا یرضی فی خلافتہ ابی بکر۔ حضرت ابو بکرؓ نے اقرار کا حکم کیا تھا جسکے مذہب بالاحضرات کہتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ علت اہل علیؑ کے متعلق متلا ہے۔ اہل عرب کے لئے یہ بالکل اٹکھا جرم تھا، اس کی سزا قرآن میں ہے حد حد میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت علیؑ کی رائے منظور کر لی۔

حضرت عمرؓ سے بیعت کرنے میں حضرت علیؑ نے تھوڑی بہت بھی دیر نہیں کی تھی۔ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی اسی آن تسلیم کر لیا تھا، اور عمرؓ نے حضرت علیؑ کو جو فتنے بیعت کی اور حضرت علیؑ نے اپنا ہاتھ بٹھایا، حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے والوں میں حضرت علیؑ کا دوسرا نمبر تھا۔

تخلی پذیر اور ترقی یافتہ اور زندہ قوموں میں ایکشن کی ہر جیت کجکل ایسی نفس کی جاتی ہے جیسی کرکٹ یا فٹ بال کے میچوں کی ہر جیت.....

اسپورٹس مین کے مثل (SPORTSMAN LIKE) ہونا انسانی مجالس میں شمار ہوتا ہے۔ تو صحابہ تو محض ترقی پذیر اور ترقی یافتہ نہیں تھے۔ خدا شناس بھی تھے۔ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس گئے ہیں تو کاروبار خلافت حضرت علیؓ نے سنبھالا تھا۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے دست راست ہے اور حضرت عثمانؓ کی مدد میں بھی انھوں نے کبھی غل نہیں برتا۔ حضرت عثمانؓ کے بعض عمال سے حضرت علیؓ نے کوبے شک شکایتیں تھیں لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف حضرت علیؓ نے کواکب لفظ نہیں دکھایا جاسکتا۔

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ میرے زماہ خلافت میں شورش کیوں ہو رہی ہے اور منگالے کیوں برپا ہیں؟ اور شورش وہ منگالے کس طرح درد کیا جائے؟ حضرت علیؓ نے نہایت اخلاص سے جواب دیا کہ یہ سب آپ کے عمال کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا عمال کے تصرف میں معیار وہی ملنا گیا ہے جو عمر فاروقؓ رہا کا تھا۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ یہ بالکل درست ہے مگر عمر فاروقؓ کی کئی گرفت بھی تو ہونی چاہیے عمال کی کیل ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ برخلاف اس کے آپ بجز نرم دل ہیں، آپ کے عمال آپ کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہیں عمال کی حرکتوں کی آپ کو خبر نہیں ہونے پاتی اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے آپ خواہ مخواہ بد وقت بن جاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ایک دوسرے سے کتنا جن ملن رکھتے تھے وہ اس واقعہ سے خوب ظاہر ہوتا ہے انتخاب کے وقت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے الگ الگ سوال کیا گیا کہ بالفرض خلافت کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کے جواز ناموں میں سے آپ کا نام حذف کر دیا جائے تو آپ کے متحنی خلافت سمجھتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کا۔

حضرت عثمانؓ کا جب محاصرہ ہوا ہے اور دانا پانی بند کیا گیا ہے تو انھوں نے حضرت علیؓ کو بلا لیا تھا۔ اور حضرت علیؓ گئے تھے۔ لیکن باغیوں نے جس طرح ائمہ المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو روکا تھا بوجھلے پینے کی چیزیں لیکر حضرت عثمانؓ تک پہنچا چاہتی تھیں، اسی طرح حضرت علیؓ کو اندھا جانے نہیں دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنا سایہ عمامہ اتارا اور حضرت عثمانؓ کے قاصد سے کہا یہ لے جاؤ اور حالت بناؤ۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کو دروازہ پر چھوڑ دیا کہ کھڑے رہو اور عثمانؓ کے مکان کا پہرہ دو۔ دو۔ حملہ کے وقت حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کے زخم بھی آئے تھے۔

باغی کسی کا کیا نہیں سکتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سعد بن ذقانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سمجھانے والوں میں کون نہیں تھا۔

ایک مرتبہ انہی حضرت علیؓ ہی کے سمجھانے بچھانے اور اصلاحات کا یقین دلانے سے واپس چلے گئے تھے لیکن راستے میں مروان کا قاصد ملا، جو مصر کے گورنر کے نام وہ خط لے جا رہا تھا جس کے اقبلوا پر ب کا نقطہ نہیں لگا گیا تھا اور جوا اقبلوا بھی پڑھا جاسکتا تھا، بس اس بات نے ہی باغیوں کے تن بدن میں آگ لگا دی اور باغی بے قابو ہو گئے۔

جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا تو حضرت علیؓ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو مارا اور محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں باغی کیسے گھر میں گھس سکے۔ حالانکہ امام حسنؓ اور حسینؓ باغیوں کو روکنے کی وجہ سے زخمی تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد منہ خلافت تین دن تک خالی پڑی رہی اور حضرت علیؓ نے خلیفہ بننے سے انکار کرتے رہے۔ آخر تیسرے دن صحابہ کے ہر رے سے مجبور ہو کر یہ باغران اٹھالیا۔

مسند نشین خلافت ہو کر حضرت علیؓ نے قاتلان عثمانؓ کا پتہ چلانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ بی بی مائدہؓ نے بتایا کہ محمد بن ابی بکرؓ آئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کہا کہ تمھاری گستاخی کو تمھارے باپ زندہ ہونے تو ہرگز پسند نہ کرتے تو محمد بن ابی بکرؓ کے پھر کچھ نہیں کیا۔ دو آدمی آئے تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا، جنھیں نہ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ پہچانتی تھیں اور نہ محمد بن ابی بکرؓ ہی پہچانتے تھے۔ گرفت کر کے تو کسے؟ اور مزاحیہ تو کسے دیتے؟ لیکن اتنی صفائی سے کیا جوتا تھا۔

۱۔ ہم سمجھتے ہیں یہ والے کا کھل تصور نہیں۔ پچھلے تینوں دفعات میں صحابہ ہی کے اصرار و اتھاس پر خلافت قبول کی تھی لیکن حضرت علیؓ کے قبول خلافت (قیوم محمدی ۱۹۷۷ء)

حضرت عثمان کی خلافت چھ برس تک باطل اس نقشے کے مطابق چلی جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دہانے میں تھا۔ چھ برس بڑی کامیابی کے ساتھ گزرے، لیکن ساتویں برس سے نقشہ بگڑ گیا، جمال خود مٹ گیا اور عثمانی عصیت پھر ابھر آئی، اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخر میں اس نے ایسا زور پکڑا کہ حضرت علیؓ کا سارا دور خلافت اسی زور کے دہانے میں صرف ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ، اور بی بی نائکہؓ کی انگلیاں جو مداخلت کرتے ہوئے کئی سختیوں اور معاویہؓ کے پاس شام پہنچ گئی تھیں۔ انھوں نے ان چیزوں سے کام لیا، اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینبؓ کے میرے بھائی محمد بن ابی بکر سے قصاص لو۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی نائکہؓ کی گواہی کے بعد اس کے واسطے تیار نہ ہوئے تو حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی میلن میں آگئے۔ یہ جنگ، جنگ جمل کہلاتی ہے حضرت عائشہؓ اس کی سالار تھیں۔

جنگ جمل ہو چکی تو حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے کوفہ چلے گئے اور کوفہ کو دار الحکومت بنا لیا تاکہ پھر کسی کوئی ہنگامہ پچھے تو حرم نبوی اور مدینہ کی پاک زمین اس سے ملوث نہ ہو۔

کوفہ میں قیام کر کے حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ تم اگر عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتے ہو تو پہلے میری بیعت کر لو اور پھر مقدمہ پیش کرو میں قرآن و سنت کے بموجب فیصلہ کروں گا۔ امیر معاویہ نے جواب دیا کہ، "قاتلان عثمانؓ کے پیلے طے چاہئیں بیعت بعد میں ہوگی"۔ اس پر ہزار ہا آدمیوں نے غل بجا دیا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں، حضرت علیؓ نے قاصد ابو سلمہؓ سے فرمایا کہ اتنے آدمیوں کو کس طرح تمھارے عالمہ کر سکتا ہوں اور امیر معاویہؓ کو دوبارہ لکھا کہ خدمت کرو، لیکن وہ نہ مانے اور جنگ صحنیں ہو کر رہی۔ فرقہ خوارج اسی جنگ کا شہ ہے، خوارج کی سرکوفی کے لئے مگر کہ نہروان ہوا، غرض کہ اندرونی شورشوں اور ہنگاموں نے حضرت علیؓ کو اس کی مہلت نہیں دی کہ فتوحات کر سکتے چنانچہ بیچ سالہ دور خلافت میں ایک دن بھی سکون و اطمینان کا نہ ملا، تاہم ملکی نظم و نسق اور عدالت کی نگرانی سے حضرت علیؓ دار غافل نہیں رہے، بائیس برس سے قریب انرا بھی نہ بچتے تھے، صیغہ محاصل کی اصلاح کی، نادران اور مندروں کو بڑی مدد دی، زمینوں و دیو مسلمہ عیالہ کے ساتھ شفقت کا بڑا ڈالیا، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی غرض سے مستحکم قلعے بنوائے، فوجی جوکیاں قائم کیں، اخلاقی نگرانی کا خاص خیال رکھا۔

بقیہ تاریخ کو ختم کا معاملہ اس سے بہت مختلف ہے۔ جس وقت باقی یعنی قاتلین عثمان ہی فیصلہ کرتے تھے جوئے ہوں، دار السلطنت پر ان کا تسلط ہو، امیر معاویہؓ میں مفسدین مصر کا سربراہ امامت کر رہا ہوا اور ابالیمان مدینہ کے سروں پر تلوار اٹکی ہو، صحابہ کے اصرار اور دشمنوں سے کسی کے خلیفہ بننے دین نے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہتا ہوں چاہتے کہ جب قاتلین عثمان نے حضرت علیؓ سے خلیفہ بننے کی استدعا کی ایسی استدعا میں کے بین السطور میں طاقت، دھمکی اور تحریف تھی۔ تو بعض صحابہ نے بھی یہی بہتہ سمجھا کہ اس استدعا کو قبول کر کے مزید فتنہ و شورش کا دہرا واہ بند کیا جائے۔ ایسا نہ کیا جاتا تو سوائے اس کے کیا ہوتا کہ باغیوں میں نکلے کوئی تخت خلافت پر دندا تا یا حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کو شاہ شہنشاہ کی قرینت کا خلیفہ بنا دیا جاتا۔ اس سے تو ہر آنیز یہی اچھا معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ہی خلافت قبول کر لیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس وقت کتنے ہی صحابہ تو مختلف صوبوں اور سرحدوں کے انتظامات میں مدینے سے بیرون تھے کتنے ہی راج کی خاطر مکہ معظمہ قیام پذیر تھے کتنے ہی فتنہ و شورش کا بازار گرم دیکھ کر اصرار نہ رکھ گئے تھے۔ پھر جب بیعت علیؓ کا مرحلہ آیا تو حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ کو بھی شامل ہی رہا، طلحہؓ و زبیرؓ نے بیعت کی بھی تو تلوار کی لوک پر جو قبیل ہی مدت بعد توڑ دی گئی۔ حتیٰ کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے بالمشابہ یا قاعدہ لشکر کشی کی (تجلی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

محمد النبیؐ قادریؒ بی آء

نام نامی حسن رضی اللہ عنہ۔ کنیت ابو محمد۔ خطاب ریحانۃ النبی۔ لقب شہید رسولؐ تھا۔ والد ماجد علیؑ بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشمؑ تھے والدہ ماجدہ سیدۃ النساء۔ فاطمہ زہراؑ۔ حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ رمضان ۳ ہجری (۶۲۵ء) میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے جب حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت یا سعادت کی خبر ہوئی تو آپ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے بچے کو دکھاؤ کہ کیا نام رکھا ہو۔ عرض کیا گیا کہ آپ حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریب نام بدل کر حسن رکھ دیا۔ ساتویں روز عقیقہ ہوا اور بالوں کے برابر چاندی ڈال کے صدقہ کی گئی تھی

حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ شکل و شایستگی میں حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں لو لیکن احد اشبه النبی صلعم من الحسن بن علیؑ۔ یعنی ایک شخص جس سے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص مشابہ نہ تھا۔

دوسری جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان اتوم بن السعید بن حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہیں۔ کان اشبهہ برسول اللہ صلعم لکے یہ ان اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے ایک موقع پر خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھا کر فرمایا۔

بابی شہیدہ بالنبی، ایس شہیدہ بعلی ہے میرا آپ قربان نبیؐ کے مشابہ ہو علیؑ زہراؑ کے مشابہ نہیں ہو۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ لہ فیہ ان وقت موجود تھے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کا یہ فقرہ سن کر منس ہوئے۔ حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد میں آپ کی حیات مبارک ہی میں انتقال فرمائی تھیں ان لئے آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد خصوصاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے:-

عائق النبی صلعم الحسن ہے حضرت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:-

روایت النبی صلعم والحسن بن علی رضی اللہ عنہما عاقفہ یقول اللهم انی احبہ فاجبہ لکے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر رکھے آپ فرماتے تھے خداوند میں سے کہ محبوب رکھتا ہوں تو میں اس کو محبوب رکھتا ہوں۔

لہ ایک روایت میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہما نام اہل جنت کے ہیں زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی شخص نے نہیں رکھے تھے تاریخ الخلفاء لاریس نے لکھا ہے بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسين۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسين۔

آٹھ برس تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت میں پرورش پائی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، یہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وظیفہ صحابہ کرام کے برابر پانچ ہزار باہانہ مقرر فرمایا حالانکہ وہ اس زمانہ میں نہ تھے خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت شفقت فرماتے تھے خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کا عہد شباب تھا اور عہد عثمانی ہی میں انکی علی زندگی کا آغاز ہوا طبرستان کی فوج کشی میں جو سعید بن العاص کی فوج میں ہوئی تھی اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ شریک ہوئے اور اس کے علاوہ جب حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ساتویں نے فتنہ برپا کیا اور باغیوں نے خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے مکان کو گھر لیا تو قصر خلافت کی حفاظت کے لئے دوسرے حضرات کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی مقرر ہوئے۔ اور وہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہایت شجاعت و بہادری سے حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے حتی الوسع روکا مگر باغی چھت پر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے اور خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس حادثہ کی خبر ہوئی تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہوئے اور ان کے ایک پلایا بچہ کو لے کر تم نے کسی حفاظت کی کہ باغی اندر داخل ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

جنگ جمل میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلئے اور کچھ دنوں کے لئے خاندانِ نبویؐ کو جلیے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ تمہی کہ یہ بات مزید اتراق و اشتقاق کا باعث ہوگی۔ چنانچہ چار ہزار حضرت حسن رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شریک ہوئے کوفہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کی اور لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لئے تیار کیا جنگ جمل کے بعد ملت اسلامیہ کو جنگِ صفین کے قیامت خیز موڑ سے واسطہ پڑا۔ اس جنگ میں بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور مولائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا اس میں شاہد تھے۔

خلافت کے پانچویں سال ابنِ مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا جو بخور زخم کاری لگا تھا اور پکڑنے کی کوئی امید نہ تھی۔ جب بن عبد اللہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ دیکھتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئے کہ خلافت چھوڑ مسلمانوں کا حق ہے جس کو وہ چاہیں انتخاب کریں ہی نے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ کو عام مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس میں وراثت کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے لیکن اہل عراق نے حضرت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت کا جائز وارث تسلیم کر لیا۔ سب سے اول قبیل بنی سعد انصاری نے بیعت کی اس کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی بجائے مسند خلافت پر متمکن ہوئے بیعت کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ، لوگوں سے اقرار لیتے تھے اس شہدش اور ہنگامہ کہ زمانہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ کچھ دنوں کے لئے مدینہ سے باہر چلے جائیں تاکہ اگر آپ کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے۔ (ابن اثیر جلد سوم)

کہ تاریخ الخلفاء (از سیوطی) نے زخمی ہونے کے تین دن بعد ۲۲ رمضان یکشنبہ ۴۰ھ (۶۶۱ء) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (ابن اثیر جلد سوم)

لئے طبری جلد ششم

شہسپری آف عربین از پروفیسر فلپ - ہی۔

”میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کرنا“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو ان کو تمام دنیا سے اسلام کے خلیفہ ہونے کا خواب پورا ہوتا نظر آیا اگرچہ وہ اہل شام سے فیصلہ حکمین کے بعد بیعت لے چکے تھے لیکن اب دوبارہ پھر تجدید بیعت کرائی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تجدید بیعت سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے اپنا لشکر دمشق سے کوفہ کی جانب بڑھ کر مدینہ کی طرف روانہ کر دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام صلح بھیجا کہ صلح جنگ سے بہتر ہے اور مناسب یہی ہے کہ آپ مجھ کو خلیفہ دنت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ ملت ایک مرکز پر جمع ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ملی تو انھوں نے قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے لشکر مقابلہ کے لئے لگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب میں روانہ ہو گئے عواتی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے اس خبر کے اڑتے ہی عواتی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس میں بھگدڑ مچ گئی لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور کچھ سامان بھی لوٹ کر لے گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو پورے حالات کا جائزہ لیا اور فوج کی جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ کر کے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :-

لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں میں تم لوگوں کے سامنے ایک راتے پیش کرتا ہوں امید ہے کہ اسے مسترد نہ کر دے جس استحلا و بکجرتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور یہ کمزوری دکھائی ہے میں اس لئے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا ہوں

اس تقریر کو سُن کر خراج اور منافقین نے فوراً تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنی چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ باپ کی طرح کافر ہو گئے لہٰذا وہ اپنی بیعت سے کچھ لوگوں نے ان کا مصلحتی اور کپڑے چھین لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ حوصلہ شکن صورت حال دیکھ کر مدائن کو چل دینے راستہ میں ایک شخص نے ان پر حملہ کر دیا جس سے ان میں زخم پہنچا وہ مدائن پہنچ گئے۔ اور اس وقت تک وہ ہیں متمم رہے جب تک زخم اچھا نہ ہو گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ شفا حاصل ہونے کے بعد پھر عبداللہ بن عامر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے عبداللہ بن عامر نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا اور حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا :-

عواقباً میں خود جنگ کرنی نہیں چاہتا میری حیثیت صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقدمہ العیش کی کو اور وہ شامی فوج میں نے خود اپنا رنگ پہنچ چکے ہیں اس لئے حسن رضی اللہ عنہ کو میرا سلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیغام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں۔“

لہٰذا تاریخ اسلام جلد اول شاہ معین الدین ندوی بحوالہ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۰ میں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کی رسم منافقوں اور سبائوں کی ایجاد کر وہ پراپیٹوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفر کا فتویٰ لگایا تھا اس قدر حسرت کا مقام ہے کہ آج بھی نام نہاد مولای اور مفتی منافقوں اور سبائوں کے اتباع میں اپنی تکفیر بازی اور فتنہ گری سے ملت اسلامیہ میں افتراق و اشفاق پھیلا رہے ہیں۔

عبداللہ بن عامر کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور تیر نشانہ پر بیٹھا حضرت حسن رضی اللہ عنہما نے ہمراہیوں نے جب پیغام صلح سنا تو جنگ کرنی مناسب نہ تھی اور پیچھے ہٹنے لگے حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی حالت دیکھ کر بلا تین لوٹ آئے عبداللہ بن عامر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور مدائن کو گھیر لیا حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے صلح پر آمادہ تھے اپنے ساتھیوں کی کم ہمتی اور کمزوری دیکھ کر جنگ کا ارادہ بالکل ملتوی کر دیا اور چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے رضی اللہ عنہما سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا اور ان شرائط کو عبداللہ بن عامر کے ذریعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے پاس بھیوادیا جو درج ذیل ہیں:-

۱- کوئی عراقی بغض و کینت کی وجہ سے نہ پکڑا جائے۔

۲- بلا استفسار سب کو امان دی جائے۔

۳- عراقیوں کی بدزبانوں کو اٹھایا جائے۔

۴- اہواز کا کل خرچ حسن رضی اللہ عنہما کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۵- حسن رضی اللہ عنہما کو دوا لک سالانہ ملیندہ دیا جائے۔

۶- وظائف میں بھی ہاشم کو بھی امیر پر ترجیح دی جائے۔

مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد عمرو بن العاص نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو صلح عام میں دست برداری کا اعلان کر دیا مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے عمرو بن العاص نے اصرار کیا تو انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے اس امر کی درخواست کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہما صلح عام میں درج ذیل تقریر فرمائیں:-

"مے لوگو! خدا نے ہمارے انگوٹوں سے تمہاری ہدایت اور پھیلوں سے تمہاری خونریزی کرائی دانا قبول کرنا

بہترین دانگی اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بڑا عالمیاں ہیں یہ امر (خلافت) جو چاہئے

اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے حقدار ہیں یا میں دونوں صورتوں میں محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس (خلافت)

سے دست بردار ہوتا ہوں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے بعد کوئی چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور بقیہ عمر چارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کر دی آپ کی خلافت چھ ماہ رہی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما جب تک زندہ رہے ان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے بڑی محکوم و تعظیم کا برتاؤ کیا اور ہر امر کی خدمت میں حسب قرار صلح نامہ وظائف دے دیا یا بھیجتے رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی حضرت رشک کے اس اقدام صلح سے ملتے جلتے اسلامیہ کو لہ بعض نے اس شرط کا بھی اصرار کیا ہے کہ "امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے بعد حسن رضی اللہ عنہما ہو گئے" لیکن یہ محض گڑھی ہڑی بات ہے طبری، یعقوبی، ذہیری، مسعودی، ابن کثیر وغیرہ کتب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یہ روایت محض حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے زہر خورانی کے واقعہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ تک محدود ہے اور عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دوسری باتیں تو کہیں مکر کی کسی نے کہیں کہا کہ شرائط کی رقم تھلے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) بعد حسن رضی اللہ عنہما تھے لہذا سہاچی اولاد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے کسی موقع پر ایسا کہا بہر حال اس شرط کی تاریخی اولاد عقل حقیقت سے کوئی صلح نہیں ہے تاریخ اسلام جلد اولیٰ انشاہ معین الدین ندوی) صلح دست برداری خلافت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔

ایک عیبت عظیم سے نجات مل گئی اور مسلمانوں کی خونریزی کا جو سلسلہ کئی سال سے چلا آ رہا تھا وہ بند ہو گیا حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت حسن نے منافقوں اور سبائوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کا یکایک درہم درہم کر دیا اور انھوں نے ان خدا شکنانہ تلواروں اور آہنگداز نیزوں کا بیخ و بن تان اسلام کی طرف پھیر دیا جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اٹانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے اس اقدام صلح سے ملک میں امن و سکون پیدا ہو گیا اور جو قوت آپس کی لڑائیوں میں ختم ہو رہی تھی وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی۔ بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا یہی لئے اس سن کو مسنہ عام الجماعہ یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہتے ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حروف بہ حروف صحیح ثابت ہوا۔

سمعت اللہی صلح علی المنین والحسن الی جنبہ
 ینظر الی الناس مرۃ والیہ مرۃ ویقول اللہی ہذا
 سید وذل اللہ ان یصلح بہ بین فلتین من المصلین

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر سنا حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تھے آپ ایک بار جمع پر نظر ڈالتے تھے اور ایک بار ان (حسن رضی اللہ عنہ) پر اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاہد خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرے۔

دست برداری کے دو سال بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موت زہر خروانی کے سبب ۵۰ھ (۶۶۱ء) میں مدینہ میں واقع بھڑی تلے۔ زہر نہایت ہلک تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے زہر پینے والے کا نام پوچھا تو فرمایا کہ اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر دیکھ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکر وہ گناہ پکڑا جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی خواہش تھی اس بارے میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی گئی تو انھوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی مگر مروان نے مزاحمت کی مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی کہ مزاحمت اور خونریزی کے امکان کی صورت میں مسلمانوں کے عام قبوتوں میں دفن کیا جائے۔ سعید بن العاص گورنر مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لعش مبارک ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع میں سپرد خاک کر دی گئی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کثرت سے شادیاں کیں اور بی طرح طلاقیں دیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی بیویوں کے شکایت نہایت محبت اور حسن سلوک سے پیش کرتے تھے ان کی دس اولادیں ہوئیں جن میں سے آٹھ صاحبزادے اور دو لڑکیاں تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تمام عمر نہایت فراغت و مگد عیش کے ساتھ زندگی بسر کی تھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فضل و کمال کا مجسمہ تھے۔ ان کی مرویات کی مشہور تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جو وہ بنت لاشعث نے زہر دیا تھا مگر جب کہ خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تحقیق نہ ہو سکا کہ آپ کس نے دیا اور کیوں دیا تو دوسروں کا حق نہیں ہے کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کے بعد یہی کہے کہ مجرم قرار دیں۔ (تاریخ اسلام جلد اول ص ۵۵۶ (شیخ الحدادی)

کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے۔

کہ خلیفہ دوم حضرت سعید بن قاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے زمرہ میں پانچویں سزا بہانہ مقرر فرمایا اور یہ خلیفہ خلیفہ سوم حضرت سعید بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں برابر ملتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ مقرر ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے بعد اجازت کا پورا خرچ اور دو لاکھ سالانہ وظیفہ..... ملتا رہا۔

تہ اذکل تیرا ہے جن میں سے زیادہ تر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں فن خطابت میں ان کو کمال حاصل تھا ان کے خطبات ضماحت و بلاغت کے ساتھ خلاق و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں۔ حسن و مکارم اخلاق کا پیکر محمد تھے خصوصاً ایثار و قربانی اور استغنا سے نیاز میں ان کی مثال کم مل سکے گی تا م وقت عبادت الہی اور ریاضت میں صرف فرطت تھے ہر طرح کی سواریاں ہونے کے باوجود پیادہ پانچ کھوتے تھے صدقہ و خیرات اور فیاضی و سیرت میں خود اپنی مثال تھے دشمنوں کے گھناہی جن سلوک سے پیش آتے تھے نہایت خوش خلق اور صاحب مروت تھے اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے غلبہ و تحمل اور علم و ہر وہ باری کے مجھے تھے ان کی زبان کبھی تلخ اور قس کلم سے آلودہ نہیں ہوئی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مکارم و خصال رہتا تھا اور وہ اس سلسلہ میں کسی سعادت یا مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں کے متعلق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔ ایک دوسری روایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے سردار ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے کہ نکلے ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "میاں صاحبزادے کیا اگھی سواری ہے؟" حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سواری کتنا اچھا ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کے موقع پر بھی حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھے تھے کہ اتنے میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما مٹنے خلیق پہنچے ہوئے تھیں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ میں ان دونوں بچوں کو آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ کے درمیان ان کو اٹھالیا۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی حالت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طفلانہ شوخیا کرتے تھے لیکن ناپ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر شفا ہوتے تھے بلکہ انکی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں امداد دیتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچوں کی اندر گھس جاتے آپ دونوں کے نکلنے کے لئے پاؤں کے درمیان راستہ بنا لیتے آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں پشت مبارک پر بیٹھ جاتے آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک دونوں خود نہ اتر جاتے۔

۱۔ شیعان علی میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) عنقریب ظاہر ہونگے تو ان کی بیویوں کا نکاح کرتے اور نہ ترکہ تقسیم کرتے۔ (فوطی)۔ اس مضمون کی تیاری میں تاریخ الخلفاء (سیوطی) السد الخاری جلد سوم (مکتوفہ اڈیشن) تاریخ طبری جلد سوم و بیہم جدید آباد کن اڈیشن) خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (عمر ابو النصر) شمس التواریخ (جلد چہارم) ہسٹری آف عربس (فلسف سہمی) خلفائے راشدین (حاجی معین الدین ندوی) سیر الصحابہ جلد ششم (حاجی معین الدین ندوی) سیر الصحابہ جلد دوم (سعید احمد انصاری) تاریخ اسلام جلد اول (شاہ معین الدین ندوی) تاریخ اسلام (ذکر شاہ خاں نجیب آبادی) طبع اولی (مشاہیر اسلام) مترجم مولوی محمد زکریا مائل، پاکستان ہٹاریکل سوسائٹی) پیش نظر ہیں۔

معدہ کا فعل درست کرنے میں فاقہ کی اہمیت

ازیم حکیم محمد عظیم زہیری - امرودہ ضلع مراد آباد

اپنے طبی افعال انجام دینے کی صلاحیت لوٹ آتی ہے اور انسان پھر چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ "محافظ شباب" میں آپ کو اس کے متعلق بہت کچھ لکھنے کا موقع ہے یہ کتاب شائع ہو رہی ہے مفت منگائے پڑھنے کا کافی تعداد میں آرڈر جمع ہو گئے ہیں منگانے میں غلط کیجئے ورنہ ایسی مہیدا اور کارآمد کتاب آپ کو پھر دہری تک نہ مل سکے گی۔

مرادہ - زمانہ اور بچوں کے امراض کے متعلق مفت مشورہ لیجئے لیکن جواب کے لئے ٹکٹ یا پتہ لکھا لفظ رکھنا نہ بھولئے۔
میرا پتہ یہ کافی ہے۔ ایم حکیم محمد عظیم زہیری - امرودہ ضلع مراد آباد۔

مفت لیجئے

دلی کے بڑے بڑے تجربہ کار قابل حکیموں کا ایک بورڈ ہے اگر آپ بیمار ہیں تو اپنا پورا مال لکھ کر ان سب حکیموں کے مشورے سے تجویز کیا ہوا نسخہ مفت لیجئے خط پوشیدہ رہے گا۔
ملنے کا پتہ

سکرٹری سینٹرل طبی بورڈ ڈنور گنج
دلی ۷ (انڈیا)

ڈاکٹر بنیں

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک پڑھ کر گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کالج کا ڈیپلوم حاصل کیجئے مفت پڑاسپانکس کے لئے لکھئے۔

ہندو میوٹیک کالج (دلی) سونی پت

جب تمام نظام ہضم ٹھیک جاسے تو مقوی غذاؤں اور اعلیٰ درجہ کی دواؤں سے جسم کو بہت ہی کم فائدہ پہنچتا ہے، ٹھیکے ہوئے نظام ہضم کی حالت میں غذا بخوبی ہضم ہو کر جزو بدن نہیں بنتی خواہ کتنی ہی ذرہ ہضم ہو اور کتنی ہی کم مقدار میں استعمال کیجائے بدن میں خون کی پیداوار ہرگز نہیں ہرگز ہضم تو انا اور مضبوط کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کھائی ہوئی غذا صحیح طور پر ہضم کر کے بدن میں نہ جاسے، عام مشاہدہ کی بات ہے ہزاروں آدمیوں کو خود اس کا تجربہ ہو گا کہ وہ مقوی معدہ اور مولد خون دوائی استعمال کرتے اور مقوی جسم پر بیڑی غذا میں کھانے کے باوجود کمزور ہی رہتے ہیں سیکڑوں روپیہ میکم ڈاکٹروں کی جیب میں چلا جاتا ہے نہ معدہ کا فعل درست ہوتا ہے اور نہ قبض کی شکایت دور ہوتی ہے۔ نہ صحت بنتی ہے اس کا سبب وہی نظام ہضم کی ٹھنکن ہے جسے ہم غلط طریق پر زندگی بسر کر کے خود پیدا کرتے ہیں اور ان عمر کی غلط کاریوں، عہد شباب کی بداعتدالیوں، ادھیڑ عمر کی بد پریشانیوں اور حفظان صحت کے اصولوں سے ناپردہابی یہ سب خسہ ایمان لات ہضم اور دفع کو اس درجہ ٹھکا دیتی ہیں کہ وہ اچھی دوا اور اچھی غذا کا بھی اثر قبول نہیں کرتے، مقوی معدہ بخوبی اور ہضم چون بھی حالات میں تبدیل پیا۔ کرنے سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ مریض جو معدہ و جگر کی اس درجہ بڑھی ہوئی کمزوری اور آلات ہضم کی ٹھنکن کو محض دواؤں اور پریشانی غذاؤں کے ذریعہ دور کرنا چاہتے ہیں وہ نادان ہیں اس صورت حال کو تیزی کے ساتھ بدلنے کے لئے متوازن غذا اور مناسب دوا کے ساتھ فائدہ کار ضروری ہے بلکہ دوا اور غذا سے بڑھ کر فائدہ ہے۔ معدہ بھی ایک عضلاتی عضو ہے دیگر عضلات کی طرح اسے بھی تو آرام کی ضرورت ہے اس کا آرام بھی ہے کہ فائدہ کیا جائے فائدہ صرف آلات ہضم کی ٹھنکن ہی دور نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام مضر رطوبات اور فضلات بھی ختم ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے جسم کسی نہ کسی بیماری میں آسے دن مہلا رہتا ہے فائدہ سے تمام اعضا میں

چند خاص کتابیں

سنن دارمی شریف حدیث کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ جو ۲۲۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہے۔
۴۱ جلد آٹھ روپے۔

مسند امام اعظم (مع ترجمہ قواعد) امام ابو حنیفہ کا منتخب فرمودہ احادیث کا مجموعہ جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا بہترین تعلیمات افزا مقدمہ بھی ہے۔ عماد آٹھ روپے
صحابیت ان برگزیدہ خواتین کے حالات جنہوں نے اللہ کے آخری رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نیزار فقہوری کے قلم سے۔ قیمت جلد چھ روپے۔

غنیۃ المطالبین ایضاً عبدالقادر جیلانی کی مشہور زمانہ عربی اردو فتح الغیب کتاب اب اردو میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک کالم میں عربی متن دوسرے کالم میں ترجمہ۔ دو ضخیم جلدوں میں مکمل نہیں روپے۔

التکشف مولانا اشرف علی کی اس کتاب کا پورا نام ہے۔ التکشف عن مصمات التصوف ہے۔ تصوف اور اس کی جزئیات پر بڑی مبسوط کتاب ہے مشکل مسائل اور دقت نکات کی توضیح و تفسیر۔ علوم و معارف کا گنجینہ۔ تازہ بہ تازہ ایڈیشن۔ قیمت جلد دس روپے بارہ آنے۔

آیتہ حقیقت ناما مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی معرکہ الآراء تالیف ہے۔ ہندو اور مغربی مورخین مسلم تاریخین پر جو تعصبات الزامات لگاتے رہے ہیں ان کے محققانہ مدلل اور دندان شکن جوابات عجیب کتاب ہے۔ قیمت جلد بارہ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دار اشکوہ کی تالیف جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ائمہ اولیاء ازواج النبی اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ قیمت جلد چھ روپے بارہ

تازیانے انمول اقوال و روایات پر مشتمل عربی کی مشہور کتاب۔ المنہجیات کا سلیس اردو ترجمہ۔ جلد تین روپے۔

فاروق اعظم کے سرکاری خطوط کیا اس نام کے بعد بھی یہ جانتی ہے کہ یہ پیش ہر اکابر آپ کے مطالعہ کی بہترین چیز ہے۔ بڑی قطع کے ۶۷۲ صفحات نفیس طباعت۔ خطوط کی تعداد ۲۲۵ قیمت جلد بارہ روپے۔ جلد اعلیٰ چھ روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی عربی تصنیف المرعۃ المسلمۃ کا اردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے۔ مقدمہ بھی مولانا آزاد ہی کا ہے۔ قیمت جلد چار روپے۔

خطبات مدرس سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مولانا سید سلیمان ندوی کے خطبات کا یہ مجموعہ جس قدر مقبول ہے اتنے ہی انہیں۔ قیمت تین روپے۔ جلد چار روپے۔

وجہ و سماع شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے عربی رسالے التسماع واللوٹص کا اردو ترجمہ مولانا علی البرزاق ملیح آبادی کے قلم سے۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

عشمان معرکہ کے مشہور نقاد اور نامور محقق ڈاکٹر صرف تاریخ کی روشنی میں اٹلہ حسین کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ مولانا حاجی امجد نعمانی کے قلم سے۔ چھ روپے (جلد سات روپے)۔

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں یہ بھی اٹلہ حسین ہی کی تالیف ہے اور مترجم بھی مولانا عبد الحمید ہی ہیں۔ قیمت جلد ساڑھے سات روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب ہمعات کا سلیس و سادہ ترجمہ۔ قیمت دو روپے بارہ آنے۔

نقشہ نگاہ

یہ صفات فی الحقیقت تو "کھسے کھٹے" ہی کا ایک حصہ ہیں لیکن اس مرتبہ چونکہ تبصروں کی حد و دستا
شخص نوید عثمانی نے انجام دی ہے، اس لئے مناسبت معلوم ہوا کہ بعد میں جو تھوڑا سا وقت باقی رہا اس کو تبصرے
کے لئے میسر آسکا۔ اس کا حاصل جیسا کہ وہی عنوان سے بدیہ ناظرین کیا جاسکتا ہے۔ گویا ایک ہی مضمون اصحاب
مضمون کے تعلق سے دو حصوں میں بگ گیا تھا۔ آثار عثمانی۔

ہوتی ہیں۔ مثلاً صلاطہ پر حضرت علیؑ کے مقام صلیب تک پہنچنے کے
سلسلہ میں

"راہ میں بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں جن کا تذکرہ کر کے
ہم بات کو بڑھانا نہیں چاہتے۔"

یہاں "بڑھانے" کا نہیں بلکہ لگنگو کو طول دینے کا محل تھا
"بات کو بڑھانا اور اصطلاح میں جھگڑے اور تناؤ میں اضافہ کرنے کا
مفہوم دیتا ہے جبکہ یہاں اس کا کوئی محل نہیں۔"

یاشملاً صلاطہ پر۔۔۔۔۔ جب حضرت علیؑ آیا اور اس ہو گئے تو اپنے
آدمیوں کے ہاتھوں میں جھنڈے دیدئے

اور ایک ایک دستے نکلنے لگے۔

زبان کے لحاظ سے آخری فقرہ صراحتاً قاطع ہے۔ ترجمہ

کچھ اس طرح ہونا چاہئے تھا کہ "اور مجاہدین چھوٹے چھوٹے گروہوں کی
شکل میں آگے بڑھے۔"

یاشملاً صلاطہ پر۔۔۔۔۔ مضمون کے معرکہ میں سپاہیوں کے ٹکڑے
سے مؤرخین کی پہلو تہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سپاہیوں
اور ان کے سردار ابن سودا کا افسانہ تصنع اور زمن گھرت ہے۔

"تصنع" کا لفظ یہاں اکھڑا ہوا ہے "جھوٹا" یا "طہراد" یا "جلی"
یا "بے اصل" کہنا مناسب ہوتا ہے۔ "تصنع" اور "مصنوعی" کا محل استعمال

اور یہی ہے۔

یاشملاً صلاطہ پر حضرت علیؑ کے خطبے میں۔۔

"اور یہ کہ میں تمہیں تعلیم دوں اور ادب سکھاؤں تاکہ ناروانی نہ کر دو"

مصر کے سابق وزیر تعلیم
ادھروف علق و ناقد
ڈاکٹر طحسین نے کچھ
زاد ہوا "الفنۃ الکبریٰ"

علیؑ
تالیخ و سیاست کی روشنی میں

کے نام سے ایک تصنیف پیش کی تھی جس کے دو حصے تھے۔ ایک حضرت
عثمانؓ کے بارے میں، دوسرا حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے تعلق۔ جناب
مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی نے ان دونوں حصوں کا ترجمہ کر کے الگ
الگ شائع کر دیا ہے اور فی الوقت اس کا حصہ ثانی ہجرت سے پیش نظر ہے
نازل سائیکس کے ۴۹۱ صفحات۔ گھائی چھاپائی معیاری۔ کاغذ
سفید۔ جلد کی قیمت ساڑھے سات روپے۔ شائع کردہ۔۔

قومی لائبریری مالی گاؤں۔ ضلع ناسک۔

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے تو اصل ترجمہ کے لئے بیساختہ
داد نکلتی ہے۔ رواں، شگفتہ، رچا ہوا ترجمہ جو دل میں ترنا چلا جائے
بعض مقامات کو چھوڑ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ ترجمہ ہے یا طبعاً
تالیف گونا گونے کہ جناب مترجم زمانہ حال کے عربی ادیب اور
اسلوب تحریر پر کافی عبور رکھتے ہیں اور گروہ کچھ اور تصنع پارکینے
اور حزم و احتیاط اختیار فرمائیں تو ہندوستان کی حد تک انھیں
عربی کے مترجمین میں مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی سے منسلک ہو کر
صف میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جملہ مشہرہ طبعیہ نے اس لئے بولا
کہ بحالت موجودہ ان کے ترجمے میں متعدد وہ خامیاں پائی جاتی ہیں
جو علم و استعداد کی کمی کا نہیں تیز رفتاری اور قلت احتیاط کا نتیجہ معلوم

اور سکھائے نہ جاؤ گے۔

ہمارے سامنے اصل کتاب نہیں اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ "اور سکھائے نہ جاؤ گے" کس عسری فقرے کا ترجمہ ہے، لیکن سب سے پہر حال یہاں اہمال کی حد تک بہ مزہ۔ کچھ اس انداز کا جملہ ہونا تو بات نئی کہ "اور بے ادب نہ بنو" یا "اور درغلانے نہ جاؤ" یا مثلاً "اور صلوات پر" "لوٹ و غارت" "سیرِ قائم ہو ایسے ایسا عطف ادبی اعتبار سے لائق اجتناب ہے۔ وجدان اس سے کبیرہ ہوتا ہے۔

یا مثلاً "اور فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے ایسے مفاد اور اغراض کو جگا یا جو سور ہے تھے۔

ایسے ایسے مقاصد اور تقاضوں کو ہوشیار کیا ہو غفلت تھی۔

متعدد جمعوں کے درمیان یہ لفظ "مفاد" سے لیل ہی ہے جھول مٹ جانا اگر "مفادات" لکھ دیا جاتا۔

یا مثلاً "۱۹۵۳ء پر" "علوی جماعت کی تنظیم اور ایک ممتاز شیعہ جماعت اس وقت وجود میں آئی جب حکومت کی حکام امیر معاویہ کے ماتحت میں آگئی۔"

"رجم" کا لفظ یہاں غلط تو نہیں ہے لیکن اپنے سیاق و سباق میں ایسا لگتا ہے جیسے ہم جنسوں کے درمیان کوئی ناجنس آپہنچا ہو۔ زبان و ادب میں الفاظ کی ہم آہنگی اور بگڑی کافی قدر قیمت رکھتی ہے۔ اگر "زمان" یا "معتاد" یا "گت دور" لکھ دیا جاتا تو ذوق لطیف کو بے آہنگی کا گم نہ ہوتا۔

یا مثلاً "۱۹۵۳ء پر" "لوگوں نے عافیت میں خیر دیکھی اور لڑائی بند ہو گئی۔"

عافیت اور خیر اور دو میں تقریباً مترادف ہیں۔ فقرہ مٹھکا خیر سا بن گیا ہے۔ کہنا یوں تھا کہ "لوگوں نے جنگ دیکھنے میں خیر دیکھی۔"

یا مثلاً "۱۹۵۵ء پر" "اور معاویہ کی توجہ مبذول کرانی پڑی کہ لڑنے کوئی چاہے جنوں پر نظر رکھیں۔"

ادبی تو "چسپاں چلین" کے درمیان، عطف روزمرہ کے خلاف ہے دوسرے اسے مذکور لکھنا چاہئے تھا، نوشتہ انوری (لڑنے کے چال چلن پر نظر رکھیں)

یا مثلاً "۱۹۶۷ء پر" "میزید سے قسم کھا لیا تھا"۔

قسم تو اردو میں بالافتقار مؤنث ہے۔

یا مثلاً "عمتہ" کا ترجمہ ایک سے زیادہ جگہ "چیچی" کیا گیا ہے حالانکہ پھوپھی "مگر ناچاہئے تھا۔ حیرت ہے اس مہمو کا احساس ماضی مترجم کو اس وقت بھی نہ ہوا جب حضرت صفیہ کو رسول اللہ اور حضرت علیؑ کی چچی لکھ رہے تھے۔ وہ تو چھوٹی تھیں چچی کہاں۔

زبان و قلم کی لغزش اس کے یہ نمونے واضح کیے ہیں کہ مترجم نے توجہ کے ساتھ نظر ثانی نہیں فرمائی درندان کی اصلاح ہو جاتی، کتابت تصحیح کے بھی نقص ملتے ہیں مگر زیادہ نہیں۔ اگلے ایڈیشن میں ذیل کے صفحات تصحیح کے نقطہ نظر سے دیکھ لئے جائیں۔

۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۹۹، ص ۳۰۶، ۳۰۷

مترجم اور ناشر کے دائرہ سے گنہگار جب نگاہ فاضل مؤلف کے جملہ بالائیک پر پونجی ہے تو بے اختیار اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کا انداز نقد بہت ہی حسین اور دل آویز ہے، ایک پہلو نظر بیچ کی طرح معاملات کے لطیف و مٹھی گوشوں کو اپنی نگاہ رسا کی گرفت میں لیکر وہ جس خوشنما اور ذہانت آمیز اسلوب میں تحلیل و تجزیہ کا عمل کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی زبان فصاحت نظام سے معافی و مطالب کے موٹی جس دلا و بڑا انداز میں چمڑتے ہیں وہ ان کے اخذ نتائج کی صلاحیت، مقدمات کی ترتیب کے ملے اور گہرے انش و تفہیم کی استعداد کے شاندار مظاہر ہیں، حسن کاری و عاجز ایرانی کی حد سے کہ ہم ان کے متعدد دلائل اور تحسرات و مزموعات سے اختلاف رکھنے کے باوجود تمام بحثوں کو نہایت نشاط خاطر سے پڑھتے چلے گئے ہیں اور خاتمہ پر یہی فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ واقعات و شواہد کی جس میل کو بنا دیا کر انہوں نے تاریخی افراد و حوادث کے بارے میں فیصلے دئیے ہیں انہیں ناقابل اعتماد اور متفق طلب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں ماننا چاہئے کہ نقد نظر میں ان کا مقام بہت اونچا اور شاندار ہے۔ نیز ہم اللہ خیر الخیرام۔

ان کی یہ کتاب حالات و افراد کے جائزے میں ہر دو تعلق اور ذرا تفصیل کی ایک جہر تناک کو شمش ہے جس کے لئے ان کے تکل اور خلوص و دیانت کو بجا طور پر راز دینی چاہئے۔ علی و محمد اور دیگر جیسی شخصیتوں کے احوال و کوائف پر نقد کر سکتے ہوئے حقیقت سے

یا لاتر ہو جانا بہت ہی محلی ہے اور اس مشکل پر قابو حاصل کرنا بال سے باریک اور توار سے تیز پلصراط پر چلنے کے مرادف ہی لیکن کوہنچا ہے کہ فاضل مولف سمر کی آنکھوں سے محروم ہونے کے باوجود ذہن و بصیرت کی بیانی کے سہارے اس پلصراط پر چلے ہیں اور خوب چلے ہیں۔ انھوں نے عقائد کی سب سے بھرے ہوئے تاریخ کی جو لانگاہ میں اپنے رہوار متغیہ کو دوڑا یا ہے اور نازک پیچیدہ تر مراحض سے بھی وہ اس سلیقے سے گذر گئے ہیں کہ شیعیت یا حاجیت کا کوئی احرام ان پر نہیں لگا یا جاسکتا۔ ہاں یہ اللہ بات ہے کہ ہم یا کوئی اور ان کے اخذ کردہ بعض نتائج سے مستحق نہ ہو سکے یا جن مقدمات و روایات کو انھوں نے اخذ نتائج کے لئے ترتیب دیا ہے انھیں محتاج نظر اور نا حکم قرار دے۔ راقم الحروف اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا ایما ندرانہ اعتراف کرنے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ جتنی فراسد و مبالغہ نظری کا ثبوت انھوں نے استدلال استنباط کی کڑی راہوں میں دیا ہے اس کے شایان شان حرم و احتیاط خود مقدمات و روایات کی جس طرح پرکھ میں نہیں ہوتی ایک اچھا حج اگر مسل کے مندرجات کا دانشورانہ جائزہ لے کر نہایت اعلیٰ فائوئی جہارت اور ثروت نقد و تکلم کا ثبوت پیش کرنا ہے تو یقیناً وہ مستحق تعریف ہے۔ لیکن پھر یقیناً سہی وقت ممکن کہی جاسکتی ہے جب اس نے یہ کوشش بھی کیا تھی کہ دیکھی ہو کہ جو واقعات اور گواہیاں مسل میں پیش کی گئی ہیں وہ کھائے خود کس حد تک محترم اور فساد و تحریف سے عبرتیں۔ فیصلوں کی ٹھوس بنیاد پر حال یہ مسل ہی ہے اگر یہی بنیاد کذب و تحریف کا آئینہ ہو اور اسے نقد و احتساب کی چھلنی میں چھانسنے بغیر درست و بجا سمجھ لیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ کسی بھی مشانہ اور اور جو شخص منظر عمارت اس پر بنائی جائے گی ضعیف البنیان ہی ہوگی اور تعجب نہیں کہ بنیاد کی یہ کمزوری کبھی اچانک اسے خاک کا ڈھیر کر دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دور پر فاضل نقد دے گا وہ نقد قالی ہے اس کی بعض اہم اور مرکزی شخصیتوں کے کردار اور نمینت اور باطنی میثانات کے بارے میں انھوں نے پہلے سے ایک نئے قائم کر رکھی ہے اور جب وہ مخالف و متغایب روایات کے انبار سے لائق اعتبار روایات کا انتخاب کرتے ہیں تو یہ پہلے سے قائم

کردہ اسے غیر شعوری طور پر ان کے میزان بصیرت میں کہیں پاسنگ اور کہیں خاصے وزنی باث کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت معاذیہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں انھوں نے متعدد ایسی روایات کو حقائق مسلمہ کے طور پر انتخاب کر لیا جن کی صحت و صداقت روایت و درایت دونوں ہی پہلوؤں سے نہ صرف مجروح ہے بلکہ بعض محققین نے انھیں "لا شے" قرار دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ معاذیہ کے جن افعال و اقدامات کی خوشگوار تاویل یا سالی ممکن تھی۔ بلکہ ان کے بارے میں عقس و نقل حسن کو چھبہ کی پرزد و سفارش کد ہے تھے اور غیر جانبدار نقاد سے انھیں اچھے ہی محل پر اتارنے کی پوری توفیق کی جاسکتی تھی انھیں بھی فاضل مولف نے دنیا پرستی اور محصیت کو ششی کا مکروہ لیا دہ پہنا ڈالا ہے۔ اس باب میں وہ صرف انتخاب روایت ہی کے تساہل پر بس نہیں کر گئے ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو مینظر بھی نظر آتا ہے کہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کی عدم موجودگی کے با وصف وہ یہ کہہ کر تاریخ میں اضافہ کر گئے کہ میرے خیال میں یوں بھی ہو جاتا۔ ایسے اضافے کا حق اگر تری یا فتنہ فتنہ تنقید کی رو سے انھیں واقعہ حاصل ہو تب بھی ہم اس بنیاد پر ان سے اختلاف کر سکتے ہیں کہ جن روایات کے متعلق تقاضے کی حیثیت میں انھوں نے بعض واقعات کو کارگ تخیل میں ڈھالا ہے وہ روایات ہی سرے سے ناقابل اعتبار ہیں اور جتنی محنت موصوف نے اخذ نتائج میں کی ہے اتنی ہی محنت اگر روایات کی تنقیح و تنقید میں کر سکتے تو ان کے رشحات و افکار کا باطن بھی اتنا ہی چکدہ ہوتا جتنا ظاہر ہے۔ ہمارا ناچیز خیال یہ ہے کہ اپنی خدا داد صلاحیتوں کا جتنا بھڑک استعمال انھوں نے واقعات کے تجزیے اور استخراج مطالب میں کیا ہے اتنا خام مواد کی جانچ پرکھ میں نہیں کیا۔ پھر بھی ہمارا مجموعی تاثر یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی بھی مرحلے میں تعصب اور جانب داری اختیار نہیں کرتے۔ کتاب کے جو مقامات ہمیں شدید طور پر ناپسند ہیں ان کے لئے بھی حسن ظن کے سوا ہمارا کوئی جذبہ نہیں۔ فاضل نقاد ابوسفیان کو کسی بھی قیمت پر مومن ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ وہ شخص چالماز تھا اور آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ایک طرف موت تھی

میں انھوں سے نہ غصہ کیا نہ انکار۔ نہ تردید کی، نہ بیزاری جتنی بلکہ سوال کیا

” ساتھ دینے کی کیا قیمت لوگے؟ “

ہم نہیں جانتے ڈاکٹر محمد حسین کی ژرف نگاہی اس روایت پر بھر و سدہ کرنے ہوئے کیوں نہ ٹھنکی اور انھوں نے کیوں نہ سوچا کہ اگر اس تاریخی مکالمے کا کوئی حقیقی وزن ہوتا تو امت کے بڑے بڑے اساطین اور علماء و اقیام فیصلہ کن طور پر حضرت علی کو برسر حق قرار دیتے اور معاویہ کے برسر باطل ہونے کا اعتراف نہ کرنے میں بخل اختیار نہ فرماتے ورنہ یہ کہو کہ علی و معاویہ کے نزاع میں حق و باطل کا فیصلہ بس اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ان کا یہ عقیدہ نہ ہوتا کہ معاویہ اگر ظلمی پر بھی ہوں تو ازراہ اجتہاد ایک ٹو ایک ضرور متقی ہیں جو تلف نے اپنی منتخب کردہ روایات کے معنی حوالے نہیں دیئے۔ ورنہ آسانی سے بنا یا جا سکتا کہ روایت کے علاوہ فن روایت کے اعتبار سے بھی یہ روایات کس حد تک جس طرح و قدامت کی متحمل ہو سکتی ہیں۔

مؤلف کی لفظی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اہل بیت ہی تھے، نہ کہ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔ اس رائے کو انھوں نے ۲۱۔ و ۲۲۔ پر کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے جو گویا ہی رائے حضرت علی کی بھی تھی۔ پھر اپنے طور پر اس کی توثیق توفیق کی ہے۔ مزید ثبوت ۲۳۔ پر لکھا ہے

” آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؑ امدان کے چچا حضرت عباسؑ دونوں کا نقشہ نظر یہ تھا کہ منصب خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے نہ کسی اور خاندان میں منتقل ہونا چاہئے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنا نا چاہئے “

پھر ص ۲۶ پر

” حضرت علیؑ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے

وہ سب سے زیادہ حقدار ہیں “

اس طرح کے فرمودات اگرچہ حضرت علیؑ کی منقبت اور انھیں

ہی کے سیاسی و سبائی میں آئے ہیں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا تذکرہ حضرت علیؑ کی عظمت کو چاہنا نہ لگنے کی بجائے عباداً تو ذکر کرنے کا

ادد و دوسری طرف اسلام، تب مسلمان ہوا (صلی)

اس کا مطلب صاف ہے کہ ابوسفیان کے اسلام میں حسن نیت کا دخل نہیں وہ بظاہر مسلمان ہوئے لیکن ان کا قلب یومین نہ تھا پھر ان کے باطن کی معرور گردگی سے موصوف ان کے بیٹے معاویہ کو بھی غیر ملوث رکھنے کے لئے تیار نہیں۔

” حضرت معاویہؓ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی، ساتھ ہی سگدلی، چالاک، پالبازی اور لچک بھی ملی۔ پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بعض وعداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں “

نقطہ نظر کی بات ہے ورنہ ” سگدلی کی جگہ ” تحمل “۔ ” چالاک “ کے عوض ” فراست “ اور ” چالبازی “ کے بدلے ” سیاسی مہارت “ بھی کہنا ممکن تھا۔

حضرت معاویہؓ کے ساتھی حضرت عمرو بن عاصؓ سے مؤلف پوری طرح مدظن ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں انھوں نے ہر اس روایت کو حقیقت ثابت کیا ہے جس سے ان کی سیرت کے تاریک تر پہلو نمایاں ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر مثلاً پر

” ہوا یہ کہ عمرو بن عاصؓ نے معاویہؓ سے اس سیرتی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق پر تم نہیں ہو۔ حق پر تمہارا اسراف ہے اور تمہاری کامیابی اور تمہارا ساتھ دینا دینا کا راستہ ہے دین کا نہیں۔ میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں، اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں پیروی بڑی نثر بانی ہے “

اس روایت نے ایک تیر سے دو شکار کئے، ایک طرف یہ بتایا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بدترین قسم کے دنیا پرست تھے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ علیؑ حق پر ہیں اور معاویہؓ باطل پر صرف مال و منال اور مناصب کی خاطر معاویہ کے ساتھ دے رہے تھے۔ دوسری طرف یہ آشکارا کیا کہ معاویہؓ کو بھی اپنے برسر باطل ہونے سے بیخبر نہ تھے اور حق مسلم طور پر ان کے نزدیک بھی علیؑ ہی کے ساتھ تھا۔ اسی لئے عمرو بن عاصؓ کے مذکورہ قول کے جواب

خود خطہ حسین، اگر اس دور میں شام کے کسی شہر میں اقامت گزریں ہوتے اور قتل عثمان کی بجائے تکبیر حضرت ناکہ کی کٹی ہوئی انگلیوں اور خون میں نصیحتی ہوئی ہمارے عثمان کے ساتھ ان تکبیر پہنچتی تو بعینہ نہ تھا کہ وہ عقیدت علیؑ کو اس مضبوطی کے ساتھ قائم نہ کر سکتے جیسے اب رکے ہوئے ہیں۔ معاویہ اور ان کے ایمان والوں اور آخر انساں ہی تھے انھیں اپنی بدگمانیوں میں چالمازا اور بد نیت قرار دینا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

بعض لوگ ہم سے بہت ناراض ہیں کہ ہم خلافت علیؑ کی بیعت کو بیعت خاصہ کہہ کر اس کی توہین کرتے ہیں اور سیدھے منہ بیعت عام ماننے کو تیار نہیں۔ ذرا دیکھئے حضرت علیؑ کے بہت بڑے مددگار ڈاکٹر خطہ حسین کیا فرماتے ہیں

”اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ صرف خود ناکام رہے بلکہ آپ کے ساتھ پورا نظام خلافت ناکام رہا۔“

یہی تو وہ حقیقت ہے جسے ہم بیعت خاصہ اور عام کے فرق سے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ حقائق کسی کی خواہشات کے تابع نہیں ہو سکتے

کتاب کا ایک مقام خصوصاً تو جھکے لائق ہے۔ سنیوں نے حضرت حسنؑ کے دل سے حضرت عثمانؑ کا غم نکل نہ سکا۔ کہنا چاہتے تھے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے۔ البتہ انھوں نے حضرت عثمانؑ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا سختی خیال نہیں کئے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؑ گذر رہے تھے اور حسنؑ دھنوں میں مصروف تھے۔ حضرت علیؑ نے دیکھ کر کہا۔ وضو اچھی طرح کرو۔ حسنؑ نے کہا۔ کل ہی آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا جو دھنوں میں اچھی طرح کرتا تھا۔ حضرت علیؑ پرسگلا سے زیادہ کچھ کچھ کے خدا عثمان سے تلواری کا جڑ اور بڑھائے۔“

موجب ہو سکتا ہے۔ آج کا ذہن کیا اس شخص کے طرز فکر پر صاف کر کے گا جو خلافت دھکومت کو نسل و نسب کے دائرے میں قید رکھنے کا معتقد ہو! استحقاق خلافت کے مسئلہ میں ڈاکٹر خطہ حسین کے خیال اور مذہب شیعہ کے عقیدے میں بنیاداً کوئی تفریق نظر نہیں آتا۔ پھر جب حضرت علیؑ بھی اسی عقیدے کے حامل تسلیم کر لے جائیں تو نہ صرف یہ کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا قصر بن نہ رہے بلکہ زمین پر آ رہتا ہے بلکہ خلافت راشدہ کی ساری تاریخ ہی غضب و استیلا کے طور پر محسوس ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے حضرت علیؑ اور ان کے سچے صحابہ حضرت عباسؑ کا خیال واقعی وہی ہو جو ظاہر کیا گیا۔ اس کو تقویت بخاری کی بھی ایک روایت سے پوری ہوتی ہے۔ لیکن کیا امت کو بھی اسکی تائید و توثیق کرنی چاہئے؟ کیا سچے پہلی تینوں خلافتیں بس نام نہاں طور پر راشدہ تھیں اور ان کی بنیاد اہل بیت کے استحقاق خلافت کی لاش پر رکھی ہوئی تھی؟ اگر ایسا ہو تو پھر خلافت راشدہ کو خاتم بدہن خلافت خاصہ کہنے میں کیا تکلف ہو سکتا ہے! —

اعوذ باللہ من ذلک —

حکایت پر — امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں

نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی تھی کہ حضرت علیؑ دراصل اللہ کے ایک فرستے قانون قصاص کی راہ میں رکا و کھینچے ہوئے ہیں۔

بات ٹھیک ہے لیکن بین السطور خاصا بھیجا تک ہے۔ مؤلف یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے ساتھی جان بوجھ کر محض چالمازی اور سیاسی مکاری کی راہ سے حضرت علیؑ کی پوزیشن خراب کر رہے تھے۔ ہمیں اس سے احتیاط ہے حضرت علیؑ نے شک نہ تو قتل عثمانؑ کی سازش سے کوئی تعلق رکھتے تھے نہ ارادۂ قصاص کی راہ میں رکا و کھینچے تھے۔ لیکن ان تاکہ حالات کو کیا کہئے گا جو پیدا ہو کر رہے اور کسی کے پس میں نہ تھا کہ ان کو رکھنے۔ قاتلین عثمانؑ کے تسلط اور غلبے کی حالت میں جو ظلیفہ پر سر خلافت آیا ہے اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے والوں اور سوچنے پھیلانے والوں کو قطعی طور پر بد نیت اور مکار قرار دینا انسانی فطرت اور نفسیات عام کے ساتھ انصاف نہیں ہے

بیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر طحہ حسین کی نگاہ بصیرت اس تاریخی مکالمے کے مضمرات و شمرات سے کیسے چوک گئی۔ اگر نہ چوکتی تو ان کا یہ موقف کبھی نہ ہوتا کہ معاویہ اور اہل شام مشہادت عثمان کے سلسل میں حضرت علیؑ سے خلفت ال و اوع کی بدگمانیاں رکھنے میں بدبخت اور کاٹکتے مخلص اور معذور نہ تھے۔

بشک! انصاف کرو۔ اگر خود حضرت علیؑ کا عالی مقام بیٹا باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر منہ دہنہ اور بر ملا قتل عثمان کا الزام ان پر داغ سکتا ہے تو دنیا میں کون شخص ہوگا جس کی بدگمانیوں کو لازماً بدبختی اور کمزور سیاست پر محمول کرنا ضروری قرار دیا جاسکے حضرت حسینؑ تو کہیں دور بھی نہ تھے مدینے ہی میں تھے۔ نہ صرف مدینے میں بلکہ صحابہ فطین عثمان کی جنینیت سے دولت کہ عثمان ہی میں تھے۔ ان سے زیادہ کسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ان کے منظم والد قتل عثمان سے اسی طرح بری الذمہ ہیں جیسے خود وہ۔ ان کے والد نے تو محاصرے کے دوران بیٹھا پانی بجھا یا تھا اور اپنے بیٹوں کو حفاظت کے لئے متعین کیا تھا۔ لیکن کہاں سے کہ وہ ہولناک صاف گوئی کے ساتھ باپ کو قتل کر کہہ گئے ہیں اور ایسے موقع پر کہہ گئے ہیں جب اس کا کوئی موقع نہ تھا جب باپ ایک نصیحت کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ بھرے بیٹھے تھے۔ ان کے قلب میں جذبات کی پوری شدت کے ساتھ بدگمانی۔۔۔ باپ کے خلاف بدگمانی کا لاداکھول رہا تھا جو مناسب موقع کا انتظار کئے بغیر ابل پشلا۔

یہ روایت ہمارے معرودہ موقف کے لئے فولادی شہادت ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں اس کی صحت میں شک ہے۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ حسینؑ جیسا صلح بیٹا علیؑ جیسے عالی مقام باپ کے آگے اس دیر حید باقی مغلوبیت کا شکار نہ ہو جائے گا۔ ایسی ہے اس ساس بات کہدے گا جو ہولناک بھی ہو اور جو کچھ کان بھی جسکے لئے اس کا مشاہدہ کوئی برہان ہمیشہ نہ کر رہا ہو۔ جس سے بدن میں لہزہ اور روح میں چیخاں پیدا ہو جائے۔ پھر باپ۔۔۔ علیؑ جیسا فوجی دست دے جگر باپ نہایت بے غمزی سے زہر کا یہ تلخ ٹھونٹ پی جائے۔ نہ ڈانٹے نہ ڈپٹے نہ جس طرح کرے دھکا ہو۔ بلکہ ایسا جواب دے جس پر لوگوں کے لئے ابھی بری ہر صرح کی

دائے ذی لکھن ہو۔۔۔ جس کے غلط معنی بھی نکالے جاسکیں۔ اب ناظرین فیصلہ کر لیں ڈاکٹر طحہ حسین نے انتخاب رواایت کے معاملہ میں محتاط عقلی اختیار کی ہے یا بے نہایت فراحت ملی مذکورہ روایت اگر صحیح ہے تو ان کا پورا موقف تباہ ہوجاتا ہے جو جسکے ریشے انھوں نے تنقید کے تانے بانے میں سمونے ہیں اور اگر صحیح نہیں تو نفس مواد کی تقاہت مجروح ہوجاتی ہے۔ اس جراحہ کی ایک بدنام مثال صلح پر بھی ملتی ہے جہاں موصوف نے حضرت حسینؑ کے دانتوں پر نیزہ دیکے بیدار کرنے کی نام نہاد روایت بلا لکھف بیان فرمائی ہے۔ خدا کی رحمتیں ہوں امام ابن تیمیہؒ پر انھوں نے اس روایت کو قطعی نافتابلی اعتماد قرار دیا ہے اور اہل سنت میں کتنے ہی محققین ہیں جو اس کے من گھڑت ہونے پر دلوق رکھتے ہیں۔ یہ جن راویوں سے روایت ہوئی ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جنھیں صرف جھوٹا اور غصت سہی کہہ دینے سے ان کی صلاحیت دروغ بائی کا پورا حق ادا نہیں ہوتا۔

فاضل موقوف کے اس دو لوک اور صریح فیصلے پر ہم تبصرے کو ختم کرتے ہیں جو انھوں نے سنہ ۱۱۰۰ھ پر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔۔۔ چنانچہ جس کو حق بات اور عہدیت ابھی معلوم ہوئی آپ کے (حضرت علیؑ کے) ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی ابھی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جاملتا۔

گویا مسلک اہل سنت کے برخلاف موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی حسن علیؑ کی ادنیٰ ہی رہایت کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ وہ اپنے موقف کو قطعی طور پر باطل جانتے ہوئے ہی اس پر ڈٹے رہے تھے اور ان کے ایمان اس حد تک پتھر وہ بلکہ شرم مردہ ہو چکے تھے کہ انھیں "باطل اور گمراہی" ابھی لگنے لگی تھی الہما حفظہ۔ اگر سچ مج معاویہ اور ان کے ساتھی ایسے ہی تھے تو انہیں دور سے سلام۔ لیکن ہمارا علم، ہمارا فہم، ہمارا ضمیر اس فیصلے سے اتفاق نہیں کرتا اور اس لئے لکھن نہیں کہ ہم ڈاکٹر طحہ حسین کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ ان کا استدراک، ان کا نقد، ان کے خیالات و مرمومات انھیں کو مبارک، ہم علیؑ و معاویہ کی آدرش میں ہر فریق کو ایسا تجتہد خیال کرتے ہیں جو اگر قطعی نہ کرے تو دہرا جبر پائے۔ غلطی کر جائے تو اکہرے ثواب سے پھر بھی محروم

ذریعہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و عندہ اتم ۛ

چرخ راہ کا خاص نمبر

چرخ راہ ایک پرانا نامیستا ہے، جو اپنے "نمبروں" کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہی تو ہے جس نے ابھی کچھ روز پہلے "اسلامی قانون مجسمہ" کی دو ضخیم جلدیں پیش کیے کے دھوم مچا دی اسلامی حلقہ فکر میں اسے خاص منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

● سالانہ چندہ چھ روپے ● خاص نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے ● پتہ :- ماہنامہ چرخ راہ لاہور کراچی عدلیہ

یہ نمبر ۱۶ صفحوں پر مشتمل ہے اور درندہ ازمواد کا حامل ہے ابتدا میں فکر و نظر کے ذیل میں چند لطیف مضامین ہیں۔ پھر "غبار خاطر" کے تحت بعض مشاہیر شاعرانہ کثرت قبائل، مولانا فاضل علی جوہر، مولانا ابوالکلام، مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہم کے غیر مطبوعہ خطوط ہیں جو خاصے کی چیز ہیں۔ اس کے بعد سوز و سازش کے زیر عنوان قصہ نظم ہے۔ حضرت جلالت کے تبرکات قدرت سے برائے مگر اپنے انفرادی بائیں اور پاکیزہ تغزل کے امین۔ ماہر لقاوری کی منزل کافی قدیم مگر اسی نسبت سے نشیانی اور وجد انگیز۔ چار خیال ہے یہ ان کی صف اول کی چند غزلوں میں سے ایک ہے جس کے دو تین شعر تو "سحر حلال" کے نمونہ رکھتے ہیں۔ نعیم صدیقی کی غزل حسب معمول دلچسپ اور تکیجی۔ مگر عجیب بات ہے کہ انکی تقریباً ہر غزل اور نظم میں جہاں تخیل کی بلندی، اسلوب کا تیکھا پن، بے کا زور داد مخلص کارچاؤ خوب خوب جلو دکھاتا ہے وہیں زبان بیان کے چند گھاد بھی پہلو پہلو نظر آجاتے ہیں۔ بعض الفاظ تو وہ ایسے غیر متوقع استعمال کر گزرتے ہیں کہ وجدان کو اکدم دھکا سا لگتا ہے مثلاً اسی غزل میں جب چند نرم و نازک شعروں کے بعد یہ مصرعہ سامنے آتا ہے

احساس کے دامن میں برسوں، آلام کے پتھر ڈھنچے ہیں
تو ذوق تغزل کے منہ پر چاٹا سا سید ہوا جاتا ہے۔ "پتھر ڈھنچوں" غزل کی زبان نہیں ہے۔ اسی طرح
تم کبر زہد کا اک دھتہ اسے شیخ! ابھی چھڑوانے کے
میں چھڑوانے کے "کا گٹھا غزل کے شایاں نہیں۔ اسکے دوسرے
مصرعہ میں "صدراغ معاصی" بھی دو دال کے اتصال سے روانی

کی راہ کا پتھر نم گید ہے "سوز و غم معاصی" اس سے بہتر رہنما ہمارا خیالی ہے نعیم کی شاعری میں اس طرح کے دھتے ان کی گونا گوں مصرعوں کا نمبرہ ہیں۔ ویسے طبعاً اگر وہ لا پر دانا ہوتے تو ہزار مصرعوں کے باوجود ان دھتوں کی گنتی کم ہو سکتی تھی۔ واحد صانع یہ ہے کہ وہ کم گوں مگر زیادہ توجہ سے کہیں ۛ

کوثر نیازی کی نو اے تازہ کے کیا کہنے۔ اسلام پسند شعرا میں چن ہی سچ کے شاعر ہیں اور انھی میں کے ایک ممتاز مشہور جناب کوثر نیازی ہیں۔ اللہ کرے حسن بیان اور زیادہ۔
حاضر عثمانی کی غزل شایہ شکست جام کی صدائے بازگشت ہے یہ گستاخ اپنی دہا بیت سے غزل میں بھی باز آ گیا۔

جو سجدہ خاص امانت تھا پائے نہ جاناں کا
ہوس اسے بھی درغیر گزرا آئی
حالاً نگہ بین کیسے یہ شعر کہتے وقت اس کے تصور میں وہ سب سے دوریوں سے جن کا دین چڑھتے ہوتے سورج کی پوجا کے سوا کچھ نہیں لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس بے ادب نے ہزارا سہ اولیاء پر نذر و تمبا کر کے اسے اہل اللہ کی توہین کی ہے! عیضہ کون کرے کون سچا ہے؟

بہر حال اس غزل پر تبصرہ کسی اور کا حق ہے۔
کوثر اعظمی کی غزل مطالب کے لحاظ سے بہت اچھی ہے
قالب کے لحاظ سے متوسط ہے۔ ایک مصرعہ کھٹکا
جو ان کو گزراں گزری ہے وہی پھر بات زبان پائی ہے
تعمیر حزم تو نہیں ہے مگر داخل محاسن بھی نہیں ہے پھر وہی بات کی سچائے "وہی پھر بات" قدرت بیان کی اچھی علامت نہیں۔ مطلع بھی بس بھرتی ہی کا ہے۔

معراج ہی غم کی ہے رہے ہر لمحہ غم السان کوثر
مانا کہ زمانے کے انساں کہتے ہیں تجھے، معمرانی ہے
"ہے، رہے" کا اتصال گھٹن پیدا کر لے۔ پھر یہ بجز ایسی ہے کہ
اگر اس کا ہر مصرعہ دو بار لکھے مگر وہیں تقسیم نہ ہو تو مزاکرہ ہو جاتا ہے۔
"معمرانی" یہاں ہزل کی سرحد چھو تا محسوس ہوتا ہے۔ شاید
یہ ہماری کوثر ذاتی ہو! ۛ
شمیم جاوید، کوثر جانتی، فروغ احمد اور ساقی منار ذاتی

سب اپنی اپنی جگہ فردوس نظر آ رہے ہیں۔ دلچسپ ساقی فاروقی کا مطلع ہماری نگاہ میں نہ آسکا۔

یہ نضامنا سا پتھر کہساروں پر بھاری ہے
پہلا پتھر کون چلائے سب پر سکتے طاری ہے

جس واقعہ کی یہ تصحیح ہے وہ تو ہمیں بھی یاد ہے مگر حاصل تصحیح ہماری گرفت میں نہ آسکا۔ گرفت میں نہ آنے کی ذمہ داری ہماری کوتاہ فہمی پر آتی ہے یا ساقی صاحب کی رمز کشی پر، یہ تصفیہ کوئی ناقد ہی کرے گا۔

منظومات کے بعد گدگد و شوق کے ذیل میں بارہ وہ قیمتی صفحات ہیں جن کی رفعت اور حسن و کشش تنقید سے بالاتر اور تعلق سے تہنیت کا مرتب ہے۔ مولانا مودودی پر خدا کی رحمتیں انھوں نے اچھی اپنی تفسیر قرآن کی خاطر ملا داسلامیہ کا سفر کیا ہے تاکہ ان مقامات کو جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھیں، یہ سفر نامہ جب مولانا مودودی کو اپنے کلمے سے لکھیں گے تو شاید اس کی مانگ اور جا ذہبت آسان سے ہاتھیں کرے گی لیکن فی الحال ان کے دو شعر کائے سفر نے جو جھلکیاں پیش کی ہیں وہ بھی تحفہ خاص سے کم نہیں۔ ان پر تبصرہ یہی ہے کہ طے سے ادراکیت و ابہتہاج کی پہنائیوں میں کھو جاتے۔

آخری شعر مخفی رنگ و نور ہے جس کے تحت چھ افسانے دئیے گئے ہیں۔ پہلا افسانہ "بچہ" اٹلاوی ناول نگار الیرٹو مولویو کا ہے جسے محمد حمید اللہ صدیقی نے اردو لہاس پہنایا ہے۔ واقعی یہ افسانہ اسی کا مستحق تھا کہ اسے سب سے پہلے ہمیں تو دوسرے نمبر پر ضرور جگہ دی جاتی۔ دلچسپ، نتیجہ خیز اور چست۔ اس کا مرکزی خیال ایک نفسیاتی نکتہ ہے جس پر کہانی گھومتی ہے۔ نفسیاتی افسانے اکثر بے کیف اور اکتا دینے والے ہوتے ہیں لیکن یہ ایسا نہیں اس میں فن اور فضا لوہیت ایک دوسرے کا منہ نہیں نوچتے دوش بدوش بیٹے بوٹے چلتے ہیں۔

دوسرا افسانہ "پرنس آف ڈرب" ہے داؤد زین العابدین صاحب، اسے شاید ازراہ طنز "ماسوسمی ناول" کا نام دیدیا گیا ہے ورنہ اس میں ناولوں والی رنگارنگی اور ہمہ جہتی نہیں پائی جاتی بنا سستی جاسوسوں پر ایک دلچسپ طنز ہے جس کے لئے مصنف

داد کے مستحق ہیں۔ ویسے طنز کا نثر تیز سے تیز کر دیتے کے جوڑہ میں موصوف حد اعتدال سے کچھ آگے نکل گئے ہیں۔ جہاں ایک غبی سے غبی قاری بھی یہ جان جائے کہ "پرنس آف ڈرب" کس بلا کا نام ہے وہاں بھی ان کا ماسوس اگر خواب و خیال کی دنیا میں گم رہتا ہے تو کہنا چاہئے کہ وہ اس دنیائے آب و گل کا کوئی فرد نہیں بلکہ ایک فرضی عجز ہے جسے "کاٹھ کا آٹو" کہہ سکتے ہیں یہ بات فن کے خلاف ہے مگر تھیٹرا دلچسپ اور گوارا بھی ہے۔ واقعی حفتہ دماغی کے ہمسے بدتر نمونوں سے یہ دنیا خالی نہیں ہے۔

تیسرا افسانہ "ناشکر" ہے، جو اسلام پسند ادیب کے مشہور اور کہنہ مشوق قلم کار جناب نسیم کا شعر پارہ ہے، سات صفحات کا ایسا افسانہ جس کی تعریف بھی آسان نہیں اور تحقیر بھی مشکل ہے، بزرگی اور تفصیل نگاری میں موصوف بدطولی رکھتے ہیں۔ مشاہدہ مجدد تیز ہے۔ زبان بھی دل آویز اور سچی بنی ہے۔ لیکن تکنیک ایسی ہے کہ افسانہ نمود کو پڑھواتا نہیں بلکہ قدرے جبر کے ساتھ پڑھانا پڑھتا ہے۔ ہم نہ تو عنوان کی نہ کہ کہانی کے دکلا ٹکس سے غلط ہو سکے صرف و دمنش کی کہانی کو سات صفحات پر پھیلا دینا ہے تو کمال فن۔ لیکن جس بنیاد پر یہ اونچی عمارت اٹھی ہے اس کی واقعیت میں ہمیں شک ہے۔ ایک مریض آنکھوں کا لڑکا دوران مطالعہ میں اچانک بجلی گئی، جو جگہ پر خود کو دندھاگان کرنے لگا، یہ اونچی بات ہے۔ بجلی گئی ہونے اور آنکھیں گئی ہونے کے بیچ فرق کو محسوس کرنا کچھ میں نہیں آتا۔

پھر قلم نگاری کے دانشوں میں لڑکے کے ذہنی بھوپال کی جو تصویر کشی گئی ہے وہ بھی کہیں کہیں سے پھلکی اور نثری محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ نسیم صاحب کے حسن تحریر کا احساس کرنے کے باوجود افسانے کے مقصد اور پلاٹ کا ربط و اتحاد ہماری فہم سے بالا رہا۔

چوتھا افسانہ "بہار کا گیت" امرتھو طاری کے قلم کی جانتار نراؤش ہے، نگار، گیز، ٹوٹرا اور دردناک۔ دو متقابل جذبوں کی کشش میں سفلیت کی جہت اگرچہ دل کو ملوں کرتی ہے لیکن آج کے معاشرے میں یہ جہت کبھی ایسا اہل واقعہ ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ افسانے کی ہیروئن شوہر کی ماں کا کچھ بھی چپ ہی رہی ہے

یہ خوشی اس افسانے کا سب سے حسین اور نکارہ مگر ایسے جس سے افسانہ نگار کی قوت مشاہدہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانچویں نمبر پر بالبال لکھنوی ایک زیر شاعت ناول کے دو باب دئے گئے ہیں۔ ان پر تبصرہ قبل از وقت ہوگا۔ ویسے اس کے پہلے باب سے قیاس ہوتا ہے کہ ناول قابلِ اعتماض عربیائی کی حدوں کو چھو گیا ہوگا۔

چھٹا اور آٹھویں افسانہ "تاباں کی زندگی کا ایک ورق" ہے۔ جس کے مصنف محمود فاروقی صاحب ہیں۔ تاریخی انداز کی کہانی کا ایک شاندار خاکہ جسے خود مصنف نے نو حیدرآباد سے منسوب کیا ہے لیکن متعدد رجوع سے یہ زبان کی فصاحتوں کا تصور دینا ہے۔ طرزِ تحریر بہت حسین و دلکش ہے۔ چودہ صفحات میں ایک بھی صفحہ ایسا نہیں معلوم ہوتا جس میں قلم کار نے فکر و تہاک میں تساہل برتا ہو۔ ماحول کی تصویر کھینچنے میں وہ ایک خیالی صلو نہیں بلکہ سچ سچ کے نو نو گرا فرغ محسوس ہوتے ہیں۔ پھر بیک گراؤنڈ میں جو تیکھے رنگ انھوں نے دئے ہیں۔ انھوں نے بعض ایچھے افسانوں کی یاد دلا دی۔ ان کے قلم میں رچاؤ اور تخیل میں قوت ہے

زیادہ کہنے کی ان صفحات میں گنجائش نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ افسانہ جسے سب سے آخر میں جگہ دی گئی ہے شاید اس لئے کہ اس کے مصنف اراکینِ ادارہ میں سے ہیں، ہماری نظر میں اس نمبر کے سب افسانوں سے بہتر ہے۔ من حیث المجموع بھی اور جز جز بھی۔ البتہ مقصدیت کی اس ادنیٰ سطح کو نہیں چھوٹنا چاہیے لیکن اسلام پسند ادیب نظری طور پر اسلامی ادب کا اُس بُڈیل قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس سطح تک تکلفت جست لگانے کے عوض تندرستی ہی ستر ٹھیک رہے گا ورنہ جن اسلام پسندوں نے جست لگانے کی سنی کی ہے ان کے افسانے افسانے کا مذاق بیکردہ گئے ہیں۔

فاروقی صاحب نے ایک جگہ "جھک" کو مذکور استعمال کیا ہے۔

"شکار میں جھک مارنا پڑتا ہے۔"
اسے مؤثر استعمال کرنا چاہیے۔

حاصل تبصرہ یہ کہ جس طرح راہ کا یہ خاص نمبر اسکی روایات کے شایان شان ایک قیمتی پیش کش ہے جس کے نئے اس کے مرتبین مبارکباد کے مستحق ہیں۔



ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف)
دہلی - کاپور - پٹنہ

کھانسی

نزلہ

زکام

شروع ہوتے

ہی

روک دیتے

سُعَالِین

سائیس کی نالیوں کو صاف کرتی ہے۔ اور تسکین پہنچاتی ہے۔



کھ کے کھوٹے

شمس نوید عثمانی

صفحہ ۱۲۴ رسالہ سائز ۳۰×۴۰
کتابت و طباعت جلی قیمت
ایک روپیہ - چھپنے کا پتہ
سر روزہ دعوت کونج دہلی

ادارہ دعوت نے ماہِ جماد کے تعلق سے "روزہ" پر یہ ایک
خصوصی پیش کش عید کے تحفہ کے طور پر پیش کی ہے اور روزے کے
موضوع پر ہر روز ادب سے دلچسپ و دلنشین روشنی ڈالنے والے ۷۸
مضامین نشر و نظم کا گراں قدر ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے۔ روزہ کیا
ہے، کیوں ہے؟ اس کے آداب اور اس کے انعامات کیا ہیں؟
وہ حیاتِ انسانی کے اخلاقی گوشوں پر کیا اثر ڈالتا ہے اور مادی
زندگی کے گوشت پوست پر اس کے کیسے صالح نتائج مرتب ہوتے
ہیں؟ - ان مسائل کو حضرت شاہِ ولی اللہؒ، مولانا اشرف علی،
مولانا آزاد مرحوم، مولانا مودودی، مولانا ناصر الدین اصلاحی،
حکیم مولانا عبدالواحد، مولانا شبیر احمدزہری جیسے بابر اعجازِ باب
علم و علم کے خیالات و ملفوظات کے ذریعہ آ جا کر کیا گیا ہے۔
درحقیقت یہ رسالوں کی دنیا کا کوئی رسمی نمبر نہیں بلکہ ایک
ایمان افزہ اور نورانگیر مشعلِ راہ ہے۔ جس کا مطالعہ سے محروم
رہنا اعلیٰ ہوئی بد قسمتی ہوگی۔ رمضان کے بعد اس کا مطالعہ عربیہ ماہ
وقت نہیں بلکہ اس نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ روزہ دار اس
کسوٹی پر اپنے روزوں کو پرکھ کر دیکھ سکے۔
نظم کا حصہ شکر کے مقابلہ میں کم بھی کا شکار ہوا ہے! معلوم
نہیں شکر کے بیج اور ٹھوس مواد سے نکلے جسے ذہن اس کو کمی
کہیں گے یا زیادتی! بہر حال یہ ایک ادبی شکرانیت ہوگی علیٰ نہیں۔

موتیہ :- سید منظور الحسن ہاشمی بی۔ سے۔ ڈب ایڈ۔
شائع کردہ :- مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ راجپور۔ یو۔ پی۔
یہ کتاب 'یوا پانی' 'مفاہیس' 'برق' 'غذا' 'پھول' اور
پھل' صحت اور صفائی کے زیر عنوان سات اہواب پر مشتمل ہے
ہر جزو کا جائزہ الگ الگ جدید سائنٹیفک اکتشافات کی روشنی
میں لیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ سائے چاروں طرف پائی جانے والی
ان عمومی چیزوں میں قدر کے تغیر انگیز راز بے نقاب کرتا ہے اور
حیات و کائنات کے پرشہ پر ان عجیب و غریب چیزوں کا نظام دکھانے
خالق کائنات کی قدرت کا ایمان افزہ عرفانِ حاکم ہونے کے
کی خصوصی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ان مادی عوالم کے شہنی سہل کے
پہن نظر میں خالق کائنات کی ہستی پر روشنی ڈالتی جلتی ہے اور اس کے
مطالعہ میں علمی اور سائنٹیفک شرح صدر کے ساتھ ایمانی سرور بھی
حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کی زبان اور اسلوب تحریر اس قدر سادگی
اور دلچسپی ہے اور اس قدر عام فہم ہے کہ ہر عمر کے طالب علم اس سے
فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

**INTRODUCING
THE JAMAAT E -
ISLAMI HIND**

جماعت اسلامی ہند
کا تعارف

ضخامت ۱۵۰ - ناول سائز - کاغذ و طباعت صاف ستھری -
سختیہ ٹائٹل - قیمت درج نہیں -
شائع کردہ :- شعبۂ اشاعت جماعت اسلامی ہند۔ رام پور یو۔ پی۔
جماعت اسلامی کے تعارف کے لئے یہ انگریزی کتابچہ بہ
مثالی ہے کہ جماعت کی تاریخ تاسیس کیا تھی اس کے نظریات و افکار
کیا ہیں؟ اس کا طریقہ تنظیم کیا ہے؟ اس کا پر وگرام کن اجندا پر
مشتمل ہے اور اس نے ملک کے سامنے کیا اثر پھینکے ہیں؟

۱۲۴ صفحہ کاغذ
ایمانی ناول سائز -
ادب و طباعت روٹس قیمت ایک روپیہ

عام معلومات

مگر معنوی طور پر بہت دور تک جاتی ہیں۔ مصنف کو اس باب میں
خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے۔

موج کوثر - اقبال ہیل۔ ناول سائز۔ صفحات ۳۲
پاکیزہ کتابت و طباعت۔ تھراڈشکور۔ قیمت ۸
حلقے کا پتہ ۱۰۱۔ جہانگیر آباد پٹیس۔ لکھنؤ۔

یہ اقبال ہیل مرحوم کی تین طویل تعنیہ نظموں کا انتخاب ہے۔
اقبال ہیل کا نام شاعری خصوصاً اسلامی شعروادب کے حلقہ میں محتاج
تعارف نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعروہ خود نہیں کہہ رہے ہیں
بلکہ کہلوا یا جا رہے ہیں۔ سوزِ دل کی لطیف آغج جذبات کی گہری
ردائی اور فرح کی بوٹ ان کے ہر شعر سے صاف چلتی ہے۔ اس
ان کا کلام پڑھ کر دل سے ایک ٹوک سی اٹھتی ہے اور ہم جیسے گہکار
بھی ایمانی تانگی محسوس کرتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ شاعر نے خود کہا ہے کہ اس نازک میدان شعر میں
شاعر کا یہ حال ہوتا ہے کہ۔

”خرد عاجز، نظر خیرہ، زباں کج، بیان قاصر“

اور عقیدت کے سبب رواں میں جذباتی اتہا پسندی سے بچ کر اسلام
کے تصور رسالت کا مکمل لحاظ کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور حقیقت
پسندانہ زاویہ نظر بدنام مذہبی عجب پسندی سے متاثر ہونے لگتا
ہے۔ ہمیں واقعی دکھ ہو کہ اقبال ہیل مرحوم جیسا بالغ نظر شاعر بھی
ان حسین لغزشوں سے نہ بچ سکا۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:-
(۱) نظم ”عراج“ میں ص ۱۱ پر شاعر کہتا ہے کہ گوہ طور پر حضور موسیٰ
نے جو تجلی دیکھی تھی وہاں درحقیقت:-

”یہ سب کچھ تھی جلال مصطفیٰ کی پر تو افشانی“

وادی امین کے جن انوار کو قرآن پاک اللہ میاں کے انوار کا
پر تو کہتا ہے اس کو جلوه مصطفیٰ سے منسوب کرنا رسالت والوہیت
کی سرحدیں ملا دیتا ہے۔ جس پر ذہن اسلامی داد کی جا فریاد پر
مجبور ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۲ پر ”لئے قدس تن بے سایہ“ کا فقرہ اس
قدیم توہم پرستی کا شکار ہوا ہے جس کی زد میں عوام تو عوام علماء
نک کے حلقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کی تردید میں یہاں
کچھ کہنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ تجلی کے سابقہ صفحات میں اس کے

کافی شگفتہ و سہل انگریزی میں اس طرح جاوے کہ متعلق تمام بنیادی باتیں
سمیٹ دی گئیں ہیں۔ انگریزی داں طبقہ کے لئے اس کا مطالعہ سمجھنے
میں کافی مدد دے گا کہ جماعت اسلامی کی وہ انفرادیت اور اس کا خصوص
پیغام کیا ہے جو اس کو ملک کی عام جماعت جنیوں سے ممتاز کرتا ہے۔
مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر کتابچہ کی تنگ دامانی کی شکایت
ضرور پیدا ہوتی ہے۔ اس پر اس اختصار آمیزی میں بیانیہ اسلوب
کی خشک سادگی کتاب میں جذبات انگیز قوت کی عدم موجودگی کو شدت
سے محسوس کراتی ہے۔

اقبال ہیل۔ طبع عثمانی ندوی۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ناول سائز۔ ۴۰ صفحات

قیمت ۵۰ نئے پیسے۔ ناشر:- دارالکتاب۔ سولہ۔ ڈاکخانہ قاسم ضلع گیا
میش لفظ کے علاوہ ۴۰ مختصر مضامین پر مشتمل یہ کتابچہ رسول کریم
کے اسوۂ حسنہ اور عظیم انسانی کردار کی روشنی میں رسالت محمدی کی
سپاتی اور عظمت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رسول کریم پر
ایمان کے مدعیوں کے لئے اس میں جا بجا تاریخی حقائق بھی ہیں۔ یقیناً کتابچہ
کا موضوع اپنی وسعت و اہمیت کے لحاظ سے اس کتابچہ میں نہیں سامسکتا
پھر بھی مصنف کے خلوص اور سوزِ تحریر کی برکت سے اس کا اختصار سخن
بھی کافی دل نشین محسوس ہوتا ہے۔ افسوس کتابت و طباعت غلط ہے
توجہ نہیں کی گئی۔ نیز بعض الفاظ کا استعمال بھی نادرست ہے مثلاً ص ۶ پر
”جسد مرده میں روح بخشا“ کی جگہ ”روح ڈالی“ ہونا چاہئے۔ یا ص ۶ پر
”انجی ہا ریک راہوں کو اس سے اجالا کرتی رہے گی“ یہاں ”اجالا“ بمعنی
روشن ٹھیک نہیں۔ یا ص ۱۲ پر توحید اور مساوات کو مذکور کے طور
پر استعمال کیا گیا ہے!۔ اس کے علاوہ ص ۲۵ پر یہ عبارت کہ آپ
نے اس عالم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے قرآن مجید عظیم الہامی کتاب
اور ان قرآنی اصولوں پر زندگی کی تعمیر کے لئے اپنی عملی سیرت پیش
فرمائی۔ اس میں قرآن کو پیش کرنے کی نسبت حضور کی ذات گرامی
کی طرف کرنا خطرناک حد تک ”ادبیاتہ پرچ“ ہے۔ مصنف کو نہ بھولنا
چاہئے کہ اسی مقام پر بغیر مسلم دنیا کا فرسودہ اعتراض واقع ہونا رہا ہے
کہ قرآن رسول کریم کی تصنیف ہے (معاذ اللہ)۔ نیز قرآن کو
”الہامی کتاب“ کہنا بھی یہ وحی اور الہام کے بلنا فرق پرستم سے کم
نہیں۔ الفاظ کی یہ لغزشیں یقیناً بادی النظر میں بالکل معمولی ہیں

خلاف جو تحقیقی مواد شائع ہو چکا ہے اسکی ایک تردید نہیں کی جا سکی۔
 آخری نظم کا آخری حصہ بھی قابل غور ہے۔ یہاں نعتہ نظم صحابہ کرام
 اور خلفائے راشدین کی منقبت میں داخل ہو گئی ہے مگر نظم کا ردیف
 "صلی اللہ علیہ وسلم" جاری ہے۔ اور قانونی زبان میں غیر مربوط طور
 پر جاری ہے۔

کلام کے مجموعی حسن و لطافت کے باوجود بعض جگہ الفاظ اور
 اظہارات صحت اور وجہ ان کے لحاظ سے کھٹکتے ہیں مثلاً صفحہ ۳ پر
 "عبودہ جانان کی عریانی" میں "عریانی" کا لفظ لغت کے مذاق لطیف
 کے لئے مہربان ہے۔ صفحہ ۴ پر "کل یوم ہوتی شان" کا وزن جو خوبی
 قابل غور ہے۔ نیز صفحہ ۵ پر "مکوت" کا لفظ غیر متوجہ لام کے بغیر
 ٹھیک نہیں۔ صفحہ ۱۲ پر "جسک حکم فضلے مہرم" کہنا خدا کے رسول
 کو رسالت و بشریت سے ادنیٰ اٹھا کر اس دائرہ میں لجا رہا ہے جہاں
 "الحکم للہ و الملک للہ" کے سوا کسی کا راجح ممکن نہیں۔

مجموعی طور پر نثر کا کلام اس کے خالص اسلامی جذبات
 کی کھری ہوتی شکل ہے جس میں صالح اسلامیت اور لطیف شعریت
 ہم آمیز ہیں۔ لطف کلام کے طور پر چند شعر یہ ناظرین ہیں جو کستل
 کتاب کے مطالعہ سے کیف اندوز ہونے کی خود بھی پر زور سفارش کرتی ہے
 وہ جامع جس نے بجا کر کے بھرے ہوتے دانے

شادی آنکھ جس نے باہمی نغمہ یق انسانیا
 وہ دہن آموز فطرت جس نے رب سے پہلے نیامیں

بتائے اپنی عالم کو حقوق جنس نسوانی
 تراشے جس کے ناخن کا بال آسمان مستدل

خدا جس کے تلواروں کا زلال آب حیوانی
 براق برق پیکر کے چلا یوں ذات الورد کو

فضا میں تیر جاتے جس طرح بجلی کی تابانی
 حضور اس طرح گزرتے گنبدینا سے گردوں سے

نظر جس طرح شیشہ سے گزرتے ہے آسانی
 باغ جہاں کا عارض نامی جسٹ شافی درج علیانی

پھر سے ستوار انگشیں آدم صلی اللہ علیہ وسلم
 راہ میں کانٹے جس نے بچھاتے گالی دی پھر برسے

اس پر چھسٹ کی پیاری شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ و خاندانوں کا سلطان روح و جسد دونوں کا دریاں
 دین کا اور دنیا کا سنگ صلی اللہ علیہ وسلم
 دین میں جس نے سلطانی جنگ میں جس جہان بینی کی

نہرو سب است کر دیتے تو ام صلی اللہ علیہ وسلم
 صدر امام سلطان مدینہ وہ جس کے کف پا کا پینہ
 گل کدہ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال و عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

ازدہ سید محمود عبد الرشید
 ناول ایم اے۔ ناول سائز
 ۱۰۰ صفحات۔ کتابت

طباعت اوسط قیمت درج نہیں۔
 پختہ کا پختہ: ادارہ تنویرات علم و ادب۔ پشاور۔ پیر الہی بخش کالونی۔
 کراچی (پاکستان)

مصنف نے اس کتاب میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے
 کہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کی شاعری "حسب رسول" کا کیا معیار پیش
 کرتی ہے؟ نیز شاعر کے سینے میں اس مقدس محبت کی چنگاریاں کی اس
 دعوائل کے تیو میں پیدا ہوئیں؟ اس مقصد کے لئے ڈاکٹر اقبال کی زندگی
 کو پانچ ادوار پر تقسیم کیا گیا ہے جو کچھ کی تربیت اور ایمان باپ کے اثر،
 ابتدائی تعلیم اور ماحول۔ استاذ کی محبت، غالب اور عالی کا اثر، وسیع
 مطالعہ کتب اور ذاتی مشاہدات کے عنوانات پر مشتمل ہے۔ حسب رسول
 کے شعوری ارتقا، کو ان کے خلف اور شاعری کے آئینہ میں دیکھنے
 کی کوشش کی ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اس مقام پر کافی کاثر و شعور کے
 زحمت انتخاب کی گئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اشعار کا دافر
 ذخیرہ بجا کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں اقبال اور دوسرے
 نعت گو شعرا کے زیر عنوان اور و قلمی کے دو حصے مشہور شاعروں کا
 وہ کلام نمونہ کے طور پر دیدیا گیا ہے جس میں حب رسول کے جذبات
 موجزن ہیں۔

جیسا کہ مصنف نے خود ایک جگہ اعتراف کیا ہے "عشق رسول کوئی
 عام دنیاوی عشق نہیں، اس کی ایک عظیم العزادیت ہے۔ اسکا ایک مخصوص
 ترین معیار ہے۔ وہ حقیقت حقیقی اور معیاری عشق رسول وہ عشق ہے
 جو عشق الہی کی قیمت پر نہ کیا جا رہا ہو بلکہ اس کا آخری مقصد اور پہلا
 عشق الہی ہو۔ پیغمبروں سے عقیدت و محبت کا داعیہ یقیناً ایمان باللہ

۱۔ ابا ظہر کہو نے کاشقرآن پر نظر رکھے۔ اللہ کہتا ہے۔ لیسے اللہ صحت الامرتیجی دے تو اطمینان ہوا کہ جو بھی حصہ نہیں، علاوہ ان یقیناً اللہ صحتی قبل وین لکھد۔
 نیز ان یقیناً اللہ صحتی جہا۔ نیز ان الامرتیجی حکہ اللہ۔ اور اس طرح کی متعدد آیات عام عثمانی

جذبات میں کوچر دو سمت کو خطاب کرتے ہوئے کسی شاعر کا ہوتا ہے
 لیکن شعر و ادب کے تصور آئی اور دالہا جذبات کے ان کتابوں اور
 رمزیتوں سے بہت کوشش لیت اور اعتقاد کی زبان میں ہی بات کہی
 جانے لگے تو اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ تو حید کا قانون اس کے خلاف
 حرکت میں نہ آئے اور خدا اور اس کے رسول کے درمیان فریق مبرا
 کی شہری تمیز اس کے خلاف میدان بنا ہو۔ ہیں افسوس ہے کہ اس باریک
 خطرہ کو زیر نظر کتاب کے مصنف نے ملحوظ نہیں رکھا اور انھوں نے شاعر
 کا سنہ ترجمہ کرتے ہوئے نثر اور نظم کے درمیانی خط کو تو کر دیا ہے۔
 شاعر صوفیہ "پرفیوم از تو خواہم انچونواہم" کا ترجمہ "مغیر ہوں مگر
 جو کچھ سمجھتا ہوں آپ سے سمجھتا ہوں" اور اسی قبیل کے دوسرے
 اشعار کا ترجمہ بھی اسی احتیاط سے کیا جاسکتا تھا جس کا ثبوت صفحہ ۱۰۱
 پر حسب ذیل مثال میں ملتا ہے

"بچشم من نگ آردہ نست" — میری آنکھوں میں آپ کہا کی
 عطا کردہ روشنی ہے (یہ ایمانی بصیرت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے) —
 سندرجہ بالاتر ترجمہ کی مثال میں شاعرانہ طرز کلام کے سادہ ترجمہ
 سے ایک عام ذہن میں جو شہ یک تمیز تصور پیدا ہو سکتا تھا اور نہایت
 وفائیت کی جو نسبت خدا کے بجائے رسول کی طرف ہو سکتی تھی بریکٹ
 کے نشہ کی اضافہ ہے اس کی اصلاح ہوگی، لیکن افسوس کہ دوسرے
 اہم تر مقامات پر جہاں شاعر محض وہی مشاعرانہ مخاطب کے انداز میں کلام
 کریم کو خطاب کرتا اور دست طلب دراز کرتا ہے وہاں یہ احتیاط نظر نہ
 ہوگی اور سادہ ترجمہ ایک عام ذہن کے لئے اور خصوصاً اس دور ترجمہ
 کے شہک پسند مزاج کے لئے خطرناک اور مخدوش ہو کر رہ گیا۔
 صفحہ پر مصنف کے قلم سے یہ عبارت نکلی ہے کہ:-

"عشق رسول سے بڑھکر اور کونسی چیز ہو سکتی ہے! خدا کی معرفت
 بلکہ خوشنودی خدا ہی اسی پر موقوف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب
 آفرینش اور مقصود حیات انسانی عشق رسول کے سوا کچھ نہیں۔
 ہماری بچہ نہیں آتا کہ اس عبارت اور سران کے اعلان کے
 درمیان کہ "انس و جن کو عبادت کے لئے خلق کیا گیا ہے" کیا جوڑ باقی
 رہ جاتا ہے؟ — یہ ایہام و حرمت خواہ کتنی ہی عظیم خلوص نیت سے
 اختیار کیا ہے اس کو معصومانہ طور پر سمجھا کر سناؤں گا کام نہیں۔
 اس سے اصلاح کے بجائے ایسے خاموش نقیوں کی بنیاد پڑتی ہے

اور حسن بشیر کی اولین شرط ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی
 ٹھوس تاریخی ہے کہ پیغمبروں کی ذات سے معتدل اور متوازن عقیدت
 و محبت جہاں افزا قریب کی شکار ہوئی وہاں یا تو انسانیت کا ضمیر کھر کے
 بھر ظلمات میں جاگرایا شکر کے پاتال میں کھو گیا اور اس طرح اس
 دردناک گناہ کی زد میں آکر تباہ ہو گیا جس کے لئے ابدی نمر کا قدرتی
 حکم اسی دنیا میں نازل کر دیا گیا ہے۔ اسلام کے دائرہ شریعت میں نہایت
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے تعلق وہ واحد مشعل راہ
 ہے جس کے بغیر منزل مقصود کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا
 اس طرح وہ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ ایک ناگزیر حسین ترین ذریعہ ہے
 ایک ناگزیر واسطہ ترین مقصد کے حصول کی ہی وہ حقیقت اساسی ہے،
 جس کو عظیم شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ نے کئی جگہ پیش فرمایا ہے۔
 پسنزل کوش ماخذ مسرہ نو × درینا میلی نفاہم درم فروں شو
 مقام خویش گرا ہوا ہی نہیں دیر × بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو
 نوں اللہ پر یوح دل من × کہ ہم خود را ہم اور افاش بیم
 آعاں میراں او بوئے او × دا و مارا قرۃ اللہ ہو
 اگرچہ اقبال کی شاعری اور اس کے قلب و روح جس "صبر رسول"
 کے قابل رشک جذبہ سے سرشار ہیں وہ "حق دل بند و راہ مصطفیٰ رو"
 کے خاص اسلامی سنگ بنیاد پر ٹھہری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا
 دلہانہ نظماں جس شاعرانہ طرز و اسلوب کے ہوا ہے وہ شعر و ادب کی مخصوص
 آزادیوں اور انفرادی خصوصیتوں کا ترجمان ہے۔ وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ
 رسول خدا کو جب اس طرح خطاب کرتا اور پکارتا ہے جیسے عالم حضور میں
 کیا جانا چاہیے تو اس وقت شاعری کی مخصوص صورتیں اور قوتیں عمل کر
 مرنشاد ہوتا ہے جہاں "عجب دور ہوتے ہوئے کئی قریب عسوس ہوتا
 ہے اور جہاں فراق کے فاصلے سمٹ کر وصال میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔
 اسی طرح وہ جب گناہوں اور مصائب کی یورش میں نجات اور پناہ
 دینے کے لئے رسول خدا سے بھیگتا ہے تو وہ حقیقت اس کی طلبی کا
 موعدا نہ رٹے ذات رسول کی طرف نہیں ہوتا بلکہ روئے سخن اس عظیم و خیر
 حاکم مطلق خدا ہی کی طرف ہوتا ہے جس نے رسول کی بعثت کے ذریعہ
 آپ وکل کی دنیا کو اپنا عسوس و مشہور و سراغ عطا فرمایا اور جس کی اطاعت
 کی برکت انعامات الہی تک ایسا کے کا یقینی ذریعہ ہے، اس وقت شاید شاعر
 کا وہی عالم ہوتا ہے جو عشق مجازی کے معاملہ میں دوست کے بجائے شہوت

جن کے انجام کا تصور بھی آسان نہیں۔

کتاب کا اسلوب تحریر اور طرزِ ترتیب اگرچہ محسوس اور منضبط قسم کی چیز نہیں اور موضوع جگہ جگہ انتشار کا شکار رہا تا نظر آتا ہے پھر بھی اس کا مطالعہ ایک خاص زراویہ سے انتہائی ایمان افروز ہے۔ اس خطا لغو کرنے والا ایک ایسے انسان کے ایمان شعور کے ارتقاء کا مشاہدہ کرتا ہے جو جب رسول کی برکت سے ایمان ممکن ماحول کے عین مجھوہار میں اپنے سفید کوٹے ہوئے مویوں کا سینہ پیرتا ہوا نفسِ مطہر کے پیر سکون ساحل پر بلنگر انداز ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مصنف نے اقبال کی شاعری کے مختلف دور سے نمونے منتخب کرتے ہوئے بچپن کے معلوم دور سے پہلی شعور تک شاعر کے فکر و نظر میں جب رسول کے مخصوص ارتقاء کا کوئی تجزیہ نہیں کیا تاہم انتخاب کلام اسقدر اچھا اور کافی ہے کہ مطالعہ کرنے والا خود بخود اس ارتقاء سے اثر پذیر ہو جاتا ہے اور جب رسول کے اس معیار کا تصور حاصل کر لیتا ہے جہاں جذبات اور عقل و خرد کیفیتیات اور برہان دونوں کی سرحدیں ملی جاتی ہیں اور جب رسول اپنی برکت و لطافت میں ایک "عقلی جذبہ" اور جذبہ باری تعقل " محسوس ہوتا ہے۔

از: عبدالحمید اصلاحی۔ ناول سائز روزے کی باتیں

۸۸ صفحہ صفا کاغذ سفید کتابت و طہاعت معری قیمت ۱۰۰ نئے پیسے۔

چیلنے کا پتہ: مکتبہ مدرسۃ الاسرار گوہرہ گہنی سوہن۔ اعظم گڑھ کتاب کا مرکزی مواد عربی کے مشہور مصنف الاستاذ مصطفیٰ سیاحی کی سات نشری تقریروں کے ترجمہ پر مشتمل ہے جو زیادہ تر روزے سے متعلق ہیں اور شاید اسی لئے کتاب کا نام "روزے کی باتیں" رکھا گیا ہے۔ روزہ ہونے کو اس میں روزے کے علاوہ شبِ برات، عید الفطر، زکوٰۃ کے نظام اور دینی مدرسوں کی باتیں بھی خود مولف اور مولانا ابوبکر اصلاحی کے قلم سے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ چھوٹا سا کتابچہ ہے مگر الاستاذ کی ریچسند تقریریں اپنی دلسوزی اور رفتِ انجمنی میں کئی کتابوں کے مقابل پر بھاری ہیں۔ ترجمہ بھی اگرچہ معصومانہ سادگی سے کیا گیا ہے مگر بہت زیادہ برجستہ ذرواں نہیں اور بعض مقام ایسے نظر

آئے جہاں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ روزے کا چھینہ نفس کو روکتا ہے، مزید ارجیوں سے روکتا ہے تاکہ نفس اور نچا ہو... (صفحہ ۱۱۳) یہاں نفس اور نچا ہو کا فقرہ ٹھیک نہیں۔

۲۔ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ آپ رمضان کے مہینہ میں آندھی سے بھی زیادہ بڑھ کر سختی اور فیاض ہو جاتے تھے، یہاں "زیادہ بڑھ کر" غلط ہے۔

۳۔ روزہ رکھنے والا روز اذھیان میں لاڈ میں باب کو... (صفحہ ۱۲) یہاں "اذھیان میں لاڈ" کی جگہ "تصور کرو" بھی کہہ سکتے تھے۔

۴۔ ذرا ان عبادتوں کو دیکھیں جو اسلام کے کھجے ہیں (صفحہ ۲۳) کھجے کی جگہ سنتوں کا لفظ زیادہ سنجیدہ ہوتا۔

۵۔ آئیے ہم تینوں باتوں طاقت و محبت اور خاکساری کو ان عبادتوں میں جھانک کر دیکھیں... (صفحہ ۲۳) یہی بات یوں کہہ سکتے تھے کہ "آئیے یہ دیکھیں کہ تینوں باتوں طاقت، محبت اور خاکساری کی جھلک ان عبادتوں میں ملتی ہے کہ نہیں؟"

اس کے علاوہ الاستاذ کی تقریروں میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان کے ساتھ حوالہ نہیں ہے۔ حدیث کو روایت کرنے کا محض طریقہ حوالہ دینے کا تقاضا کرتا ہے۔ کتاب مجموعی طور سے مفید اور پابیزہ ہے۔

قادیانیت

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ صفحات ۲۲۸ کاغذ و طہاعت، اعلیٰ۔ جلد مع سادہ کوٹہ کرچی

قیمت: للہ شرح کردہ... مکتبہ دینیات ۱۳۴۴ شاہ عالم مارکٹ لاہور "القادیان و القادیانیت" مصنف کی گرانمایہ عربی تصنیف تھی جس کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ لیکن چونکہ خود مصنف نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور عربی تصنیف کے مقابل میں اس میں خرید اضافے اور ترمیمات بھی کی گئی ہیں اس لئے بقول مصنف یہ ایک مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہے کتاب ہم ابواب پر منقسم ہے۔

(۱) تحریک کا زمانہ اور ماحول اور اس کی بنیادی شخصیتیں

(۲) مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدے اور دعوت کا تذکرہ

ارتقاء اور دعویٰ کی ترتیب۔

(۳) مرزا صاحب کی سیرت و زندگی پر ایک نظر۔

(۱۴) تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ۔

انہم بنیادی ایوان کو مختلف ذیلی عنوانات پر پھیلا یا گیا ہے اور آخر میں قادیانی لٹریچر کی ان تمام کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں۔ جو زیر نظر کتاب کی تسریہ میں ماخذ و مصدر کی حیثیت سے کام میں لائی گئیں۔

قادیانیت کے سلسلہ میں اہل تحقیق نے لکھنے کو بہت کچھ لکھا جو وہ علماء نے کافی فترے دئے ہیں خصوصاً جناب ایلیاس برنی نے عرف ریز کاوش کے بعد قادیانی لٹریچر کے ایسے اقتباسات کا کھرا ہوا شیرازہ بیکار کیا ہے جو خود ہی اپنی شکست کی آواز ہیں اور قادیانی مذہب کے بطلان پر جو قادیانی زبان و قلم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لیکن ان تمام علمی کاوشوں میں ابھی ایک ایسی کتاب کی کمی محسوس ہوتی تھی جو قادیانیت کو نہ تو فتوے کی زبان میں رد کرنے پر اکتفا کرے اور صرف ان کی کتابوں کے اقتباسات تک محدود ہو بلکہ وہ اس سے آگے ایک مختلف قدم ہو۔ جہاں وہ قادیانیت کی اپنی معتبر کتابوں اور اس کے اپنے فقہ مواد کی بنیاد پر عقل و استدلال اور تجزیہ و تحلیل کی راہ سے اسحاق حق کا کار نمایاں انجام دے سکے۔ زیر نظر کتاب اسی خواب کی علمی تعبیر ہے اور اسی کی کو پورا کرنے کے لئے اس موضوع پر ایک فکر انگیز اضافہ ہے۔ یہ خود کتاب کے اسمائیل کے الفاظ میں قادیانیت کا "مطالعہ" بھی ہے اور "جائزہ" بھی!۔ محسوس تازگی و استدلال کو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شگفتہ مزاجی اور حسن تحریر نے دل و دماغ دونوں کے لئے تروتازہ بنا دیا ہے۔ کتاب کی زبان اور مصنف کا طرز استدلال حقیقت پسندانہ اور متعصفا نہ ہے۔ کاش قادیانی اور غیر قادیانی دونوں اس سے دیانت دارانہ استفادہ کر سکیں۔

تعمیر نوہائی اسکول کا پہلا سال (۱۲) بیچوٹی ریاست

یہ سکر کے ایک اسکول "تعمیر نوہائی اسکول" کے سال اول کی تعارفی رپورٹ ہے۔ کسی قطعی نتیجے پر پہنچنا تو ہم دور اتنا دنوں کے لئے اس مختصر کتابچے سے ممکن نہیں۔ ایسی چیزیں مشاہدہ و معائنہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ تاہم اسکول نے اپنی تعلیم و تربیت کی نفاذ کی جو جھلک اس کتابچہ میں دکھائی ہے اس میں "دنیا داری" ہی پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ دینی

لگن بھی ملتی ہے۔ نیز ادارہ دانشی تعمیری جذبہ سے سرشار معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور پر ادارہ کی دوسری کتاب "بچوں کی ریاست" سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نظری تعلیم کے ساتھ موجودہ دور کی عملی زندگی کے لئے بچوں کے دل و دماغ کو ہر شے کی زندگی کے قابل بنایا جا رہا ہے۔ تعلیمی حلقوں کے لئے یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔

گلدستہ مضامین اردو

(حصہ اول، دوم، سوم) ابرار نے احکامات اسلامیہ۔ مولف و ناشر۔

مخبر صغیر صاحب مدرس دوسرے فہم الاسلام حصہ اول ۱۷ صفحات دوم ۱۴ سوم ۱۳۲ ۳۲ صفحات ناول ساگر۔ قیمت حصہ اول ۵ روپے دوم ۳ روپے آٹھ آٹھ آنے۔

تینوں کتابوں میں کتب نوپسی اور سخی نوپسی کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ کام کی چیز ہے۔ لیکن اپنے مطالب کے لحاظ سے نام مزدوں نہیں معلوم ہوتا۔ یہ زیادہ سے زیادہ گلدستہ "کاتب" تو ہے گلدستہ "کاتب" نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال نام سے قطع نظر کام کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ نقص ضرور ہے کہ خطوط کا انداز نگارش پر اسے طرز کا ہے۔

(۱) انصاف تعلیم کا مقدمہ اور سر سماج کی منصوبہ (۱۷) صفحات ۱۵

(۲) آزادی کی بہاریں۔ اول الذکر کے صفحہ ۱۷ میں ثانی الذکر کے ۲۶ قیمت کسی پر درج نہیں۔ مؤلف: جناب فدا حسین فاضل ادب۔ جیلنے کا پستہ۔ فدا حسین صاحب۔ کپڑہ مشہاب خانہ۔ اثابہ (پوٹی) یہ کتابیں سیکولر نظام تعلیم کی موجودہ نصاب میں مسلمانوں کے مسئلہ تعلیم پر محکمہ روشنی ڈالتی ہیں۔ مسئلہ کی نوعیت واضح کرتی ہیں اور اس کے جرات مندانہ مع حل کے لئے قانونی لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ پہلی کتاب میں اردو اور مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں دستوریہ ہند کی قانونی دفعات اور ہندو مسلم رہنماؤں کے بیانات کے ذریعہ سیکولر نظام تعلیم میں اس مسئلہ کے حل کی قانونی گنجائش واضح کی گئی ہے، عملی طور پر قانونی تقاضوں کی پالیسیوں کے لئے مثالیں۔ اور ان سے پیدا شدہ مشکلات کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب میں درجہ اول سے باہر ہونے والوں کی سرکاری مجوزہ نصابی کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں جن میں ہندو مذہب اور آریہ سماجی خیالات اور ہندوؤں کی اساطیر اور لوہین

کا پورا کیا جا رہا ہے۔ اور جنکو ہر سزا و سزا کی خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس انداز سے پڑھ رہا ہے جیسے یہ اس کے اپنے مذہب کی تعلیم ہے۔ اس زاویہ نظر سے ان کتابوں نے مسلمانوں کی مذہبی بقا کو خطرے میں ڈالنے والے گمراہ کن اقدامات کے رخ سے نقاب اٹھایا ہے۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان کے مطالعہ سے مستفید ہو کر ان خطرات کی نوعیت کو سمجھے اور عملی طور پر ان کے دفعے کی فکر کرے۔ خاص طور پر حجتہ طہارہ کو اپنا اختیار کی جانچ پڑتال کر کے اپنے ذہنی تعلیم کے نعرہ کو غلو میں اور عمل کی میزان میں تول کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کہاں تک اپنے فرائض سے عہدہ ہر آہو رہی ہے۔ اور اس مسئلہ کے حل کے لئے وہ اپنی مزعومہ مذہبی روایات کو کہاں تک پورا کر سکتی ہے۔

پیام جاوید | اردو - عبد الرحیم جاوید الرآبادی - ۸۰ صفحات قیمت ۳۰ - چھپنے کا پتہ :- مکتبہ تبلیغ الاسلام ریسرچ سوسائٹی لاہور۔

جاوید الرآبادی کا نام ادبی دنیا میں نیا ہے۔ ان تک اس مجموعہ میں ۵۶ نظموں اور نثر میں درجہ شامل ہیں۔ آغاز کتاب میں ایک تعارفی مضمون ہے۔ تعارفی مضمون میں شاعر کے بارے میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ کوئی خیر نہیں کہ شاعر کا کلام اسلامی سوز و درد سے لبریز ہے مگر فن شعر کے نقطہ نظر سے کلام میں پختگی اور گہرائی کو جوڑ نہیں۔ علمی حیثیت بھی شاعر کا کلام نسائی غلطیوں سے خالی نہیں۔ اور عوز و وعظ و نصیحت کے لحاظ سے بھی بعض مقامات نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ ایک اچھا شاعر ذوق رکھنے والے کو مگر ہے اس کے مطالعہ سے زیادہ لطف حاصل نہ ہو سکے لیکن مذہبی جذبات کی قدر کرنے والوں کے لئے جاوید الرآبادی کا یہ پیام ایمان افراد اور قابل قدر ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ ایک نوجوان صالح کی دلی آواز ہے۔

- (۱) ہمارے دور کا انقلاب
- (۲) موجودہ سماج میں طبقاتی نظام
- (۳) اقتصادی تعاون

صفحات ۶۴، قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

(۴) اقتصادی سامراج

شائع کردہ: پبلسٹکس اکادمی۔ ۱۹ اشعار مارکٹ دیباچہ دہلی۔ (مکتبہ تحسینی، دیوبند، یوپی سے بھی مل سکتی ہیں) نیشنل اکادمی دہلی نے "نئی دنیا کی جھلکیاں" کے زیر عنوان ان معلومات افزا کتابوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ چاروں کتابوں میں پائل عقل صاحب نے اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ کاغذ کتابت و طباعت میں ستھری ذوق کی آئینہ دار ہیں اور ترجمہ بھی کافی شستہ و پاکیزہ ہے۔

جیسا کہ کتابوں کے نام سے ظاہر ہے یہ سلسلہ نئے دور کے سیاسی و صحافی اور معاشی عوامل کا تجزیہ و تحلیل کر کے وقت کی لفظی گہرائیوں کا تعارف کرتا ہے۔ آج جبکہ انسانی زندگی میں سماج و معیشت کے کئی حیرت انگیز مسائل جز و لا ینفک کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں ان مسائل کی نوعیت کا فہم حاصل کرنا ایک دلچسپ ضرورت ہے کہ نہیں۔ ان عہد آفرین عناصر کی حقیقی صورت حال سے سبب خبری کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آدمی اپنے ذہن کو سزا و درد سے سامراج کے ان مخدوش نفوس کے رحم و کرم پر چھوڑ دے جو انسان کے استغلال کو شل کر کے اس کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ یہ چاروں کتابوں میں اس خطرہ سے ہوشیار کرتی ہیں۔ کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے کھوکھلے الفاظ کے اندر کیا ہے اور کیا نامہ اور حقیقت کو نئے عوامل و عناصر کے سانچے میں ڈھل رہا ہے جہاں نے زمانہ کا انقلاب کو نئے حقیقی حالات کی بازگشت ہے۔ ان کو کونسا نیا سماج تشکیل پارہا ہے۔ اور اس میں کس طرح انسانی معیشت نئے طبقوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ طبقاتی اور سیاسی نظام جس طریق سے اقتصادی تعاون کا پروگرام چلا رہا ہے اس میں کیا تبدیلیاں اور کونسی خوسیاں پائی جاتی ہیں؟ نیز معاشی استغصال کن شاہراہ چالوں سے اپنا بھرم قائم کئے ہوئے ہے؟ اشتراکیت کا بھرم کھولنے کے لئے ان کتابوں کے معتبر اعداد و شمار اور خاص علمی تحقیقی مواد کی اشاعت ایک اخلاقی فرض کی ادائیگی سے کم نہیں۔ کتابوں کے علمی مضمون پن کو گہرائی میں کے مخصوص طرز تحریر نے کافی حد تک شگفتہ ترجمہ میں وصلے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی ترجمہ کا نہیں بلکہ طہرہ کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ (شمس توحید عثمانی)

الاتق مرطالع کتابین

کتابیں طلب کرنے والے چند
باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں

(۱) تحریر اتنی صاف ہو کہ آؤرور کی تفصیل اور آپ کا پتہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو (۲) جلد اور غیر جلد کی بھی وضاحت کر دیجئے (۳) تقریباً بیس روپے سے زائد کتابیں منگوانے کی صورت میں ریلوے پارسل میں کفایت رہتی ہے۔ اگر یہ کفایت مطلوب ہو تو اپنا پیشکش لکھئے۔ پارسل ریل سے ادریلوٹی کی رسید ڈالنا نہ سے وی بی بھیجی جاتے گی (۴) اگر آپ نئے نئے خریداری میں تو بیس روپے یا اس سے زائد کے آرڈر پر کچھ روپے پیشگی روانہ فرمائیے جنہیں وی بی میں کم کر دیا جائے گا (۵) ڈاک خانہ سے وی بی کی اطلاع ملتے ہی چھڑا لیجئے دیر کرنے سے واپس ہو جاتی ہے۔

قرآن ترجمہ

(۱) شاہ رفیع الدین (۲) مولانا اشرف علی
قرآن بدو ترجمہ متوسط سائز میں جلد کرچ کا ہندیاہ
ساڑھے بارہ روپے۔ بہت ٹیبہ سائز میں جلد کا بدو ترجمہ بیس روپے
داس کی لکھائی بہت جلی ہے

قرآن بیک ترجمہ

مولانا اشرف علی ترجمہ جلد کرچ کا ہندیاہ
ساڑھے دس روپے

قرآن کی تفسیریں

تفسیر ابن کثیر اعادیش کی اردو تفسیر میں آیات کا مفہوم
ظاہر کرنے والی وہ تفسیر جو دنیا بھر میں مشہور
مقبول ہے۔ ترجمہ بیس لکھائی چھپائی پسندیدہ۔ پانچ جلدوں میں مکمل
ہدیہ جلد بیس روپے۔ کوئی بھی جلد علیحدہ نہ مل سکے گی۔

تفسیر موضح القرآن

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی تفسیر
اُردو تفاسیر میں بنیادی اہمیت دارکتی
ہے کلان سائز۔ ہدیہ جلد اعلیٰ میں بیس روپے۔ غیر جلد بیس روپے۔

تفسیر بیان القرآن

مولانا اشرف علی کی عظیم تفسیر بیجاواب
آپ سے دو تفسیروں میں دی جاسکتی ہے
بہت بڑا سائز۔ بارہ حصوں میں مکمل۔ ہدیہ غیر جلد ساڑھے روپے۔

دو جلدوں میں جلد شتر بیسے۔

● تجلی جیسا سائز بیس پاروں میں مکمل غیر جلد ساڑھے روپے۔
پانچ جلدوں میں جلد بیس روپے۔ دوسری قسم کا ہر پارہ الگ
بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ فی پارہ دو روپے۔

تفسیر حقانی

مولانا عبدالرحمن محدث دہلوی کی تفسیر بیجاواب
تھی۔ اب ہر پارہ ایک پارہ چھپ رہا ہے اب تک
۲۸ پارے چھپ چکے ہیں۔ فی پارہ دو روپے (صرف پارہ اول چھ روپے
جو تین حصوں پر مشتمل ہے)۔

تفسیر القرآن اول دوم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ تفسیر بیجاواب
تفسیر جو غیر ضروری تفصیلات بچاتے ہوئے
آپ کو براہ راست مع قرآن تک پہنچاتی ہے۔ بیس لکھائی اور ذہن
میں اتر جاتی ہوتی۔ ابھی پہلی اور دوسری جلدیں فراہم کی جا رہی ہیں۔
جلد اول جلد ساڑھے بارہ روپے۔ جلد دوم جلد پندرہ روپے

علوم قرآنیہ

البیان فی علوم القرآن

مشہور تفسیر حقانی کے مصنف
مولانا عبدالرحمن محدث دہلوی
کی عظیم الشان کتاب ہے جس کی توصیف میں علامہ مولانا شاہ صاحب
جسے علامہ نے یہ الفاظ لکھے کہ "اگرچہ اس کی نظیر ممکن ہے لیکن واقع نہیں"
خدا کی ذات و صفات تنازع طرائق کے جزا و سزا، قبر، جنت، دوزخ

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جلد اول دس روپے (مجلد بارہ پے) جلد دوم نو روپے (مجلد گیارہ روپے) جلد سوم ساڑھے دس روپے (مجلد

بستان المحاشین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایسا فردو کتاب کا اردو ترجمہ۔ بلند پارہ محاشین کے حالات اور خدمات و ذالیفات کا یاگزیرہ تذکرہ۔ مجلد پانچ روپے

معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانی در دو جلد دس روپے بارہ آنے

تجربہ بخاری بخاری کی منتخب احادیث کا مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے۔

انتخاب صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی کا منتخب دیدہ انتخاب۔ ہر مجلد پانچ روپے۔

تاریخ تدوین حدیث تدوین حدیث کب کیونکر کس انداز میں ہوئی؟ اس کا مابلی و مفصل جواب معلومات کثیرہ کا خزینہ۔ ہر مجلد ڈیڑھ روپے۔

علم الحدیث فلسفہ علم الحدیث کی عمدہ تحقیق۔ سواروپیہ

دوسرا دستہ

صحیح المسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تاریخی واقعات پر مشتمل، سید نعیم حسن نے مفصل مستند اور دلچسپ علمی و تحقیقی کتاب "سیرۃ النبی" کی ضخیم جلدات کے سوا اردو میں کوئی کتاب سیرۃ اس کے پلے کی نہیں۔ مجلد دس روپے۔

حیات طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر اور آسان سیرت۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزین۔ قیمت سوا دو روپے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے بعد سب سے بڑے انسان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسبو ط جامع اور ضخیم سوانح۔ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی قیمت سات روپے۔ مجلد آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے نو روپے)

الفاروق امیر المؤمنین خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح پر علمائے سنی کی یہ کتاب

دیا جہن مشہور ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

ابو ذر غفاری رسول اللہ کے بلند مرتب صحابی حضرت ابو ذر غفاری کی مفصل سوانح مولانا مناظر اس گیلانی کے قلم سے۔ قیمت مجلد دو روپے۔

سیر عمر ابن عبدالعزیز اس میں اہل القندہ سنی کی سوانح اور حالات جس کی خلافت کو اکثر علماء نے پانچویں خلافت راشدہ سے تعبیر کیا ہے۔ مجلد تین روپے۔

حیات امام ابوحنیفہ یعنی سیرۃ النعمان امام شافعی کے قلم سے تقریر کردہ امام حضرت ابوحنیفہ کے مفصل حالات زندگی و چھپا ہوا بیان افراد۔ قیمت تین روپے (مجلد چار روپے)

حیات امام احمد بن حنبل انصاریک نایب نامحقق الوزیرہ کی معرکہ الآراء کتاب ابن حنبل کا تفسیر اردو ترجمہ۔ امام احمد بربرہ اسٹیٹ کی واحد کتاب۔ دس روپے

الغزالی امام غزالی پر مولانا شبلی نعمانی کی محققانہ تالیف جو آج کل کیاب ہے (کاغذ زلف) غیر مجلد دو روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانی اس عظیم مرد مومن کے حال و سوانح جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا جسے امت مسلمہ ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مجلد چار روپے

محمد بن عبدالوہاب از مولانا مسعود عالم ندوی۔ بارہویں صدی ہجری کے مشہور محدث و مصلح الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سیرت اور دعوت پر علمی و تحقیقی تصنیف۔ جس میں مشرق و مغرب کے تمام اہل لورسی طرح گفتگو کر غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپے

حیات ولی شاہ ولی اللہ اور ان کے آباؤ اجداد اہل اہل اور اساتذہ کا تذکرہ۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

سیرت اشرف میکم الامت مولانا اشرف علی کی مفصل سیرت صفحات ۱۵ کے مجلد بارہ روپے۔

تجلیت عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی علمی زندگی کے مفصل حالات آپ کے علم و تفسیر حیات انفا کلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، تقریر، اردو فارسی، عربی ادب اور

سیاسیات پر سیرت اہل تبصرہ، بڑے بڑے صفحات، جلد پر حسین رنگا گرد پوشش، قیمت جملہ ساڑھے دس روپے۔

تذکرہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب جو ان کے اپنے اور آباؤ اجداد کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ معلومات سے لبریز۔ قیمت جملہ سات روپے۔

آزادی کی کہانی خود آزادی کی زبانی مولانا ابوالکلام آزاد کی اداس تار حیات، جسے ان کے قریبی مشہور مولانا جبار الزرقانی نے بطور آماجی اعلیٰ کیا۔ قیمت چھ روپے صحابی غور توں کے ایمان اور حالات۔ جملہ چھ روپے

رد شرک بدعت

الوسیلہ امام ابن تیمیہ کی معرکہ الارام کتاب، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ "وسیلہ" کا کیا مطلب ہے اور اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ عجیب، ایمان افزہ۔ قیمت جملہ نو روپے۔

تقویۃ الایمان (اردو) شاہ اسماعیل شہید کی وہ مشہور زمانہ کتاب جس نے اہل بدعت میں لیکن ڈال دی۔ قیمت چار روپے۔ (جملہ پانچ روپے)۔

الشہاب الثاقب (اردو) بدعات کے رد میں ایک مفید کتاب قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

کتاب التوحید رد شرک، بدعت میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی نفیس کتاب۔ قیمت جملہ تین روپے مولانا عاقل عثمانی اور تین دیگر حضرات کے مضامین کا مجموعہ جو شرک، بدعت اور توحید سنت کے فرق و امتیاز پر لا جواز مواد پیش کرتا ہے۔ جملہ تین روپے

رد عقائد بدعیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس پر مفصل مدلل بحث قیمت ڈیڑھ روپیہ (جملہ دو روپے)

شاہ اسماعیل شہید اور معاندین حضرت اسماعیل شہید پر اہل بدعت کے ہوائی الزامات کا کافی روشنی افروز کیا گیا ہے۔ قیمت دو روپیہ (جملہ دو روپے)

فیصلہ کن مناظرہ جملہ ڈیڑھ روپیہ۔

نصایف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

الوسیلہ قرآن میں مومنین کو جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ بے شمار معلومات علمی و دینی کا خزانہ۔ قیمت جملہ نو روپے

تفسیر آیت کریمہ بسم اللہ کے عجیب و غریب لطائف۔ ہر کلمہ مفادات، دیکھنے کے قابل۔ ہدایہ تین بیسے (جملہ چار روپے)

اصول تفسیر شیخ الاسلام کے ایک قیمتی رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

مناسک حج حج اور مقام حج کے بارے میں حقیقہ انہ سواد حج اور مقام حج کے بارے میں حقیقہ انہ سواد قیمت جملہ تین روپے

نصایف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ اللہ البالغہ کامل گونا گوں علوم دینیہ میں شاہ صاحب کی یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اردو ترجمہ مع عربی۔ قیمت ہر دو حصہ جملہ کل بیس روپے۔

ازالۃ الخفاہ کامل یہ وہی شہرہ آفاق کتاب ہے جس کا یورا نام "انوار الخفاہ عن خلقہ و الخلفاء" ہے۔ دو جلدوں میں کامل۔ اردو ترجمہ سلیس۔ خلفائے راشدین کے بارے میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت جملہ کل بیس روپے۔

تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ حضرت شاہ صاحب کی معروف کتاب ہمعات کا اردو ترجمہ۔ پورے تین روپے

سیرت رسول سلیس اردو ترجمہ۔ قیمت صرف دس آنے۔ دشاہ ولی اللہ کی مفصل سوانح بھی "حیاتِ ولی" کے نام سے طلب فرما سکتے ہیں۔ (جملہ چھ روپے)

نصایف مولانا اشرف علی تھانوی

بہشتی زیور روز مرہ کے تمام دینی مسائل کا معتبر خزانہ

تاریخ دیوبند۔ جملہ دو روپے / مولانا تھانوی کی مختصر سوانح۔ جملہ دو روپے / رفیق سفر۔ چار آنے / آداب النبی ۸

زبان بھر میں شور و غوغا اور مبسوط - قسم اول مکمل و مدلل - مجلد پندرہ روپے
 قسم دوم مجلد آٹھ روپے بارہ آنے (دونوں قسموں میں فرق یہ ہے
 کہ قسم اول میں نوحہ شہید پر عربی کتب کے حوالے دینے کے ہیں اور
 قسم دوم میں حوالے نہیں ہیں۔ اصل مضمون دونوں کا ایک سا ہے)

اصلاح الرسوم

پوزیشن کیا ہے؟ اس کا حقیقی جواب - مجلد پندرہ روپے
 اس کی تعلیم سے تعلق عمدہ تنبیہات و معلومات پر
 مشتمل - مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

حیات المسلمین

قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے
 مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحہ عمل۔

دعواتِ عبدیت

امولانا شرف علی کے موعظہ و خطبات
 کا مجموعہ جو عرصے سے نایاب تھا۔

التکشف

فی حصہ پوسے دو بیچے (جبکہ گیارہ حصے چھپ چکے ہیں)
 تصوف کے لطائف و اسرار پر ایک ضخیم کتاب
 جس سے تصوف کے مال و مالک کا پتہ چلتا ہے۔

قیمت مجلد دس روپے بارہ آنے۔

تقدیر کیسے؟

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تقدیر کے مسئلے پر
 گفتگو کی گئی ہے۔ مجلد سوا دو روپے۔

سناجاة مقبول

ابحاشیہ مولانا محمد الماجد دربابادی - اس
 مقبول عام سناجات کا مقام و مرتبہ
 کون نہیں جانتا۔ مجلد دو روپے۔

مولانا آزاد کی چن چن کتابیں

تذکرہ	مجلد	سلاٹ روپے
آزادی کہانی خود آزادی زبانی	۱	چھ روپے
صبح امید (خاص مضامین)	۲	چھ روپے
نقش آزاد (خطوط کا مجموعہ)	۳	چھ روپے
مسلمان عورت	۴	چار روپے
مسئلہ خلافت	۵	سلاٹھ تین روپے
مقالات آزاد	۶	دو روپے
مضامین آزاد	۷	دو روپے

خطبات آزاد - مجلد
 شہداء عظیم روایات کریمہ
 ملفوظات آزاد
 انسانیت ہوگے درویش پر
 مسلمانوں کا راستہ

ولادت نبوی
 امر بالمعروف
 عیدین
 دعوتِ حق

اسلامی جمہوریہ
 حقیقت الخ
 حقیقت الزکوٰۃ
 حقیقت الصلوٰۃ

نسانہ ہجو و مہال
 (ان سب کتابوں کو ایک ساتھ منگانے پر ۲۲ روپے دینا)

تین روپے
 ڈیڑھ روپیہ
 ڈیڑھ روپیہ
 ڈیڑھ روپیہ
 سوا روپیہ
 ایک روپیہ
 دس آنے
 بارہ آنے
 آٹھ آنے

مصانیف مولانا مظہر نعمانی

معارف محدث مکمل	مجلد	دو دو جلد	دس روپے بارہ آنے
قرآن آپ کیا کہتا ہے؟	۱	چار روپے	
اسلام کیا ہے؟	۲	دھائی روپے	
دین و شریعت	۳	تین روپے	
آپ حج کیسے کریں	۴	دو روپے	
نماز کی حقیقت	۵	بارہ آنے	
کلمہ کی حقیقت	۶	چھ آنے	
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ	۷	چھ آنے	
برکاتِ رمضان	۸	بارہ آنے	

علم اللغات

ایچے عربی کی سب سے بڑی اور مشہور ڈکشنری
 المنجد بھی اردو میں آگئی۔ ساٹھ ہزار عربی
 الفاظ کی شرح - تین ہزار عربی محاورات کا محل - اہم اور

ترجمان القرآن - مولانا آزاد کی شہرہ آفاق تفسیر دو جلدوں میں - قیمت ہر دو جلد پینتیس روپے۔

ادبیات

شاہنامہ اسلام حصہ اول | انس:۔ مولانا عامر عثمانی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال

مبارک اور اسکے بعد پہلی خلافت راشدہ کا قیام خلیفہ اول کا
انتخاب کیونکر عمل میں آیا۔ جنگی اصول، معرکہ آرائیاں، تاریخ کی روشنی
صدائیں زبانی شعریں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد تین روپے

دیوان غالب | انیس ایڈیشن جس میں غالب کی تحریر کا عکس
ان کی تصویر اور بعض ایسے اشعار شامل ہیں جو
دوسرے ایڈیشنوں میں نہیں ملتے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

کلیات اقبال | ڈاکٹر اقبال کے اردو کلام کا انتخاب۔
قیمت مجلد پانچ روپے

شعاعہ طور | جگر مراد آبادی کا مجموعہ کلام۔ مجلد پانچ روپے۔
آتش گل | شہنشاہ نغزل جگر مراد آبادی کا نیا مجموعہ کلام
جس پر حکومت ہند نے انعام دیا۔ مجلد چھ کور

فردوس | ماہر نقاد ریویو و جرنل نگیز انظموں کا دلپذیر مجموعہ۔
قیمت ساڑھے تین روپے

اردو کے چاند تارے | اردو کے تقریباً تمام بالکمال شاعروں کا
مصور تذکرہ اور نمونہ کلام۔ قیمت

مجلد ساڑھے تین روپے
بنیض دوران | ہندیوں کے مشہور شاعر غالب اور صاحب ری مجموعہ
کلام۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔

کیونزم کے ضد و خال

پتھر کے دیوتا | دنیا کے چھ مشہور صنعت کیونزم کو خیر باد کہنے
کے متعلق اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔

صفحات ۲۲۲ ڈیڑھ روپیہ
روز گٹ | ایک بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز آپ بیتی۔
جس سے روس کے جبری محنت کے ظالمانہ نظام کا

بھیا تک منظر سامنے آئے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

نادار ایشیا کی سیکڑوں تصاویر۔ صفحات ڈیڑھ ہزار سے بھی
زیادہ۔ تجلی سائز۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب معیاری
جلد نچر۔ قیمت ساٹھ روپے۔

مصباح اللغات | مختلف کتب لغت کا مجموعہ مجلد سو روپے

القاموس الجدید | اپنی قسم کی پہلی اردو عربی لغت۔
اردو سے عربی بنانے، عربی سے لکھنے
اور لکھنے والوں کے لئے تحفہ نادار۔ چھوٹے لاکھ صفحات
قیمت مجلد سات روپے

کریم اللغات | عربی و فارسی کے جو محاورات اور الفاظ
اردو میں رائج ہیں ان کی تشریح یہ لغت ہے

اچھی اردو لکھنے اور سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ دو روپے دو مجلد

پانچویں راہ کے چند خاص نمبر

قرآن نمبر | مولانا آزاد، علامہ رشید رضا، علامہ جوہر ظفاری
علامہ موسیٰ جاوید اللہ جیسے شہرہ آفاق حضرات کے

مضامین مشمول ۱۱۹ سو روپوں کا منظوم ترجمہ بھی سہاگ لکچر آبادی
کے قلم سے شامل اشاعت ہے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

اولیاء اللہ نمبر | خواجہ معین الدین چشتی کے حالات اور
اقوال کے علاوہ تصوف اور مشائخ چشت
کے طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رعایتی قیمت بارہ آنے۔

حکمت نمبر | قرآن اور کیونزم، قرآن اور سائنس، قرآن
اور جہاد، قرآن میں جماعت کی اہمیت، قرآن

میں حقوق العباد اور قرآن میں آداب مجلسی جیسے اہم مضامین۔ ایک روپیہ

پیغمبر اسلام | رسول اللہ کے بارے میں ۶۶ غیر مسلم مشاہیر
فاضلین کا اظہار عقیدت۔ ایک روپیہ

بشریت کا مقام بلند | محمد رحیم خاں، محمد خاں اور مولانا
ابوالاعلیٰ مودودی کے تین تحقیقی

مضامین۔ قیمت سو روپیہ۔
گلدستہ مرثعت | بڑے بڑے شاعروں کا منتخب تغزیر کلام
چند مقالات بھی بطور تحفہ شامل ہیں۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

رسول اللہ کے خطبات و ارشادات۔ مجلد ڈھائی روپیہ / تحقیق اسم اعظم۔ چھ آنے / علامات قیامت۔ دس آنے۔

مختلف علوم و فنون

حصین دہشم (مترجم) - کلمات کا مشہور مجموعہ۔ مجلد آٹھ روپے

مقتد ابن غلدون - اگلی ہے۔ مجلد نیشہ۔ پندرہ روپے

(مجلد اعلیٰ عشرہ روپے)

فتوح العریب (اردو) - ایمان، تقویٰ، صبر، فقر، خیر و شکر، جبر و قدر، سنت و بدعت اور شریعت و طہارت وغیرہ

کے عنوانات پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مشہور و معروف مقالات کا مجموعہ۔ جس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا بیسوا تعارفی مقالہ بھی شامل ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔

حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم - سابق آموز و واقعات جن کے مطالعہ سے

روح تازہ اور سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ قسم اول مجلد تین روپے۔ (قسم دوم سو ادو روپے)

تحریک انخوان المسلمین - مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت

کو چھالسیاں دیدی گئیں۔ کیا ہے؟ اس سوال کا معتبر اور مفصل جواب حاصل کرنے کے لئے مصر کے محمد شوقی کی یہ قابل اعتماد کتاب ملاحظہ فرمائیے جس کا سلیس اردو ترجمہ سید رضوان علی نے کیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

عہد نبوی کے میدان جنگ - مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ کتاب

جو فریج اور دیگر زبانوں میں بھی بے شمار چھپی۔ عجیب کتاب ہے متعلقہ نقطہ اور بڑے خندق، اعدا اور دیگر تاریخی مقامات کے چوتیس فوٹو بھی منسلک ہیں۔ ڈیڑھ روپے (مجلد دو روپے)

اسوہ حسنہ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر

کا جدید پیدہ ہوتا ہے۔ اس میں بعض ایسی مفید باتیں پیش کی جو عام طور پر کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ سو ادو روپے (مجلد سو تین روپے)

سرخ چین سے فراہ - یہ بھی ایک آب ہتی ہے۔ سبق آفزا

عبرت ناک اور سنی خیز۔ ڈیڑھ روپے۔

آزادی کی طرف - ایک بڑے روسی افسر کی خود نوشت سوانح

دیکھیں لیکن عبرت ناک کتاب روس کے تصفیٰ حالات سے متعارف کراتی ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ کیونزم کے حسین نعروں اور مصنوعی دعوؤں سے کبھی دھوکا نہیں کھائینگے۔ مجلد تین روپے

سوئٹ روس کی حقیقت - بہت ضروری قابل مطالعہ

کتاب۔ دو حصوں میں مکمل ہے۔

کیونزم اور کسان - کیونزم کو ایشیائی نقطہ نظر سے دیکھنے

کے لئے ایشیائی نقطہ نظر سے دیکھنے

دستاویزی حوالوں سے مزین ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔

سوئٹ نظام کی چھ کنجیاں - حجتی عقلی و نفسی دلائل پر

مستند ایک سنجیدہ اور معیاری

کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی صفحہ ۱۱۱۔ ایک روپے

لینن - کیونزم کے مشہور رہنما لینن کی سوانح حیات، ایک

روسی کے قلم سے جو کلم غیر جانبداری سے ترتیب دیے

گئے ہیں۔ صفحات ۱۱۱۔ قیمت ایک روپے۔

آزادی کا ادب - بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ۔ جنہیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

ادب میں ترقی پسندی - ادب میں ترقی پسندی کے

اس کی پرست کردہ حقیقت فی الاصل وہ کیونزم ہی کی ایک

سازش ہے۔ قیمت مجلد ایک روپے۔

اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ - اشتراکیت کی عملی

نفس۔ قیمت مجلد تین روپے۔

نئی دنیا کی جھلکیاں - اعلیٰ (ہائے ذوق انقلاب) کے (موجودہ

نظام) کے (اقتصادی سامراج) ان چاروں میں ہر ایک کی قیمت چار آنے ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے مکتوبات و معاہدات

شاہان عالم عرب حکمرانوں
 جہاں کی سرداروں اور عالموں
 کے نام دربار رسالت کی
 خط و کتابت اور معاہدات، ضروری تشریحات اور اصل
 خطوط کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ قیمت سو اور روپے۔

حکمات

قرآن کی بعض آیات اور انکی تفسیروں پر علامہ عبد اللہ
 العبادی کا عالمانہ تبصرہ و محاکمہ۔ دور چہ بارہ آنے
 اردو کے بارے میں ادیبوں، شاعروں، سہجی
 کارکنوں، سیاسی لیڈروں اور اہل علم و فضل
 کی شہادتوں پر مشتمل دلچسپ ڈرامہ جو چوتھے لطف ہونیکے ساتھ ساتھ
 اردو کے حق میں دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

حقیقت

جماعت اسلامی برکے گئے بعض اعتراضات پر
 مولانا عمر عثمانی کی مفصل تنقید۔ دس آنے
سنت رسول
 مترجمہ۔ ملک غلام علی۔ مقدمہ۔ مولانا
 مسعود عالم ندوی۔ "سنت" کے موضوع
 پر بے حد وقع کتاب۔ مجلد سو اور روپے۔

آئینہ حقیقت ناما

اس قیمتی کتاب میں شہور مورخ اسلام
 اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے ان
 تمام الزامات کی بد دل صفائی پیش کی ہے جو متعصب
 اسلام پر لگاتے رہے ہیں طرز تحریر سجد و کجیب۔ استال حکم۔
 نقاد مضبوط۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب صحیح۔ مجلد بارہ روپے
جمہوریت اور مغربی تخرکیں
 ایروپ میں جمہوریت پر کیا
 نصب العین تک پہنچے ہیں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں؟ اس پر
 ایچ بی علی انداز کا تبصرہ۔ قیمت مجلد ساٹھ تین روپے۔

تجلی کا خاص بر

۱۹۵۷ء اب بھی مل سکتا ہے۔ ایمان و عمل کے مسئلہ
 پر تفصیلی محققانہ بحث، نذر دنیا ز فاقہ و
 غم اور سماج موٹے وغیرہ کا جائزہ۔ دراصل مولانا حسین احمد
 لدھی کی ایک کتاب پر تفصیلی تنقید اس نمبر کا خاص حصہ ہے جو
 انکی زندگی ہی میں لکھی تھی (نوٹ) تمہا ہی نمبر چھٹا نا ہو تو کسی آرڈر
 سے ایکٹ پر بارہ آنے بھیج دیجئے۔ دی پی طلب کرینگے تو دو روپے دو آنے

خلفائے راشدین

ادامولانا عبدالشکور صاحب ایڈیٹر لکھنؤ
 لکھنؤ، خلفائے راشدین کی سیرت پر
 بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ادھائی روپے۔

اشاعت اسلام

دنیا میں اتنی جلد اسلام کس طرح پھیلا؟
 مخالفین اسلام اس سلسلہ میں کیا کیا کرتے
 ہیں؟ اور اس کا جواب کیا ہے؟ یہ سب کچھ تھوس دلائل کے
 ساتھ اس میں لیکر۔ کاغذ، طباعت، کتابت سب عمدہ۔ چھ روپے
تاریخ عالم
 حضرت آدم سے لیکر رسول اللہ تک کے تمام انبیاء
 کے حالات مع تاریخ پیدائش و وفات اور مشکل
 تاریخ اسلام و دیگر اقوام عالم کی تاریخ کے علاوہ دنیا کے مشہور
 حاکم اور ریاستوں کی تاریخ۔ مجلد ساٹھ چار روپے۔

تفسیر فیض الرحمن

بسم اللہ الحمد اور حمد جن کی تفسیر شاہ
 ولی اللہ اور دیگر اکابرین کی آراء کا
 خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ ہدیہ دو روپے۔ از مولانا یعقوب الرحمن
تحفہ اشاعت شریعہ
 از حضرت شاہ عبدالعزیز رحمت دہلوی
 ترجمہ۔ مولانا سعید حسن خاں پوسنی۔

ختم نبوت کامل

تاریخ و تاریخ مذہب شیعہ۔ ان کی مختلف شاخیں۔ ان کے
 اسلاف علماء اور کتب کا بیان۔ اہلبیت، نبوت، امامت اور
 معاد کے بارے میں ان کے عقائد، ان کے محقق مسائل فقہیہ، صحابہ
 کرام، ازواج مطہرات، اہل اہل بیت کے حق میں ان کے اقوال
 افعال اور مطاعن مکارم شیعہ کی تفصیل، ان کے اوامیر تعصبات
 اور مفوات کا بیان۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور بارہ روپے
ختم نبوت کامل
 مصنفہ۔ حضرت مولانا مفتی
 محمد شفیع صاحب حسین ایک روپے

تلاش آہ حق

زائد آیات قرآنی اور دو سو اس احادیث رسولی اور اجماع
 اہمیت اور سیکڑوں اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے مسئلہ
 ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور شہادت کے شافی
 حواہات دیتے گئے ہیں۔ قیمت مع ڈسٹ کور چھ روپے۔
 مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ناصر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی،
 مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور میراں طفیل احمد کے خطوط۔ مجلد پندرہ روپے

اٹھ سو سال پہلے
کی ایک عظیم تالیف جو کاوش
فرانس سے پھریں اور کئی حالات
واقعات اور اہم واقعات کی
میں سے لے کر آج تک ہے۔



وہ عظیم محدث و اعظم
میں کے ہاتھ پر ہیں ہزار ہوں
نصاری نے اسلام قبول کیا اور
ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے
قہر کی لڑائی میں انگریزی۔

اٹھ سو سال پہلے اور ایک عظیم تالیف کاوش فرانس سے پھریں اور کئی حالات واقعات اور اہم واقعات کی میں سے لے کر آج تک ہے۔

اس کتاب کے مصنف تیسری صدی ہجری کے عظیم الشان فقیہ علامہ ابن ابی زین ابی زینت علیہ السلام کے بلند علمی مقام اور تبحر و تقصد سے
رومی علمی طائفے غریبی، اذنیہ میں ایک تعارف میں عوام کو آگاہی بنانا کافی ہوگا کہ ایک تالیف میں ہزار ہوں و نصاری نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ
آدمیوں نے تو بیکی۔ حدیث سے متعلق ایک حسن تعلق اور شغف کا نامہ ازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جن ملکوں سے آپ احادیث لکھتے تھے ان کے تراشے محفوظ
رکھتے تھے۔ آپ وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد اپنی ان ہی کتابوں سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تراشوں کا ایک ذخیرہ پھر بھی باقی رکھا گیا۔
ایسے عالی مقام حدیث کی تصانیف میں ندرت ملتی ہے۔ یہ برکتی ہیں خاصیت مختلف علوم میں آئیگی ہیں سو چالیس تصانیف میں بحیثیت کمال تعداد ہزاروں

اس کتاب میں

سات سو ایسے شخص و طائفہ مذکور ہیں جن میں ہر ایک کا ذکر یا تذکرہ لیا یا لکھا ہے یا ان کے سوانح یا تاریخ یا ایسے ہی کی کارنامہ عقل و فرصت کا آئینہ دار
ہے۔ یہ کتاب تیسریں ابواب پر مشتمل ہے جن میں نقل و تراجم کے فضائل و مناقب اور اہم و ذکا کی علامات کے علاوہ ان کے صحابہ، علماء و مشائخ، تلامذہ
داربار، عباد و دارو مدار و غیرہ۔ اور ان کے خاص و عرض سب کی و متعلقہ و مجربہ میں ہیں۔ ہاں شاہوں و وزیروں و اشرافوں کی کہ چاروں ایک کی ذکاوت کے حالات
و دیگر ان اہم بیان کے گئے ہیں۔ اصل کتاب عربی زبان میں اور عجائبات نہایت دقیق ہیں۔ فاضل مترجم حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند نے اپنی محنت و جانفشانی سے، اس ادنیٰ کتاب کو نہ صرف اردو زبان میں پہلا بلکہ تیسرے مفید اضافے بھی کیے۔ بات کو سمجھنے کے لئے
عربی کتابوں کی توضیح اور تالیف واقعات کی تفسیر و توضیحات کے علاوہ جہاں اختلاف کے باعث مطلب سمجھنا مشکل تھا وہاں سہولت و سہادی لکھی ہیں
ذکاوتوں میں کوئی خاص لکھنا نہ تھا تو یہیں اسکی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ عرض افادیت کے کسی پہلو میں نہ نہیں چھوڑا گیا۔ حضرت مولانا
فاری محمد طیب صاحب نے ان کے مضمونوں نے اس کا پیش نظر رکھا ہے۔ ہم مترجمین سے اس کتاب کے مطالعہ کی بڑی توجہ حاصل کرتے ہیں۔

شفاست۔ چار سو اسی صفحات۔ قیمت۔ دو جلد مع خوشنما گروپوش صرف پانچ روپے رخصت

ہر قسم کی عربی فارسی اردو کتاب بیک وقت کے پاس ہے | مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور دیوبند |
قرآن مجید حاکمیں محرمی و مترجم ہزاروں سے کاہتہ

